صحتِ کُتبِ مُقدّسہ

قسیس مُعظم آرچڈیکن برکت اللہ صاحب

پنجاب رلیجس بک سوسائٹی۔ انارکلی لاہور

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No: 082940
★ MAILSI ★

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

"ہمارے خُدا کا کلام اَبد تک قائم ہے"۔ یسعیاہ ۴۰: ۸

صِحتِ کُتبِ مُقدّسہ

مُصنّفہ

قسیسِ معظّم آرچ ڈیکن برکت اللہ

ایم اے، ایف۔ آر۔ اے۔ ایس

تحفہ از
جناب علامہ مظفر عباسی

پنجاب ریلجس بُک سوسائٹی

انارکلی، لاہور

۱۹۶۸ء

بارسوم تعداد ۱۰۰۰

نذر

یہ کتاب

تمام جویانِ حق کی نذر کی جاتی ہے

جو خلوصِ دل سے تحقیقِ حق کے عشق میں گرفتار ہو کر سرگرداں پھر رہے ہیں۔

میری دُعا ہے

کہ خدا باپ کی ازلی اور ابدی محبت اُن کی رُوحوں کی پیاس بجھا کر اُن کو

مُصنّفِ کتاب کی طرح اُس کے قدموں میں لائے

جو راہ، حق اور زندگی ہے۔

برکت اللہ

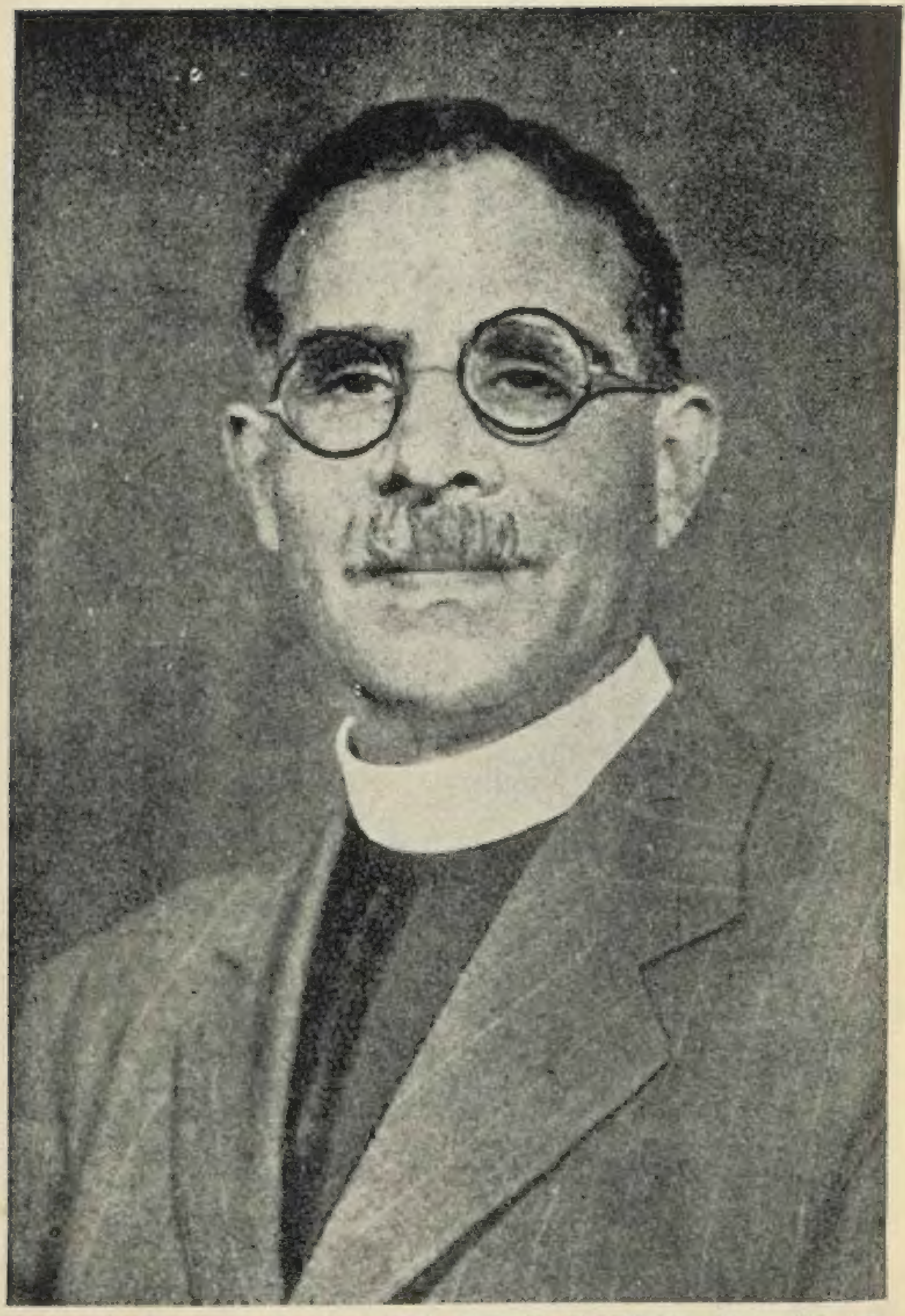

THE VENERABLE ARCHDEACON BARAKAT ULLAH, M.A., F.R.A.S.

فہرستِ مضامین

عنوان	صفحہ
دیباچہ ایڈیشنِ اوّل و دوم	۱۳
دیباچہ ایڈیشنِ سوم	۱۹
حِصّہ اوّل	۲۱
صحتِ کتبِ عہدِ عتیق	"
مُقدّمہ :- عبرانی کُتبِ مُقدسہ کی زبان اُور رسم الخط کی تاریخ	"
عبرانی زبان کا رسم الخط	"
عبرانی زبان کی خصوصیات	۲۴
عبرانی تحریرات کن اشیاء پر لکھی جاتی تھیں؟	۲۵
عبرانی زبان کے مختلف دَور	۲۶
عبرانی زبان کے مختلف رسم الخط	۳۲
بابِ اوّل :- تصحیفِ کاتبین	۳۴
فصلِ اوّل :- کیا عبرانی رسم الخط کی وجہ سے کُتبِ مُقدسہ میں فتور واقع ہُوا؟	"
اعراب کی عدم موجُودگی	"
حروف کی مُشابہت	۴۲

عنوان	صفحہ
فصل دوم :- سہوِ کاتب کی حقیقت	۴۸
بائبل اور کتابت کی غلطیاں	″
مشاہیر اساتذہ کے کلام میں کتابت کی غلطیاں	۵۲
نتیجہ	۵۴
باب دوم :- عبرانی کتبِ مقدسہ کے نسخہ جات	۵۵
نسخہ جات کی خصوصیات	۵۶
نسخوں کی تعداد	″
نسخوں کے ضائع ہونے کے اسباب	۵۷
باب سوم :- کتبِ عہدِ عتیق کی صحت پر تاریخ کی شہادت	۵۹
باب چہارم :- دورِ اول، خروجِ مصر سے بابل کی اسیری تک کا زمانہ	۶۰
ارضِ مقدس کے یہود اور نوشت وخواند	″
قدیم کتبِ مقدسہ کی تاریخ تصنیف	۶۳
فصلِ اول :- عبرانی کتبِ مقدسہ کی صحت کی اندرونی شہادت	″
عبرانی کتبِ مقدسہ کی حفاظت کے وسائل	۶۴
کتبِ مقدسہ کی صحت کا اندرونی ثبوت	۶۸
فصلِ دوم :- عبرانی کتبِ مقدسہ کی صحت کی خارجی شہادت	۷۰
(۱) پہلا گواہ - سامری نسخۂ تورات	″
قومِ سامری	″
سامری تورات	۷۳

صفحہ	عنوان
۸۵	(۲) دُوسرا گواہ - آثارِ قدیمہ
"	آثارِ قدیمہ کی شہادت اُور بائبل کے بیانات
۹۱	آثارِ قدیمہ اُور کُتبِ مُقدّسہ کا زمانۂ تصنیف
۹۴	نتیجہ
۹۵	بابِ پنجم :- دَورِ دوم - اسیری کے خاتمہ سے یروشلیم کی بربادی تک کا زمانہ
"	فصلِ اوّل - حضرت عزراہ اُور فقہا کا زمانہ
"	کُتبِ مُقدّسہ کی تاریخ تصنیف
"	حضرت عزراہ اُور حلقۂ فقہا
۱۰۲	جمعِ کُتبِ عہدِ عتیق
"	عبرانی کا جدید رسم الخط
۱۰۳	قدیم کُتب خانے
"	اُدکین ترجمہ سبعینیہ - یا سپٹواجنٹ
۱۰۵	مسیحی کلیسیا اُور ترجمۂ سبعینیہ
۱۰۶	ترجمۂ سبعینیہ کے ترجمے
"	سپٹواجنٹ کے نُسخے
۱۰۹	فصلِ دوم :- مکابیوں کا زمانہ - کنارِ بحرِ مُردار کے طومار
"	یہودی فرقہ - قمران کا پسِ منظر
۱۱۴	مکابیوں کے زمانہ میں کُتبِ مُقدّسہ کی حفاظت

عنوان	صفحہ
یہودی فرقہ قمران کا آغاز	۱۱۵
یہودی فرقۂ قمران کی تاریخ	۱۱۷
وادیٔ قمران کے یہود کے اعتقادات	۱۲۱
کنارِ بحرِ مُردار کے طُومار	۱۲۵
دیگر نُسخے	۱۳۴
یہودِ قمران اور کُتبِ مُقدّسہ کی حفاظت	۱۳۷
دریافتوں کے نتائج	۱۳۸
فصلِ سوم :- اہل یہود کی پارٹیاں اور مسئلہ تحریف	۱۴۰
فصلِ چہارم :- اہلِ یہود کے مُختلف مسالک اور مدرسے	۱۴۲
فصلِ پنجم :- حضرت کلمۃ اللہ کی تصدیق	۱۴۵
فصلِ ششم :- حضرت کلمۃ اللہ کے مُلہم حواریوں کی تصدیق	۱۴۹
بابِ ششم :- دَورِ سوم - تلمودی زمانہ - قدیم نُسخے	۱۵۰
جمنیہ کی کونسل	۱۵۴
یہودی مدرسے	۱۵۵
تلمود کی تالیف	۱۵۶
کُتبِ "ترجم"	۱۵۸
عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کے دیگر یونانی ترجمے	۱۶۲
عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کا سُریانی ترجمہ	۱۶۵

صفحہ	عنوان
۱۶۶	اوریجن کا ترجمہ
۱۶۷	قدیم لاطینی ترجمے
۱۶۸	مُقدّس جیرؔوم کا لاطینی ترجمہ
۱۷۲	قرآن کی شہادت
۱۷۶	نتیجہ
۱۷۹	بابِ ہفتم :- دورِ چہارم ۔ مَسُوراہی زمانہ
"	مَسُورہ
۱۸۲	اعراب کی ایجاد
۱۸۷	مَسُوراہی کوششوں کے نتائج
۱۸۹	نتیجہ

حِصّہ دوم

صفحہ	عنوان
۱۹۱	صِحتِ کُتبِ عہدِ جدید
۱۹۲	باب اوّل :- تصحیفِ کاتبین کی حقیقت
۱۹۴	سہوِ کاتب کی اقسام
۲۰۳	انجیلی اختلافات کی حقیقت
۲۰۵	باب دوم :- انجیلِ جلیل کی صحت پر آثارِ قدیمہ کی شہادت
۲۱۵	باب سوم :- انجیلِ جلیل کی صحت پر تاریخ کی شہادت

صفحہ	عنوان
۲۱۷	نسخوں کی تاریخ کے دَور
۲۱۸	فصلِ اوّل :- دَورِ اوّل - پَپے پائرس کا زمانہ
۲۱۸	طُوماروں کی لمبائی
۲۱۹	طُوماروں کی مُشکلات
۲۲۰	انجیل کے نُسخے
۲۲۱	پَپے پائرس کی کتابی صُورت کے قدیم نُسخے
۲۲۳	دَورِ اوّل کے بعض قدیم نسخے
۲۲۵	چیسٹر بیٹی کے نسخہ جات کا مجمُوعہ
۲۲۸	دَورِ اوّل کے نُسخوں کی تعداد
۲۲۸	نتیجہ
۲۳۰	فصلِ دوم :- دَورِ دوم - بڑے اُور جلی حرُوت کا زمانہ
۲۳۰	دَورِ دوم کی اہمیت
۲۳۲	نُسخوں کی تعداد
۲۳۳	نُسخہء سینا
۲۳۴	نُسخہء وَیٹی کَن
۲۳۶	نُسخہء سکندریہ
۲۳۷	نُسخہء واشنگٹن
۲۳۸	نُسخہء افرائیمی

عنوان	صفحہ
خربت مرد کے نسخہ جات	۲۴۰
بعض دیگر نسخے	۲۴۰
نسخۂ بیزائی	۲۴۱
فصلِ سوم ۔ دورِ سوم ۔ چھوٹے حروف کا زمانہ	۲۴۳
طرزِ تحریر اور حروف کی تبدیلی	۲۴۳
ابواب اور آیات کی تقسیم	۲۴۴
دورِ سوم کے نسخوں کی تعداد	۲۴۴
باب چہارم :۔ اورادِ کتبِ مقدسہ کے نسخہ جات کی شہادت	۲۴۴
لفظ "اوراد" کا مفہوم	۲۴۴
یونانی نسخوں کی کل تعداد	۲۴۵
باب پنجم :۔ کتبِ عہدِ جدید کے تراجم کی شہادت	۲۴۶
انجیل کی یونانی زبان کی خصوصیت	۲۴۰
ترجموں سے اصل متن کو جانچنے کے اصول	۲۴۹
فصلِ اول ۔ مشرقی ممالک کے تراجم	۲۵۲
سریانی تراجم	۲۵۲
ٹیشین کی ڈیاٹیسرون	۲۵۲
قدیم سریانی ترجمہ	۲۵۴
پشیتہ	۲۵۵

صفحہ	عنوان
۲۵۸	فلوکسینس کا ترجمہ
۲۵۸	ہارکل کے تُوما کا ترجمہ
۲۵۹	کنعانی سُریانی بولی کے ترجمے
۲۶۰	"کھوپری" کا نُسخہ
۲۶۱	آرمینی ترجمے
۲۶۲	جارجیا کے ترجمے
۲۶۲	ایرانی ترجمے
۲۶۲	حبش کے ترجمے
۲۶۳	عربی ترجمے
۲۶۳	قبطی ترجمے
۲۶۷	فصلِ دوم ۔ مغربی ممالک کے تراجم
۲۶۷	گاتھک ترجمہ
۲۶۸	لاطینی تراجم
۲۷۴	بابِ ششم :- ابتدائی مسیحی صدیوں کی تصنیفات کی شہادت
۲۷۶	مشاہیر اساتذہ کی تصنیفات
۲۸۵	نقشۂ اقتباسات
۲۸۶	بابِ ہفتم :- موازنۂ صحتِ انجیل و قرآن
۲۸۶	معروضی نقطۂ نگاہ

عنوان	صفحہ
قرآنِ نبوی اور دیگر مصاحف	۲۹۰
سبعۃ الاحرف	۲۹۶
عربی قرآن اور حضرت عثمان	۲۹۷
قرآن کی آخری تالیف	۲۹۹
اصولِ جمعِ قرآنِ عثمانی	۳۰۵
انجیل و قرآن کے متن کی صحت کا موازنہ	۳۰۶
باب ہشتم :- اصولِ تنقیح و تنقید	۳۱۲
باب نہم :- کتابِ مقدس کے اردو تراجم	۳۱۹

ضمیمہ کتاب

عنوان	صفحہ
(امام المناظرین مسٹر اکبر مسیح کے مضامین کا مجموعہ)	۳۲۴
فصلِ اول :- قرآن اور الکتاب	۳۲۴
مسئلہ تحریف کی ابتدا	۳۲۴
"الکتاب" کی اصطلاح	۳۲۵
قرآن، عربی بائبل	۳۲۶
لفظ "انجیل" کی اصطلاح	۳۳۰
بائبل کا مجموعہ	۳۳۱
فصلِ دوم :- قرآن مصدقِ بائبل	۳۳۴

صفحہ	عنوان
۲۲۴	آیاتِ تصدیق
۲۴۴	آیات کا مطلب
۲۵۰	فصلِ سوم - قرآن اور مسئلۂ تحریف

دیباچہ

ایڈیشن اوّل و دوم

دورِ حاضرہ میں بائبل شریف کی صحت کے ثبوت میں مسیحی علماء بالعموم قرآنی آیات کو پیش کرنے پر ہی اکتفا کیا کرتے ہیں، لیکن کتابِ مقدس کی صداقت ایک نہایت وسیع بحث ہے جو شہادتِ قرآنی سے بالکل مستغنی ہے۔ یہ ایک علمی بحث ہے جس کا تعلق صحیح تاریخ کے ثابت شدہ واقعات سے ہے اور جس پر اصُول علم تنقید کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس بحث میں قرآن مجید کو صرف اتنا ہی دخل ہے، جتنا دیگر تواریخی شواہد کو دخل ہے۔ ہم نے اس کتاب میں معروضی نقطۂ نگاہ کو مدِنظر رکھ کر تاریخی حقائق کو اپنے مذہبی عقائد کے مطابق نہیں ڈھالا بلکہ مذہبی عقائد کو تاریخی اور خارجی شواہد کی روشنی میں پرکھا ہے اور اُن کے ماتحت کیا ہے تاکہ حق الامر معلوم ہو۔ اس کتاب میں بائبل اور قرآن دونوں کی شہادت اصُولِ تنقید کے مطابق انشاء اللہ اسی طرح پرکھی جائے گی جس طرح دیگر شہادتوں کو پرکھا جاتا ہے۔ قرآن ایک گواہ ہے جو ان کتابوں کے وجود اور ان کی اشاعت کے سینکڑوں برس بعد وجود میں آیا۔ پس اس کی شہادت محض سماعی شہادت کا درجہ رکھتی ہے اور بائبل کا درجہ اُس شخص کا سا ہے جو اپنے دعووں کے ثبوت میں شہادت پیش کرتا ہے۔ اصُولِ تنقید عام ہیں جو کسی کی طرفداری نہیں کرتے، خواہ وہ کتاب قرآن ہو یا انجیل۔ ژنداوستا ہو یا وید۔ تورات ہو یا بھگوت

رکھنا۔ ہر ایک کتاب کی صحت ایک ہی قسم کے اِن عام تنقیدی اصُولوں کی کسوٹی پر پرکھی جاتی ہے۔ پس بائبل مقدس اپنی نیت اور ہستی کے لئے ایسے کسی گواہ کی محتاج نہیں ہو سکتی جو آخری کتاب لکھے جانے کے سات سَو سال بعد آیا۔ تنقید و تحقیق کی نظر سے اِس قسم کی ایک نہیں بلکہ ہزار شہادتیں بھی صفر سے زیادہ وُقعت نہیں رکھتیں کیونکہ اگر مسیحی کُتبِ مقدّسہ کی صحت میں کچھ فرق نہیں آیا تو اگر ایک گواہ سات سو سال بعد پیدا ہو کر کہے کہ یہ کُتب صحیح اور معتبر ہیں تو اُس کی گواہی بذاتِ خود کچھ وُقعت نہیں رکھ سکتی۔ اور اگر عیسائی اپنی کتابوں کی اصلیت اور حقیقت کے بارے میں چھ سو برس کے اندر کوئی بڑا دھوکا کھا چکے تھے اور اُن کی صحت کے متعلق اُن کا عقیدہ محض ایک حُسنِ ظن کا رُتبہ رکھتا تھا تو قرآن کا اِن کتابوں کی تصدیق کرنا زیادہ سے زیادہ ایک آوازِ بازگشت قرار دیا جائے گا۔ پس کُتبِ مقدّسہ سابقہ کے اعتبار یا بے اعتباری کے بارے میں اکیلے قرآن مجید کی شہادت قابلِ قبول نہیں۔

(۲)

پس لازم ہے کہ ہم از سرِ نو اُن کتابوں کی تاریخوں کے واقعات پر تنقیدی نظر ڈالیں اور خالص اصُولِ درایت و تنقید کے مطابق اُن شہادتوں کی جانچ پڑتال کریں جو کُتبِ مقدّسہ اپنی صحت کے ثبوت میں پیش کرتی ہیں۔

اس رسالہ میں ہم نے مختصر طور پر ان تنقیدی اصُولوں کے مطابق بائبل شریف کے مجموعہ کو پرکھا ہے اور علمی اصُول کے مطابق ہم نے ان کُتب کی جانچ پڑتال کر کے اِن کی صحت کو ثابت کیا ہے۔ چونکہ ہماری صُحفِ سماوی قدیم کُتب ہیں جو ہزاروں سالوں سے نقل ہوتی چلی آئی ہیں، لہٰذا اس رسالہ میں ہم تفصیل کے ساتھ اُن تمام اُمور

پر بحث نہیں کر سکتے جن کی چھان پھٹک میں نقادوں نے اپنی گرانمایہ عمریں صرف کر دیں بلکہ مختصر طور پر ہی ہم تنقیدی اور تاریخی امور پر نظر ڈالیں گے جن احباب کو تحقیق کا شوق ہو وہ اُن مستند انگریزی کتب کا مطالعہ کریں جن کی فہرست اِس کتاب کے آخر میں دی گئی ہے۔

ہمارا یہ ایمان ہے کہ کتاب مقدس میں خدا کا کلام محفوظ ہے۔ انجیل جلیل میں صاف الفاظ میں ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ "جو کوئی تم سے تمہاری اُمید کی وجہ دریافت کرے اُس کو جواب دینے کے لئے ہر وقت مستعد رہو" (۱۔پطرس ۳: ۱۵) اور ساتھ ہی یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تم کلام کرو تو محبت آمیز الفاظ استعمال کرو (افسیوں ۴: ۱۵)۔ پس اِس ارشاد کی تعمیل میں ہم پر یہ فرض ہو جاتا ہے کہ اپنے اس ایمان کے مدلل ثبوت محبت آمیز الفاظ میں پیش کریں تاکہ کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ ہم اپنے اندھا دھند ایمان کو دیدہ دلیری سے پیش کرتے ہیں۔

اہل اسلام کے نزدیک اِس قسم کی تحقیق غیر ضروری ہے کیونکہ وہاں تمام مقدمات کا فیصلہ قال اللہ اور قال الرسول پر ہوتا ہے جو لوگ قرآن مجید کو بطور مبادیٔ ایمانیہ کے خدا کا کلام مان چکے ہیں جس میں انسانی ذہن اور فکر کو دخل نہیں اُن کے نزدیک کوئی بات جو اُس کے خلاف ہو قابل قبول نہیں، اس لئے ہم نے اُن کی خاطر اِس کتاب کے آخر میں رئیس المتکلمین حضرت اکبر مسیح صاحب مرحوم کے مضامین کو جو آپ نے اخبار تجلی میں لکھے تھے بطور ضمیمہ درج کر دیئے ہیں تاکہ اُن کی تشفی ہو جائے۔

(۳)

واجب تو یہ تھا کہ جس طرح مسیحی کتب مقدسہ کے مجموعہ میں یہودی انبیائے سلف

کے صحیفے موجود ہیں اور مسیحی اُن صحائفِ انبیاء کی تلاوت کرتے ہیں ویسا ہی اسلامی صُحفِ سماوی کے مجموعہ میں یہودی اور مسیحی کُتبِ مقدسہ کو جگہ ملتی اور اہلِ اسلام اِن کُتبِ مقدسہ مشتمل بر کُتبِ عہدِ عتیق و جدید کی بھی اُسی طرح تلاوت کرتے جس طرح وُہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں، کیونکہ قرآن نے مسلمانوں کی یہ تعریف بتلائی " یومنون بالکتب کلہ" (آل عمران ع ۱۲) جو ساری کی ساری الکتاب (بائبل) پر ایمان لاتے ہیں۔ پھر فرمایا اٰمنا بالذی انزل علینا وانزل الیکم والٰھنا والٰھکم واحد۔ یعنی "اَے مسلمانو، تُم یہودیوں اور عیسائیوں سے کہہ دو ہم ایمان لاتے ہیں اُس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور اُس پر جو تمہاری طرف نازل ہوا، ہمارا خُدا اور تُمہارا خُدا ایک ہی ہے۔ پس اہلِ اسلام کا صحفِ سماوی کا مجموعہ کُتبِ عہدِ عتیق و عہد جدید اور قرآن پر مشتمل ہونا چاہیے تھا۔ اگر وُہ ایسا کرتے تو وُہ اُن قرآنی احکام پر عمل کرتے جو خود حضرت رسُولِ عربی کو اور مومنین کو دیئے گئے تھے۔ چنانچہ قرآن میں آنحضرت کو حکم ہوتا ہے۔ فان کنت فی شك بما انزلنا الیك فسئل الذین یقرءون الکتاب من قبلك۔ یعنی (اَے محمد) اگر تجھ کو اس چیز میں جو ہم نے تیری طرف اُتاری کُچھ شک ہو تو اُن لوگوں سے پُوچھ لیا کر جو بائبل (الکتاب) کو تجھ سے پہلے پڑھتے آتے ہیں (سُورہ یُونس ع ۱۰) پھر تمام مسلمانوں کو بھی حکم ہوتا ہے۔ فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (اَے مسلمانو)۔ اگر تُم کو کسی شے کا علم نہ ہو تو بائبل والوں سے دریافت کر لیا کرو۔ (سورہ نحل ع ۶)۔ پس واجب تو یہ تھا کہ جس طرح آنحضرت الٰہی حکم کے مُطابق اُن لوگوں سے پُوچھ لیا کرتے تھے جن کو اللہ نے ہدایت بخشی تھی اور اُن کی ہدایت کی پیروی بھی کرتے تھے بحکم ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ (سورہ انعام ع ۱۰ و سورہ قصص آیت ۴۸)۔ اُسی طرح مسلمان الٰہی احکام پر چلتے، اگر وُہ ایسا

توریت اور قرآن مجید کے ساتھ ساتھ الکتاب المقدس کی بھی تلاوت کرتے تو جیسا ہم اپنے رسالہ "توضیح البیان فی اصول القرآن" میں واضح کر چکے ہیں، اُن کو رسائل شرعیہ وغیرہ کے لئے کُتب احادیث و فقہ کی ورق گردانی کرنی نہ پڑتی۔ اور علماء اسلام الٰہی احکام اور سُنتِ نبوی کو مُحکم طور پر پکڑ لیتے لیکن اُنہوں نے صراطِ مُستقیم کو چھوڑ دیا، اور کہا نومن بما انزل علینا ویکفرون بما ورآءہ (بقر آیت ۸۵) ہم صرف قرآن پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہُوا اور اس کے علاوہ جو نازل ہوا اُس کو نہیں مانتے۔ اور قرآن مجید کی مین ضد میں کہتے ہیں کہ ہمارا ایمان ہے کہ بائبل (الکتاب) میں تحریف اور فتور واقع ہوگیا ہے۔ لیکن خُدا اُن کو اپنے رسُول کی معرفت کہتا ہے قل بئسما یامرکم ایمانکم ان کنتم مومنین۔ (اے رسُول، تُو کہہ دے کہ اگر تُمہارا یہی ایمان ہے اور تُم یہی ایمان دار ہو تو تُمہارا یہ ایمان تُم کو بُرا سکھاتا ہے (بقر ع ۱۱)۔

ع او خویشتن گم است کرا رہبری کند؟

اہلِ اسلام نے اپنے مُلا کے بے بُنیاد الزام کو قرآن کے احکام و ارشادات پر ترجیح دے کر سچ مان لیا اور خُدا سے، اُس کے فرستادہ رسُول سے اور اُس کی کتاب سے رُوگردانی اختیار کرلی اور کتاب اللہ ورآء ظھورھم کانھم لا یعلمون۔ اُنہوں نے خُدا کی کتاب بائبل اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دی گویا وہ جانتے ہی نہیں (سورہ بقر آیت ۱۰۰) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دورِ حاضرہ کے مسلمانوں کی تنبیہ کے لئے فرمایا ہے۔ افتؤمنون ببعض الکتٰب وتکفرون ببعض فما جزآء من یفعل ذالک منکم الا خزی فی الحیوۃ الدنیا ویوم

القیمة یردون الی اشد العذاب کہ تم کتاب کے ایک حصّے پر ایمان لاتے ہو اور دُوسرے حصّے سے انکار کرتے ہو، پس جو کوئی تم میں سے یہ کام کرتا ہے اس کے سوا اُن کا اور کیا بدلہ ہو سکتا ہے کہ دُنیا کی زندگی میں اُن کی رسوائی ہو اور قیامت کے روز نہایت سخت عذاب میں ڈالے جائیں۔ (سورہ بقر آیت ۸۴)۔

اِس رسالہ کے پڑھنے سے انشاء اللہ ناظرین پر واضح ہو جائے گا کہ بائبل شریف کی کتابیں تواریخی شواہد کی رُو سے اور اصولِ روایت و تنقید کے مُطابق صحیح ہیں اور جب مسلمانوں کی اپنی کتاب جس کو وُہ خُدا کی آواز سمجھتے ہیں اُس کی صحت پر رطب اللسان ہیں تو اُن کو خائف و ترساں ہونا چاہیئے۔ مبادا کتابِ مقدس کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کر کے اور اُس کی تلاوت کو فضول سمجھ کر وُہ خُدا کے کلام کے مخالف اور شدید عذاب کے سزاوار ہو جائیں۔

اِس کتاب کی پہلی ایڈیشن ۱۹۳۱ء میں شائع ہُوا تھا۔ مدت پندرہ سال سے احباب دُوسرے ایڈیشن کے لئے تقاضا کر رہے ہیں۔ لیکن مختلف مصروفیات مانع رہیں۔ اِس تاخیر میں بھی پروردگار کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ کیونکہ گذشتہ بیس سالوں میں نہایت قدیم اور اہم قسم کے نئے نسخے اور نئے کتبے دستیاب ہُوئے ہیں جنہوں نے کُتبِ مُقدسہ کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا ہے۔ اِن نئی دریافتوں کا ذکر اِس دُوسری ایڈیشن میں کیا گیا ہے۔

آخر میں میری دُعا ہے کہ خُدا اِس ایڈیشن کو استعمال کرے۔ تاکہ متلاشیان حق اِس سے فائدہ اُٹھا کر ابدی نجات سے بہرہ اندوز ہوں۔ آمین

برکت اللہ

انارکلی۔ بٹالہ
یکم اکتوبر ۱۹۵۰ء

دیباچہ

ایڈیشن سوم

تمام حمد و تعریف اُسی خدائے واحد کو سزاوار ہے جس کی ذات محبت ہے اور جس نے کلمۃ اللہ مسیح یسوع کے ذریعہ اپنی ازلی ابدی اور بیکراں محبت کا مکاشفہ ہر گنہگار پر کیا ہے تاکہ وہ اپنے گناہوں کی غلامی سے آزاد ہو کر اُس کے دامنِ محبت کو پکڑ کر مغفرت حاصل کرے اور اُس سے ابدی رفاقت رکھ سکے۔

(۹۴)
آج جب میں یہ سطور لکھ رہا ہوں تو میں خدا کے فضل و کرم سے اپنی زندگی کی چورانویں منزل میں قدم رکھ رہا ہوں۔ اُس کا شکر ہو جس نے مجھ نالائق کو یہ حق عطا کیا کہ اُس سے توفیق حاصل کر کے اپنی زبان اور قلم سے اپنے ہم وطنوں کو عموماً اور مسلمان برادران کو خصوصاً اُس کی لازوال محبت کا پیغام دے سکوں۔ میری دعا ہے کہ خدا میری ستاون سالہ ناچیز کوششوں کو بارور کرے۔

اِس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۱ء میں اور دوسرا ۱۹۵۰ء میں نکلا تھا۔ اِس کے چھپ جانے کے بعد گذشتہ چند سالوں میں عبرانی کتبِ مقدسہ کے قدیم ترین نسخے (جو خداوند مسیح سے صدیوں پہلے کے ہیں) ارضِ مقدس سے دستیاب ہوئے ہیں اور انجیل جلیل کے بھی چند قدیم ترین پارے دستیاب ہوئے ہیں جو پہلی صدی ہی کے

اواخر میں لکھے گئے تھے۔ علما نے ان نسخوں اور پاروں کا تفصیل وار مطالعہ کیا ہے۔ ہم نے اُن کے تازہ ترین نتائج کو شاملِ کتاب کر دیا ہے۔

اِس کتاب کے دُوسرے ایڈیشن کے شائع ہونے کے بعد ہم نے ۱۹۵۵ء میں اناجیلِ اربعہ کی بحث کے موضُوع پر کتاب "قدامت و اصلیت اناجیلِ اربعہ" (دو جلد) لکھی جس کا دُوسرا ایڈیشن ۱۹۶۰ء میں شائع ہُوا۔ کتابِ ہذا کے ناظرین سے اِلتماس ہے کہ اِس مضمون پر مزید روشنی حاصل کرنے کے لئے اُس کتاب کی دونوں جلدوں کا بھی مطالعہ کریں۔

میری دُعا ہے کہ طالبانِ حق میری طرح منجئ جہان کے قدموں میں آئیں اور عاشقانِ کلامِ الٰہی اِن تین جلدوں کا مطالعہ کر کے کتابِ مقدس کی بیش از بیش قدر کریں اور خُدا کے کلام اور کلمۃ اللہ کے کلماتِ طیبات سے مستفیض ہو کر اُن کو حرزِ جان بنائیں اور آرامِ جان حاصل کریں۔ آمین

کوہ منصوری۔ ہندوستان
۱۶ر اگست ۱۹۶۴ء

احقر العباد
برکت اللہ

حِصّہ اَوّل

صِحتِ کُتبِ عہدِ عتیق

مُقدّمہ

عبرانی کُتبِ مُقدسہ کی زبان اَور رسمُ الخط کی تاریخ

عبرانی زبان کا رسمُ الخط

جب ہم اہلِ یہود کی کُتبِ مُقدسہ کی زبان اور رسمُ الخط پر غور کرتے ہیں تو ہم اس کی نشوونما ترقی اور ارتقاء میں خُدا کا ہاتھ دیکھتے ہیں جس میں ہم کو اُس کی شانِ پروردگاری نظر آتی ہے۔

(۱)

یہ امر قابلِ غور ہے کہ عبرانی زبان حروفِ تہجی پر مشتمل ہے۔ قدیم زمانہ میں بعض ممالک مثلاً چین۔ اسیریا وغیرہ مہذب ممالک تھے لیکن ان مہذب ممالک کے رسمُ الخط میں حروفِ تہجی نہیں تھے۔ حروفِ تہجی کا یہ فائدہ ہے کہ اس کا ہر حرف ایک خاص قسم

کی آواز کو ادا کرتا ہے اور مختلف حروف مل کر لفظ یا لفظ کا جزو بنتے ہیں لیکن اسیریا کے رسم الخط میں حروفِ تہجی نہیں تھے۔ بلکہ اس ملک کے لوگوں کا رسم الخط "خطِ تمثال" تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ خط مختلف اقسام کی آوازوں کو ایسا ادا نہیں کر سکتا جس طرح حروفِ تہجی ادا کر سکتے ہیں۔ بلکہ وہ اس خط کے ذریعہ مختلف اشیاء کو صرف اُن کی تصویریں یا شکلیں کھینچ کر ہی ظاہر کر سکتے تھے اور اظہارِ مطلب کے لیے ہر لفظ کی بجائے تصویر کھینچنی پڑتی تھی۔ مثلاً اگر یہ لکھنا مقصود ہوتا کہ فلاں برتن نوکر کے ہاتھ بھیج دو تو برتن کی اور نوکر کی اور اُس کو لانے کی تصویریں بنائی جاتیں۔ پس اگر کچھ تھوڑی سی عبارت بھی لکھنی پڑ جاتی تو ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ بیچارے کاتب کو کتنی شکلیں کھینچنا پڑتی ہوں گی۔

اگر اہلِ یہود کی کتبِ عبرانی رسم الخط کی بجائے اسیریا کے رسم الخط میں لکھی جاتیں تو کوئی تعجب کی بات نہ ہوتی کیونکہ بابل کی تہذیب حضرت ابراہیم سے بہت پہلے ملک کنعان میں جاری و ساری ہو چکی تھی۔ طل العمرنہ کی الواح پر مختلف ممالک کے سفیروں کی خط و کتابت ہم کو دستیاب ہوئی ہے۔ یہ خطوط ملکِ کنعان سے مصر کو خداوند مسیح سے پندرہ سو سال پہلے روانہ کئے گئے تھے اور بابلی زبان کے خطِ میخی میں لکھے ہوئے ہیں جس کے مختلف حروف پیکان یا میخ کی شکل میں لکھے ہوتے تھے پس اگر اہلِ یہود اپنی کتب کو خطِ تمثال یا خطِ میخی میں لکھتے جو ملک کنعان میں مروج تھے تو جائے تعجب نہ ہوتا۔ لیکن حیرت انگیز امر یہ ہے کہ انہوں نے یہ دونوں رسم الخط اختیار نہ کئے بلکہ عبری رسم الخط اختیار کیا جو حروفِ تہجی پر مشتمل ہے یہ جس میں ہر حرف [illegible] آواز کو ادا کرتا ہے۔ اگر ان قدیم ایام میں رسم الخطوط

میں سے کسی ایک کو بھی یہودی کتبِ مقدسہ کے لکھنے کے وقت اختیار کیا جاتا تو ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ دورِ حاضرہ میں ان کتب کو اُن کی اصل زبان میں پڑھنا کس قدر جان جوکھوں کا کام ہوتا اور ان کے ترجمہ کرنے میں کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ وہ دنیا کے ہر کونے میں اس طرح نہ پہنچ سکتیں جس طرح وہ اب اطراف و اکنافِ عالم میں پہنچ گئی ہیں لیکن خدا کو یہ منظور تھا کہ وہ اہلِ یہود کے ذریعہ اس عالم میں اپنے علم کا نور پھیلائے لہٰذا اس کی دستِ حکمت نے مُلہم مصنفین کی رہنمائی اور یہودی کتبِ مقدسہ عبرانی رسم الخط کے حروف میں احاطۂ تحریر میں آئیں۔

قدیم ایام ہی سے اہلِ یہود کے آباؤ اجداد کے پاس کسی شے کو معرضِ تحریر میں لانے کے ذرائع اور وسائل مہیا تھے۔ کیونکہ شمالی سامی زبان کے حروفِ تہجی حضرت موسیٰ سے مدتوں پیشتر رائج تھے جن کا نمونہ [illegible] قبل مسیح کی تحریرات میں جو اب بھی ہمارے پاس موجود ہیں۔ خود حضرت موسیٰ نہ صرف خواندہ تھے (گنتی ۳۳ : ۲ تا آخر) بلکہ وہ مصر کی طرزِ تحریر اور علم ادب پر بھی پوری دسترس رکھتے تھے (اعمال ۷ : ۲۲)۔ یہ امر جائے غور ہے کہ جب اہلِ یہود کے آباؤ اجداد کی معاصر اقوام جو اُن کی سی تہذیب رکھتی تھیں مسیح سے چار ہزار سال پہلے خواندہ تھیں اور نوشت و خواند کیا کرتی تھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ قوم یہود کے آباؤ اجداد نوشت و خواند کی نعمت سے محروم رہ گئے ہوں[1]۔ پس جہاں تک عہدِ عتیق کی کتبِ مقدسہ کا تعلق ہے ان کی

1. The New Bible Dictionary. Art. Text and Versions of O.T.

صحت کا انحصار صرف سینہ بہ سینہ زبانی روایات پر نہیں ہے۔ اس کا مفصل ذکر ہم انشاء اللہ آگے چل کر باب چہارم کے شروع میں کریں گے۔

ان کتب مقدسہ سے ظاہر ہے کہ خدا کا ابدی ارادہ یہ تھا کہ اہل یہود کے ذریعہ اپنا علم دنیا کے ہر گوشہ میں اور روئے زمین کی اقوام کے ہر فرد تک پہنچائے (یسعیاہ ۴۹: ۶، ۱۹: ۲۳، ۵۶: ۶ وغیرہ) پس اس نے اس مقصد کو انجام دینے کے لئے تمام قدیم زبانوں میں سے عبرانی زبان کو چن لیا تاکہ اس زبان کے ذریعہ اس کا پیغام اس کی مخلوق تک پہنچ جائے۔

عبرانی زبان کی خصوصیات

قدیم زمانہ میں عبرانی زبان دیگر تمام مروجہ زبانوں سے زیادہ سادہ مغلق الفاظ سے پاک، دلکش اور لطیف تھی۔ اس زبان کے فقروں کی ساخت بھی نہایت سادہ بے تکلف اور تصنع سے خالی تھی اس کے فقرے دیگر زبانوں کی طرح طویل نہیں ایسا کہ اس کے مختلف اور متعدد اجزا ہوں جو مل کر لمبے چوڑے مرکب جملے بنیں۔ اس زبان کے فقرے مختصر سادہ اور چھوٹے ہیں اور عبارت میں آسانی سے ربط کھا کر منسلک ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج بھی ان کو پڑھنے والا اکتاتا نہیں بلکہ دلچسپی سے پڑھتا چلا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں عبرانی زبان منطقیانہ اور فلسفیانہ اصطلاحات سے پاک ہے۔ اہل یہود نہ منطقی تھے اور نہ فلسفیانہ مسائل کی طرف ان کی طبائع راغب تھیں بقول حافظ ؎

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمہ را

اسرائیلیوں کے لئے خداوند کا خوف حکمت کا شروع ہے"۔ وہ ممالکِ ہند اور یونان کی طرح دہر کے رازوں اور معموں کی کشودگی اور مافوق الطبیعات مسائل کی جستجو میں حیران و سرگرداں نہیں رہتے تھے۔ پس عبرانی زبان تمام حکیمانہ، منطقیانہ اور فلسفیانہ اصطلاحات سے پاک، اور نہایت سادہ دلکش اور لطیف زبان ہے۔

خدا نے اس زبان کو تمام قدیم زبانوں میں سے چن لیا تاکہ اس کے ذریعہ اپنا مکاشفہ اپنی مخلوق پر ظاہر فرمائے۔ چونکہ یہ زبان سادہ ہے اس کے الفاظ سادہ اور فلسفیانہ اصطلاحات سے پاک ہیں، اس کے فقرے مرکّب ہونے کی بجائے سادہ اور مختصر ہیں اور اس کی عبارت آسان اور لطیف ہے۔ پس خدا کے دستِ حکمت نے ایسی زبان کو چنا جو نہایت آسانی سے دنیا کی تمام دیگر زبانوں میں ترجمہ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ اب تک کتبِ مقدسہ کا ترجمہ دنیا کی ایک ہزار دو سو بارہ زبانوں میں ہو چکا ہے۔ خدا کا مکاشفہ ان تراجم کے ذریعہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچ چکا ہے اور دورِ حاضرہ میں کل دنیا کے چھیانوے فی صد اشخاص کلامِ خدا کو اپنی مادری زبان میں سن اور پڑھ سکتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ ان ترجموں میں بھی وہی سادگی اور لطافت پائی جاتی ہے جو اصل زبان میں ہے کیونکہ اصل زبان خود سادہ مختصر دلکش اور لطیف ہے۔

عبرانی تحریرات کن اشیاء پر لکھی جاتی تھیں؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں عہدِ عتیق کی کتابیں کس شے پر لکھی جاتی تھیں؟ آثارِ قدیمہ سے ظاہر ہے کہ قدیم زمانہ میں مصر کے لوگ پپے پارس (یعنی نرسل کی قسم کے درخت جو پانی میں ہوتے تھے) کے بنے ہوئے ورق یعنی قرطاس (جمع قراطیس) پر لکھا کرتے تھے۔ کنعان میں مٹی کی الواح پر تیز نوکدار لوہے کی قلم سے

لکھا جاتا تھا جس کو بعد میں آگ میں پکا کر سخت کر لیا جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل میں بھی تختیاں رائج تھیں (خروج)۔ چند سال ہوئے بیت شمس سے قدیم ٹھیکرے دستیاب ہوئے جو ساڑھے تین ہزار سال پرانے ہیں اور جن پر قدیم عبری الفاظ کندہ ہیں۔ انبیائے یہود کے زمانہ میں کتب مقدسہ کے لکھنے کے لئے جھلی بھی استعمال کی جاتی تھی جو بچھڑے کے چمڑے سے لکھنے کے لئے تیار کی جاتی تھی۔ پس عبری کتب مقدسہ مختلف زمانوں میں الواح پر، چمڑے پر اور پپائرس کے ورقوں پر لکھی اور نقل کی جاتی تھیں۔ (یرمیاہ ۱۷:۱، یسعیاہ ۸:۱، یرمیاہ ۳۶:۲، ۱۰، ۲۳۔ حزقی ایل ۲:۹-۱۰ وغیرہ)

عبرانی زبان کے مختلف دور

ہم ذیل میں اہل یہود کی زبان اور رسم الخط کی مختصر تاریخ ناظرین کی واقفیت کی خاطر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ اس کے مختلف دوروں کو جن کا ذکر اس رسالہ میں کیا جائے گا بخوبی سمجھ سکیں۔

عبرانی زبان چند دیگر زبانوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے یعنی فینیقی زبان کے ساتھ اور موآبیوں کی زبان کے ساتھ جس کا نمونہ میشا کا کتبہ (۸۵۰ قبل مسیح۔ دیکھے ۲-سلاطین ۱:۱، ۳:۴، ۲-تواریخ ۲۰ باب)۔ اس کا تعلق اس کنعانی زبان کے ساتھ بھی ہے جو عبرانیوں کے حملہ سے پہلے کنعان میں بولی جاتی تھی۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ فاتح اسرائیلیوں نے اپنی مادری زبان کو، جو عربی سے تعلق رکھتی تھی، چھوڑ کر مفتوحین کی زبان اختیار کر لی۔ بہرحال جب فاتحین نے سرزمین کنعان میں رہائش اختیار کی تو ان کی کتب ادبیات عبرانی زبان میں ہی لکھی جاتی تھیں اور عبرانی ان کی روزمرہ

بول چال کا وسیلہ تھی۔

لیکن عبرانی قوم کی تاریخ میں ایک وقت ایسا آیا جب اُن کی روزمرہ بول چال کا وسیلہ عبرانی نہ رہی اور ارامی زبان نے اُس کی جگہ غصب کرلی۔ اب عبرانی صرف ادبیات کے لئے ہی مخصوص ہوگئی۔ ہم یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ کس وقت ارامی زبان نے عبرانی زبان کی جگہ غصب کرلی۔ گمان غالب یہ ہے کہ بتدریج ہی ایسا ہوا ہوگا۔ ۲-سلاطین ۱۸: ۲۶ سے ظاہر ہے کہ حضرت یسعیاہ نبی کے وقت (آٹھویں صدی قبل مسیح) اسرائیل عوام الناس ارامی زبان سے ناآشنا تھے لیکن شاہی اور یہودی عمائد و ارکین سلطنت اس کا استعمال کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نحمیاہ کے زمانہ میں بھی (پانچویں صدی قبل مسیح) کنعانی یہودیوں کی زبان عبرانی تھی۔ (نحمیاہ ۱۳: ۲۴)۔ لیکن پہلی صدی مسیحی میں اسرائیل عوام الناس کی زبان ارامی تھی، کیونکہ عہدجدید کی کتب میں ارامی فقرے موجود ملتے ہیں۔ مثلاً "طلیتا قومی" وغیرہ۔ پس عوام الناس نے پانچویں صدی قبل مسیح اور پہلی صدی مسیحی کے درمیان عبرانی زبان کو چھوڑ کر ارامی زبان کو اپنی روزمرہ کی بول چال کا وسیلہ بنایا۔ یہ امر ہم پر زیادہ واضح ہو جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ عہدعتیق کی ان کتب پر ارامی زبان کا اثر موجود ہے جو متاخرین نے لکھی تھیں اور اس سے پیشتر کے زمانہ میں ارامی الفاظ عبرانی زبان میں اس طرح دخل پاتے جاتے تھے جس طرح ہندوستان میں بہت قدیم زمانہ سے انگریزی الفاظ اردو زبان میں داخل ہوگئے ہیں۔

ارامی زبان کے علاوہ اسیریا کی زبان نے ابتدا ہی سے عبرانی کو متاثر کر رکھا تھا۔ ۵۸۶ قبل مسیح میں جب بابل کے فاتحین اہل یہود کو اسیر کرکے لے گئے تو

ایرانی زبان نے اُن پر اپنا اثر ڈالا۔ ۳۳۲ء قبل مسیح میں سکندرِ اعظم کے زمانہ کے بعد یُونانی زبان نے اہلِ یہُود اور ان کی زبان کو متاثر کیا اور مسیح سے قبل ایک سو سال جب یہُودیہ رُوم کے ماتحت ہوگیا تو لاطینی زبان نے اہلِ یہُود کے خیالات اور زبان پر اثر ڈالا۔

عہدِ عتیق کی کتابیں باستثنائے چند اوراق عبرانی زبان میں تحریر کی گئی تھیں اور تاحال اسی زبان میں محفوظ ہیں۔ صرف یرمیاہ ۱۰: ۱۱ و دانی ایل ۲: ۴ تا ۷: ۲۸ و عزرا ۴: ۸ تا ۶: ۱۸ و ۷: ۱۲-۲۶ ارامی زبان میں ہیں۔

(۲)

عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کے مجمُوعہ کی کتابیں خُداوند مسیح سے کئی صدیاں قبل مُختلف زمانوں میں لکھی گئیں۔ اب علمِ آثارِ قدیمہ بھی ان کی تاریخِ تصنیف پر روشنی ڈالتا ہے۔ ان کُتب کے عبرانی الفاظ۔ الفاظ کی ساخت اور توازن نحوی تراکیب اسلُوبِ بیان۔ طرزِ ادائیگی۔ خاص خاص محاورات۔ مضامینِ تخیّل۔ رنگ۔ تشبیہات اور تلمیحات وغیرہ میں اختلاف ہے کیونکہ مُختلف کتابیں عبرانی زبان کی ارتقا اور ترقی کی مُختلف منازل کے دَوران میں لکھی گئیں۔ اب آثارِ قدیمہ کے مُختلف کتبوں اور دریافتوں کی مدد سے بھی پتہ چل سکتا ہے کہ ارضِ مُقدّس کنعان میں عبرانی کے کون سے الفاظ کس صدی اور کس دَور میں رائج تھے اور یُوں عبرانی زبان کی تاریخ کے مُختلف دَوروں کا زمانہ متعیّن کیا جا سکتا ہے۔

اِس بات کو ناظرین ایک چھوٹی سی مثال سے سمجھ جائیں گے۔ خُداوند مسیح سے ڈیڑھ ہزار سال قبل شمال کی سامی زبانوں کے الفاظ کے آخر حرف "م" (میم) کو

گرا دیا جاتا تھا۔ مثلاً کلبم (بمعنی کُتّا) کے لفظ کے آخری میم کو حذف کر کے "کلب" لکھا جانے لگا۔ گو عربی کی طرح وہ کلبٌ۔ کلبِ۔ کلبَ۔ حسب ضرورت اور معنی لکھا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہام کے زمانہ اور حضرت موسیٰ کے زمانہ کی عبرانی زبان کے دوروں میں یہ فرق بڑا اہم شمار کیا جاتا ہے۔ پندرھویں اور چودھویں صدی قبل مسیح میں عبرانی لفظوں کے آخر میں حرف میم لکھا جاتا تھا۔ چنانچہ طل العمارنہ کی تختیاں۔ یوگارٹ کی نظمیں اور کنعانیوں کے نام جن کا ذکر قدیم مصریوں نے کیا ہے اس بات کا بین ثبوت ہیں۔ لیکن مصری عبارتیں ثابت کر دیتی ہیں کہ تیرھویں صدی قبل از مسیح کے آخر اور بارھویں صدی میں کنعانی زبان سے حرف میم حذف ہونا شروع ہو گیا تھا۔ قدیم عبری نظمیں بھی یہی ثابت کرتی ہیں کہ ان میں بھی تیرھویں صدی قبل از مسیح میں حرف میم حذف ہونا شروع ہو گیا تھا۔ دبورہ کا گیت (سنہ ۱۱۳۵ ق م) ثابت کر دیتا ہے کہ بارھویں صدی قبل از مسیح میں حرف میم کا استعمال بالکل متروک ہو گیا تھا۔ اسی زمانہ میں ٹکسالی عبری زبان کی نشو و نما بھی ہو رہی تھی جو دسویں صدی قبل از مسیح میں اپنے عروج پہ پہنچی۔ آثارِ قدیمہ کے ماہرین اس زبان کی ترقی کی مختلف منازل بتلا سکتے ہیں۔

اس نکتہ کو سمجھنے کے لئے ہم اردو زبان کے ارتقائی مختلف منازل کو مثال کے طور پہ لیتے ہیں۔ اس زبان کا ابتدائی زمانہ دھندلا ہے اور اس دھندلکے میں پہلا شاعر جو صاف طور پہ دکھائی دیتا ہے وہ طوطیٔ ہند امیر خسروؔ ہے۔ اس کے بعد یہ زبان بتدریج پختہ ہوتی گئی اور آہستہ آہستہ نشو و نما مضبوطی قوت۔ ترقی اور وسعت حاصل کرتی گئی۔ متقدمین کے دور کے بعد متوسطین

اَور پھر متاخرین کا دَور اَور اَب زمانہ جدیدہ کا دَور شروع ہُوا ہَے۔ اِن مُختلف دَوروں میں اُردُو کے الفاظ۔ ترکیب۔ طرزِ بیان۔ بندشِ مضامین وغیرہ میں زمین آسمان کا فرق نمودار ہوگیا ہَے۔ اُردُو علم اَدب کا نقاد اِس زبان کی تاریخ کی روشنی میں بتلا سکتا ہَے کہ فلاں کتاب یا نظم کس زمانہ سے متعلق ہَے۔ مثلاً امیر خُسرو کی شاعری "خُدائے سخن" میر انشا کی شاعری۔ غالب کی شاعری اَور اقبال کی شاعری میں ہم اُردُو زبان کے مُختلف مرحلوں اَور منزلوں کو بآسانی تمام دیکھ سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ امیر خُسرو کی شاعری اَور اقبال کی شاعری میں صبح کاذب اَور آفتاب نصف النہار کا سا فرق نمودار ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ہم عبرانی کُتبِ مُقدسہ کے نظم و نثر کے حصّوں کے الفاظ۔ نحوی تراکیب۔ مضامین کی پختگی۔ زبان کی لوچ۔ صنائع اَور بدائع وغیرہ سے معلوم کر سکتے ہیں کہ فلاں عبرانی کتاب عبرانی زبان کی تاریخ کے فلاں دَور سے متعلق ہَے۔ مثلاً دسویں صدی قبل مسیح کے جزر کی شاہی دستاویزوں (Gezer Calendar) سے ہم کو یہ معلوم ہو جاتا ہَے کہ حضرت داؤد کی وفات (سلیمان بادشاہ کی تخت نشینی (۲ سموئیل) سے پہلے کی عبری نثر کس قسم کی تھی۔ ہم جان سکتے ہیں کہ عبرانی کُتبِ مُقدسہ کی ٹکسالی عبرانی نثر وُہ ہَے جو یروشلیم میں خُداوند مسیح سے دس اَور نو صدیاں پہلے بولی جاتی تھی۔ ان دستاویزوں اَور فینیکی کتبوں کی مدد سے ہم قدیم نظموں مثلاً ۲ سیموئیل ۲۲ باب (زبُور ۱۸) کے زمانہ تحریر کو بھی متعین کر سکتے ہیں۔ سامریہ کے "آسترا کا" سے (Ostraca) جن کا تعلق آٹھویں صدی قبل مسیح سے ہَے ہم کو یہ پتہ چل سکتا ہَے کہ ہوسیع نبی کے زمانہ میں عبری

حروف اور املا وغیرہ کس قسم کے تھے۔ شیلوخ کا کتبہ (سنہ قبل مسیح) یسعیاہ نبی کے زمانہ کی عبری زبان کے ہجا اور طرزِ تحریر وغیرہ پر نہایت وضاحت سے روشنی ڈالتا ہے اور اس سے بھی زیادہ واضح طور پر لکیش کا "آستراکا" یرمیاہ نبی کی کتاب کی زبان۔ ہجا۔ رسم الخط اور تحریر وغیرہ پر روشنی ڈالتا ہے۔

آثارِ قدیمہ کا علم اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ کتبِ تواریخ عزرا۔ دانی ایل اور نحمیاہ کی زبان وہی ہے جو مسیح سے قبل پانچویں اور چوتھی صدی کے اوائل میں بولی جاتی تھی۔ ہم کو یہ بھی پتہ لگ جاتا ہے کہ جیسا ہم کہہ چکے ہیں یہود کی اسیری کے بعد عبرانی کی بجائے ارامی زبان حیرت انگیز طور پر ترقی کر گئی۔ آثارِ قدیمہ کا علم ارامی زبانوں کی مختلف منازل کے سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ مثلاً چوتھی صدی قبل مسیح کے مرتبانوں کے دستے یا موٹھ (ہینڈل) ملے ہیں جن پر ارامی حروف کی مہریں ثبت ہیں۔ حالانکہ اس سے پہلے ان پر عبرانی حروف ہوا کرتے تھے۔ جس سے ظاہر ہے کہ جیسا ہم سطورِ بالا میں ذکر کر چکے ہیں اس زمانہ میں ارامی زبان تمام مغربی ایشیا میں رواج پا رہی تھی حتیٰ کہ یہ زبان منجی عالمین کے وقت ارضِ مقدس کے رہنے والے یہودیوں کی مادری زبان بن چکی تھی۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں ایک کتبہ دستیاب ہوا جو زیتون کے پہاڑ کے روسی عجائب خانہ میں محفوظ ہے یہ ارامی زبان کے اُن حروف میں لکھا ہے جو خداوند مسیح کے زمانہ میں پہلی صدی میں رائج تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اہل یہود ارامی زبان میں نوشت وخواند کیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس سوال کا اناجیلِ اربعہ کی اصل زبان سے بھی گہرا تعلق ہے۔ لیکن یہ موضوع الگ ہے جس پر ہم نے اپنی کتاب "قدامت و

اصلیتِ اناجیلِ اربعہ" کی دو جلدوں میں بالتفصیل مبسوط بحث کی ہے۔

آثارِ قدیمہ کی روشنی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ متعدد زبور قدیم وقتوں کے ہیں اور مسیح سے دس صدیاں پہلے کی تصنیف ہیں۔ پس کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ان میں سے بہت سے مزمور حضرت داؤد کے زمانہ کے نہ ہوں۔ موجودہ دریافتوں نے ہم پر یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ کوئی مزمور چوتھی صدی قبل مسیح کے بعد کا نہیں ہے۔ بعری اور سمیری امثال کے مجموعہ نے (جو مسیح سے تین ہزار سال پہلے کا ہے) ثابت کر دیا ہے کہ امثال کی کتاب کم از کم اسیری کے زمانہ سے پہلے کی ہے اور ایوب کی کتاب مسیح سے پانچ یا چھ صدیاں پہلے کی ہے اور واعظ کی کتاب خداوند مسیح سے تین صدیاں پہلے کی ہے۔ غرضیکہ ہم آثارِ قدیمہ کی مدد سے بھی عبرانی زبان کے مختلف دوروں کی تاریخ کی روشنی میں مختلف کتبِ مقدسہ کا زمانہ متعین کر سکتے ہیں۔

عبرانی زبان کے مختلف رسم الخط

عبرانی زبان کا موجودہ رسم الخط وہ نہیں جو پہلے رائج تھا۔ یہ قدیم رسم الخط فینیکی زبان اور سامری زبان کے رسم الخط کی مانند تھا۔ یہ قدیم عبرانی رسم الخط سامری نسخہ۔ تورات میں محفوظ ہے جس کا ذکر بعد میں کیا جائے گا۔ قدیم عبرانی رسم الخط (جو عبری کہلاتا ہے) کے تمام حروف (سوائے چار حروف کے) مکابی زمانہ کے سکوں پر ملتے ہیں۔ عبرانی کے یہ دونو رسم الخط ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مثال کے طور پر حرف یود (ی) موجودہ عبرانی رسم الخط میں سب سے چھوٹا ہے اور یہی وجہ ہے کہ خداوند مسیح نے متی ۵: ۱۸ میں (جہاں اردو میں اس کا ترجمہ "شوشہ" کیا گیا ہے) اس کو استعمال کیا تھا۔ لیکن قدیم عبری رسم الخط میں حرف ی

تقریبا سب سے بڑا حرف تھا۔

جس طرح ہم یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ کنعان میں ارامی زبان نے عبرانی کی جگہ کب غصب کر لی اسی طرح ہم یقینی طور پر یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ جدید رسم الخط نے قدیم کی جگہ کب سے لی۔ غالبا یہ تبدیلی تبدریج وقوع میں آئی تھی۔ اگرچہ اہلِ یہود کا قول تھا کہ یہ تبدیلی حضرت عزرا کے زمانہ میں واقع ہوئی تھی۔ غالباً حقیقت یہ ہے کہ ارامی نے پوری طرح سے عبری حروف کی جگہ مسیح خداوند سے ڈیڑھ یا دو سو سال پہلے چھین لی تھی اور خداوند مسیح کے زمانہ میں یہی جدید حروف مروج تھے۔ صرف سامریوں نے ان جدید حروف کو اختیار نہیں کیا تھا بلکہ وہ فخریہ کہتے تھے کہ اُن کی توریت اُنہی قدیم حروف میں تاحال موجود ہے۔

یہ عجب حسنِ اتفاق ہے کہ یہود کی کتبِ مقدسہ کے رسم الخط اور اہلِ اسلام کے قرآن مجید کے رسم الخط میں تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ چنانچہ مرزا سلطان احمد صاحب دہلوی اپنے رسالہ تصنیفِ کاتبین میں لکھتے ہیں کہ "وفیات الاعیان کی روایت کے موجب ہجرت کے تین سو برس بعد خطِ نسخ بزمانہ مقتدر باللہ عباسی ایجاد ہوا اور اس خلیفہ کے وزیر ابنِ مقلہ نامی نے خطِ نسخ میں قرآن مجید لکھا اور چوتھی صدی ہجری میں علی بن بواب نے خطِ نسخ میں بہت سے ایجاد کئے کہ اب ہر ملک میں جو خطِ نسخ میں قرآن پائے جاتے ہیں یہ خلیفہ مستعصم باللہ کے کاتب دیوان یاقوت کے خط کی نقول ہیں جس کا زمانہ خلافت ۶۴۰ھ سے ۶۵۶ھ ہجری تک رہا۔

بابِ اوّل

تصحیفِ کاتبین

فصلِ اوّل

کیا عبرانی رسمُ الخط کی وجہ سے کُتبِ مُقدّسہ میں فتور واقع ہُوا؟

عبرانی رسمُ الخط کے متعلق چند امُور ایسے ہیں جن پر بحث کرنا دلچسپی سے خالی نہیں۔

اِعراب کی عدم موجُودگی

پہلا قابلِ غور امر یہ ہے کہ عبرانی الفاظ بغیرِ اعراب کے یعنی بغیر کسی زیر و زبر اور پیش وغیرہ لکھے جاتے تھے اور یہ خصُوصیت قدیم اور جدید رسمُ الخط کی ہے۔ موجُودہ کُتبِ مُقدّسہ میں یہ علامتیں لگا دی گئی ہیں۔ لیکن ان کا وجُود چھٹی یا ساتویں صدی مسیحی سے پہلے نہیں ملتا۔ مُقدّس جیروم کی تحریرات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کے زمانہ میں یہ علامتیں کُتبِ مُقدّسہ میں موجُود نہیں تھیں۔ لیکن یہ علامتیں نویں یا دسویں صدی کے تمام عبرانی نسخوں میں پائی جاتی ہیں۔ پس اِس امر کا اِمکان رہ جاتا ہے کہ

ان علامتوں کے اول بدل سے کتب کے متن کی صحت پر اثر پڑ جانے۔ یونانی ترجمہ سبعینیہ یعنی (سیپٹواجنٹ) میں (جس کا ذکر آئندہ کیا جائے گا) اس کی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً عبرانی حروف پ س گ ہ ت "لفظ "پسگہ" عبرانی میں پسگہ لکھا ہے۔ لیکن یونانی میں پسگہ ہے (استثنا ۳۴: ۱) اسی طرح پیدائش ۱۵: ۱۱ میں عبرانی الفاظ جن کا ترجمہ اردو میں "انہیں ہانکا دیا گیا ہے، علامتوں کے اول بدل کی وجہ سے یونانی ترجمہ میں "ان کے ساتھ بیٹھ گیا" ہو گیا۔ استثنا ۲۸: ۲۲ میں علامتوں کے اول بدل سے ایک ہی عبرانی لفظ کا ترجمہ "تلوار" (موجودہ اردو ترجمہ) اور "خشک سالی" (پرانا اردو ترجمہ) ہو سکتا ہے۔ پیدائش ۴۹: ۵ میں ایک ہی عبرانی لفظ کا ترجمہ "مکاریاں" (پرانا ترجمہ) اور "تلواریں" (نیا ترجمہ) ہو سکتا ہے اور یہ اعراب کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔

۱۔ سلاطین ۱۰: ۲۸ میں آیا ہے "جو گھوڑے سلیمان کے پاس تھے وہ مصر سے منگائے گئے تھے اور بادشاہ کے سوداگر ایک ایک جھنڈ کی قیمت لگا کر ان کے جھنڈ کے جھنڈ لیا کرتے تھے"۔ جس عبرانی لفظ کا ترجمہ اردو میں "ایک ایک جھنڈ" اور "جھنڈ کے جھنڈ" کیا گیا ہے وہ لفظ قوہ ہے اور حروف "ق، و، ہ" پر مشتمل ہے حرکات کی تبدیلی سے یہ لفظ ایک جگہ کا نام ہو جاتا ہے اور مذکورہ بالا آیت کا ترجمہ یہ ہو جاتا ہے "اور جو گھوڑے سلیمان کے پاس تھے وہ مصر اور قوہ سے منگائے گئے تھے" اور یہی ترجمہ لاطینی ولگیٹ اور یونانی سیپٹواجنٹ کا ہے۔ اس ترجمہ کو آثارِ قدیمہ کی معلومات سے بھی تقویت ملتی

ہے کیونکہ قنو کا مقام ذکر کے کتبہ میں درج ہے جو سلیشیا کے علاقہ میں تھا اس مقام کا پتہ ہم کو اسوری دستاویزوں سے بھی ملتا ہے۔

بادی النظر میں عبرانی الفاظ پر اعراب کی عدم موجودگی کتب مقدسہ کی صحت پر بہت اثر ڈال سکتی ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ خیال ایک بڑی حد تک غلط اور بے بنیاد ثابت ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اردو زبان کے الفاظ کو لے لو۔ اردو کی عبارت بالعموم بغیر اعراب یعنی بغیر زیر۔ زبر اور پیش کے لکھی جاتی ہے۔ مثلاً سَر (جسم کے اوپر کا حصہ) سِر (راز) سُر (گانے کی راگ۔ ناف خوشی)۔ لوٹنا (عاشق ہو جانا)، لَوٹنا (واپس آنا) لُوٹنا (غارت گری کرنا) اَن (کلمۂ نفی) اَنّ (غذا)۔ اُن (اسم اشارہ) اِن (تحقیق)، عَلَم (بمعنی جھنڈا) عِلم (بمعنی جاننا) ایسے الفاظ کی علامتوں کے اول بدل سے اُن کا مطلب خبط ہو سکتا ہے لیکن کیا کسی اردو خواں کو اردو پڑھتے وقت اِن علامتوں کی عدم موجودگی نے کسی طرح کی مشکل میں ڈالا ہے؟ یا اُس کو عبارت کے سمجھنے میں کبھی دِقت پیش آئی ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر کیوں یہ خواہ مخواہ فرض کر لیا جائے کہ عبرانی کتب مقدسہ کے الفاظ پر ان علامتوں کی عدم موجودگی اتنا اثر کریگی کہ اُن کی صحت ایک مشکوک امر ہو جائے گا؟

پس جس طرح ہم وثوق کے ساتھ بغیر کسی علامت کے اردو پڑھ سکتے ہیں اور اردو عبارت کی نقل کر سکتے ہیں اور اُس کو سمجھ سکتے ہیں اسی طرح (بلکہ اِس سے بھی زیادہ وثوق کے ساتھ) اہل یہود اپنی عبرانی کتب مقدسہ کو پڑھ اور لکھ سکتے تھے اور بغیر کسی علامت کے اُن کا مطلب کما حقہٗ سمجھ سکتے تھے۔ ہم نے الفاظ

"اِس سے بھی زیادہ وثوق کے ساتھ" اِس واسطے لکھے ہیں کیونکہ اہلِ پنجاب کی مادری زبان اُردو نہیں ہے لیکن کُتب مُقدسہ کی زبان اہلِ یہُود کی مادری زبان تھی پَس وُہ اپنی مادری زبان کو بخُوبی پڑھنے لکھنے سمجھنے اَور حتی المقدور صحیح نقل کرنے پر قادر تھے۔

علاوہ ازیں جب ہم اُردو کی عبارت پڑھتے ہیں تو علامتوں کی عدم موجودگی میں سباق و سیاق کی وجہ سے ہم مُختلف حروف کے حرکات و سکنات کو معلُوم کر لیتے ہیں۔ سباق و سیاق نے ہم کو بتلا دیا کہ فلاں جگہ فلاں لفظ زبر کے ساتھ پڑھنا چاہیے یا زیر یا پیش کے ساتھ۔ اِسی طرح اہلِ یہُود جب اپنی کُتب مُقدسہ کی تلاوت اَور نقل کرتے تھے تو عبارت کا سباق و سیاق اُن کا رہنما ہوتا تھا اَور وُہ حرُوف کو غلط حرکت دیئے بغیر الفاظ کو صحت اَور درستی کے ساتھ پڑھتے اَور نقل کرتے پر قادر تھے

اِس میں کُچھ شک نہیں کہ بعض اوقات کسی لفظ کی مُختلف حرکات ایک ہی سباق و سیاق کے مُطابق ہو سکتی ہیں اَور یوُں وُہ لفظ ذُومعنی ہو کر سباق و سیاق کے مطابق ہو جاتا ہے اَور یہ معلُوم کرنا مُشکل ہو جاتا ہے کہ دونوں میں سے کونسا لفظ اِس خاص موقع پر چسپاں کرنا چاہیے مثلاً عبرانی حرُوف "م ط ہ" جو پیدائش ۴۷: ۳۱ میں مستعمل ہُوئے ہیں دو طرح پڑھے جا سکتے ہیں۔ اگر مِتَّہ پڑھا جائے تو اِس کا مطلب "بستر کا سرہانہ" ہے۔ لیکن اگر مَتّہ پڑھا جائے تو اِس کا مطلب "عصا" ہے۔ چنانچہ سپٹواجنٹ کا ترجمہ یہی ہے جس کا اقتباس عبرانیوں کے خط ۱۱: ۲۱ میں کیا گیا ہے۔ یہاں دونوں معنی ایک ہی عبارت کے سباق و سیاق کے مُطابق ہو سکتے ہیں

اور یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ کونسی علامتیں درست ہیں۔ ہر سلیم الطبع شخص اس بات کو قبول کرنے کو تیار ہوگا کہ اِس قسم کے مواقع شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں کہ ایک ہی لفظ مختلف حرکات اور علامات کی وجہ سے ایک ہی عبارت کے سیاق و سباق کے مطابق ہو سکے اور اس کے مختلف مطالب و معانی ایک ہی سباق و سیاق پر اِس طور پر چسپاں ہو سکیں کہ یہ معلوم نہ ہو سکے کہ بیان کا طرز اور سیاق و سباق کس لفظ کے خواہاں ہیں پس کتبِ عہدِ عتیق کی صحت پر اس کا اثر کم از کم اتنا نہیں پڑ سکتا کہ اُن کا مطلب خبط ہو جائے اور وہ پایۂ اعتبار سے ساقط ہو جائیں۔

لیکن جب ایسے شاذ و نادر مواقع رُونما ہوتے ہیں تو اُس وقت اہلِ یہود کی روائتی قرأت (جس کا مفصّل ذکر بعد میں کیا جائے گا) ہماری رہنمائی کرتی ہے اور یہ بتلا دیتی ہے کہ اہلِ یہود کے ربّی اور مسلّم الثبوت اُستاد فلاں مقام پر فلاں لفظ کو فلاں فلاں حرکات کے ساتھ پڑھتے تھے اور یوں ایسے موقعوں پر بھی غلطی کا احتمال جاتا رہتا ہے۔

(۲)

جیسا ہم بیان کر چکے ہیں۔ عبرانی زبان چند اور زبانوں کے ساتھ ملتی جلتی ہے اور اِس خاصیت کے لحاظ سے دُوسری زبانوں کے مشابہ ہے چنانچہ فینیکی زبان۔ موآبی زبان۔ شامی زبان میں بھی اعراب نہیں ہوتے۔ یہی حال اُس زبان کا ہے جس میں اہلِ اسلام کی مقدس کتاب لکھی گئی ہے۔ یعنی قدیم عربی زبان جس میں نہ نقطے تھے اور نہ اعراب۔ ناظرین قرآن خوانوں کا اور بالخصوص

غیر عرب اور عجمی قرآن خوانوں کی مشکلات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ ایسے قرآن کو کس طرح پڑھتے ہوں گے۔ مثلاً ذیل کی آیت جو بغیر نقطوں اور اعراب کے نقل کی گئی ہے ملاحظہ ہو:- اوقال للقومه الا سعوں الدعوں لعلا وىدروں احسں الحالعىں الله رىكم ورب اىاىكم الاولىں ڡكدىوه ڡاىهم لمحصروں الاعىاد الله المحلصىں ورركىا علىه ڡى الاحرىں۔

بہزار دقت قرآن خواں مذکورہ بالا آیت کو پڑھ کر پہچان سکیں گے کہ یہ سورہ صافات کے رکوع ۴ کی آیت ہے۔ چنانچہ وفیات الاعیان جلد اول صفحہ ۱۲۵ میں ہے: "ابو احمد عسکری نے اپنی کتاب تصحیف میں روایت کی ہے کہ لوگ عثمان کے مصحف میں کچھ اوپر چالیس سال عبد الملک بن مروان کے عہد تک پڑھتے رہے لیکن نقطے نہ ہونے کی وجہ سے عراق میں تصحیف بہت ہونے لگی یعنی متشابہ حروف کو کچھ کا کچھ پڑھنے لگے۔ اس پر حجاج بن یوسف کے حکم سے نصر بن عاصم یا یحییٰ بن یعمر نے نقطے ایجاد کئے۔ کسی حرف کے نیچے ایک، کسی کے نیچے دو، کسی کے نیچے تین اور کسی کے اوپر، کسی کے نیچے، کسی کے بیچ میں۔ پس اب حروف تو صحیح پڑھے جانے لگے مگر زیر زبر پیش کی تبدیل ہونے لگی۔ پس اس کے دفعیہ کے لئے اعراب کو ایجاد کیا گیا" (ماخوذ از تصحیف کاتبین ونقص آیات کتاب مبین صـ۱۲)۔

سید نواب علی صاحب اپنی کتاب تاریخ صحف سماوی میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان نے جو مصحف لکھوائے تھے اُن میں نقطے اور اعراب نہ تھے۔

جب عجمی کثرت سے مسلمان ہونے لگے تو زبانِ عرب سے ناآشنا ہونے کے باعث اُن کو بطورِ خُود پڑھنے میں سخت دِقت پیش آئی اِس وِقت کی طرف سب سے پہلے ابوالاسود دوئلی (المتوفی ۶۹ھ) شاگرد حضرت علی مرتضیٰ نے توجہ کی۔ واقعہ یہ تھا کہ ابوالاسود نے ایک دن ایک شخص کو کلام مجید کی اس آیت ان اللّٰہ بری من المشرکین و رسولہ میں رَسُوْلُہٗ کو رَسُوْلِہٖ پڑھتے سُنا جس سے معنے کُچھ کے کُچھ ہو گئے یعنی صحیح قرأت کے مُطابق معنی یہ ہُوئے کہ "بے شک اللہ مُشرکین سے بیزار ہے اور اُس کا رسُول بھی (بیزار ہے)" لیکن اِس شخص کے غلط اِعراب پڑھنے سے یہ معنی ہو گئے کہ "اللہ مُشرکین اور اپنے رسُول سے بیزار ہے"۔ ابوالاسود یہ سُن کر سخت گھبرائے اور مکان پر آکر ایک کاتب کو بلایا اور اُس کو اپنے پاس بٹھا کر ہدایت کی کہ میں قرآن کو لکھواتا ہُوں جس حرف کے ادا کرنے میں اپنا مُنہ کھول دُوں اُس کے اُوپر ایک نُقطہ دینا جس حرف کے ادا کرنے میں آواز کا رُخ نیچے ہو، اُس کے نیچے نُقطہ دینا۔ اور جس حرف کو مُنہ گول کر کے ادا کروں تُم اُس کے آگے نُقطہ دینا[1]۔ اسی زمانہ میں حجاج بن یوسف نے اپنے کاتب نصر بن عاصم اور ایک روایت میں ہے کہ یحییٰ بن یعمر سے قرآن مجید کو نقطوں کے ذریعے سے اِعراب کا اظہار کر کے لکھوانا شروع کیا۔ لیکن یہ طریقہ مُبہم تھا اس لئے خلیل بن احمد المتوفی ۱۷۰ھ نے نقطوں کے عوض مُروجہ زبر، زیر، پیش کے علامات ایجاد کئے جو آج تک رائج ہیں" صفحہ ۱۳۹۔

---

[1] یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ عبرانی کُتب مُقدسہ کے اِعراب نقطوں اور لکیروں پر مشتمل ہیں۔ غالباً ابوالاسود نے یہ طریقہ یہود سے لیا ہوگا۔ برکت اللہ

یہ ظاہر ہے کہ اعراب کے اختلافات سے قرآن عربی کے الفاظ کے معنی بالکل بدل سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ذیل کی آیات ملاحظہ ہوں:-

سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۲۔ تفسیر حسینی میں یہ لکھا ہے۔ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ نزدیک مشوید بدیشاں یعنی مباشرت مکنید حَتّٰی یَطَّهَّرْنَ تا وقتیکہ غسل کنندہ بعد از انقطاعِ دم و ایں مذہبِ امام شافعی است و نص یَطْهُرْنَ بسکون طا و ضم ہا خواندہ یعنی وقتیکہ پاک شوند و دم منقطع گردد و ایں قولِ امام اعظم است کہ چوں انقطاع دم اجداز گذشتن اکثر ایام حیض باشد قبل از غسل وطی حلال است۔ ظاہر ہے کہ یہاں دو قرائتیں ہیں۔ اوّل یَطَّهَّرْنَ کہ جب تک بعد انقطاعِ خون غسل نہ کریں اُس وقت تک مرد اور اُس کی بیوی متصل نہ ہوں اور یہ مذہب شافعی کا ہے۔ اور دوسری قرأت یَطْهُرْنَ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقط انقطاع خون ضرور ہے اور غسل کی حاجت نہیں اور یہ مذہب امام اعظم کا ہے۔ (صفحہ ۳۲)

سورۂ عنکبوت کی دوسری آیت کے لفظ لَيَعْلَمَنَّ کے موجودہ اعراب کے مطابق معنی یہ ہیں " اللہ اُن کو بھی جان لے گا جو سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی جان لے گا " اس سے خدائے علام الغیوب پر جہل لازم آتا ہے جو مفہوم قرآن کے خلاف ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی کاتب نے اعراب لگانے میں غلطی کر دی ہے۔ غالباً اصل لفظ لَيُعْلِمَنَّ تھا جس سے آیت کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ " اللہ جتلا دے گا کہ کون سچے اور کون جھوٹے تھے "۔

" سورۂ بقرہ آیت ۲۶۱ میں آخر جملہ یہ ہے۔ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ

عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ بولا (یعنی حضرت ابراہیم بولے) مَیں جانتا ہُوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس پر بیضاوی یہ لکھتا ہے۔ قولہ وقرا حمزہ والکسای قال اعلم علی الامر۔ یعنی اور پڑھا حمزہ اور کسائی نے کہا جان تُو بطور حکم کے۔ پس فقط اعراب کی تبدیلی سے مذکورہ بالا جملہ بجائے قولِ ابراہیم کے قولِ خدا ہو گیا"

سورہ یُوسف آیت ۴۵ میں ایک لفظ "اُمَّۃٍ" آیا ہے اور اس کے معنی مدد اور جماعت ہیں اور بیضاوی لکھتا ہے کہ بعض نے اس کی بجائے لفظ اِمَّۃٍ پڑھا ہے کہ اس کے معنی نعمت ہیں اور بعض نے اَمَہٍ پڑھا کہ اس کے معنی نسیان یعنی بھُول کے ہیں۔ یہ تینوں الفاظ بالکلیہ غیر ایک دُوسرے کے ہیں اور ان کے معنی بھی مختلف ہیں" (ایضاً صفحہ ۲۰) اور وجہ صرف اعراب کی تبدیلی ہے۔ ایسی بات بیسیوں ہیں لیکن بخوفِ طوالت اُن کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ لیکن کوئی صحیح الرائے شخص اِن اعراب کے اختلاف کی بنا پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ اب قرآن کا اصل مطلب ایسا خبط ہو گیا ہے کہ وُہ پایۂ اعتبار سے ساقط ہو گیا ہے۔ اسی طرح اعراب کے اختلافات کی بنا پر کوئی سلیم العقل انسان کتاب مُقدس کو محرّف قرار نہیں دے سکتا۔

حرُوف کی مشابہت

عبرانی رسم الخط کے متعلق دُوسرا قابل غور امر یہ ہے کہ اس کے حرُوف تہجی کے بعض حرُوف ایک دُوسرے سے ایسے ملتے جُلتے ہیں کہ نقل کرتے وقت اُن کے خلط ملط ہو جانے کے امکان کا احتمال ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر عبرانی حرُوف یود (ی) اور واؤ ہیں۔ اسی طرح عبرانی حرُوف د اور ر۔ ت اور ہ۔ ک اور ب۔ ج اور ن۔ س اور ق ہیں کہ ان

میں سے ایک کو بھی بے احتیاطی سے لکھا جائے تو یہ احتمال رہتا ہے کہ اُس کی جگہ دُوسرا حرف لکھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ۲۔سموئیل ۸ : ۱۳ میں لکھا ہے "اور داؤد اٹھارہ ہزار ارامی آدمی نمک کے نشیب میں مار کے لوٹ آیا" لیکن یہاں "ارامی" کی بجائے "ادومی" چاہیئے دیکھو ۱۔تواریخ ۱۸ : ۱۲ اور زبور ۶۰ کا عنوان۔ یہ غلطی کس طرح واقع ہُوئی؟ عبرانی میں تھا "ادوم" اور چونکہ عبرانی حرُوف د اور ر ایک دُوسرے کے مشابہ ہیں نقل کرنے والے نے غلطی سے "ارم" لکھ دیا اور یہ غلطی "تا حال دُرست نہیں کی گئی اسی طرح حزقی ایل ۶ : ۱۴ میں لفظ دبلہ کی بجائے ربلہ ہونا چاہیئے[1]

اس نکتہ کو ہم ایک اور مثال سے واضح کر دیتے ہیں۔ ۱۔سموئیل ۱ : ۲۴ میں ہے کہ جب حنہ اپنے بچے سموئیل کو سیلا میں خُداوند کی خدمت کے لئے لائی تو وہ "تین بچھڑے" اپنے ساتھ لے گئی لیکن اگلی آیت میں لکھا ہے۔ "اور اُنہوں نے ایک بچھڑے کو ذبح کیا" یونانی اور سریانی ترجموں میں "ایک تین سالہ بچھڑا" لکھا ہے۔ اس مقام پر عبرانی لفظ کے حرُوف کی ذرا سی تبدیلی سے اس لفظ کے معنی "تین بچھڑوں" کی بجائے "تین سالہ بچھڑا" ہو جاتے ہیں۔ علم آثار قدیمہ بھی اس تبدیلی کی تائید کرتا ہے۔ شمالی مسوپتامیہ کے قدیم شہر نُوزی سے چند تختیاں دستیاب ہُوئی ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی بچھڑا قربانی کے قابل تصور نہیں کیا جاتا تھا جو کم از کم دو سال کا نہ ہو۔ پس مذکورہ بالا آیت میں اصل لفظ "تین بچھڑے

[1] اس کتاب کی دُوسری ایڈیشن کے کاتب نے صفحہ ۲۱ کی دُوسری سطر میں لفظ "ربلہ" کی بجائے "دبلہ" لکھ دیا تھا۔ (برکت اللہ)

نہیں ہے بلکہ " ایک تین سالہ بچھڑا" ہے ۔ بچھڑے کی عمر کی تخصیص اس واسطے کی گئی تاکہ یہ امر عیاں ہو جائے کہ بچھڑا اچھا خاصا قربانی کرنے کے قابل تھا ۔

لیکن کیا مختلف حروف کی مشابہت سے عہد عتیق کی کتب میں اتنا فرقِ عظیم پڑ گیا ہے کہ وہ اب پایۂ اعتبار سے ساقط اور کلیتہً محرف ہو چکی ہیں ؟ ہم ایک مثال سے اس بات کو واضح کریں گے کہ اردو رسم الخط میں متعدد حروف ایسے ہیں جو ایک دوسرے سے مشابہ ہیں مثلاً ب پ ت ٹ ث ج چ ح خ د ڈ و ذ ۔ ر ڑ ز ژ ۔ س ش ۔ ص ض ۔ ط ظ ۔ ع غ ۔ ک گ وغیرہ علیحدہ علیحدہ اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایسے مشابہ ہوتے ہیں کہ مطلب کے خبط ہونے کا امکان ہوتا ہے ۔ بعض اوقات حروف ذ اور ڈ میں فرق ظاہر نہیں ہوتا اور مطلب خبط ہو سکتا ہے ۔ اسی طرح بعض حروف مل کر ایک ایسا لفظ بنتے ہیں جو کسی دوسرے لفظ کے مشابہ ہوتا ہے اور یوں مطلب خبط ہو سکتا ہے مثلاً فقرہ " میں سفر چلا ہوں " کو اگر کوئی صاحب نقل کرتے وقت یوں لکھ دے " میں سقر چلا ہوں " تو مطلب خبط ہو جائے گا ۔

بعض عبرانی اعداد بھی ایک دوسرے کے مشابہ ہیں جس طرح اردو کے اعداد ۶ و ۹ یا ۲ و ۳ یا ۲ و ۴ وغیرہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں مثلاً اسی کتاب کی پہلی ایڈیشن میں کاتب نے صفحہ ۶۴ سطر ۴ میں عدد ۲۴ کو ۲۲ لکھ دیا تھا ۔ اسی طرح اگر عبرانی اعداد کی نقل کرنے میں احتیاط نہ کی جائے تو ہمیشہ غلطی کا امکان رہتا ہے ۔ اس مشابہت کی وجہ سے سامری توراۃ اور سیپٹواجنٹ ترجمن کا آگے چل کر ذکر کیا جائے گا ، میں طوفان سے پہلے کے بزرگان

اسرائیل کی عمروں میں فرق ہے۔

کیا حروف کی مشابہت کتبِ مقدسہ کی تحریف پر دلالت کر سکتی ہے؟

کیا یہ امکان یقین کی صورت اختیار کر سکتا ہے؟ کیا ہم اس کو ایک قاعدہ کلیہ ٹھہرا سکتے ہیں کہ متعدد حروف کی مشابہت عبارت کی صحت کے نقیض ہے؟ اگر ایسا ہو تو اردو اور فارسی اور عربی کتب کے نقل کرنے والے سب سے زیادہ کتابوں کے محرف کرنے والے ہیں اور چھاپہ خانوں کے کاتب اصل کتابوں کو نقل کرنے کی بجائے ان کا مطلب ایسا خبط کرتے ہیں کہ وہ پایۂ اعتبار سے ساقط اور کلیتہً محرف ہو جاتی ہیں۔ تجربہ ہم کو بتاتا ہے کہ اگرچہ حروف کی مشابہت سے غلطی کا امکان ہو سکتا ہے تاہم وہ امکان ہی رہتا ہے اور وہ یقینی بات نہیں ہو جاتی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ حروف کی مشابہت کی وجہ سے اردو فارسی اور عربی کتابوں میں غلطیاں واقع ہو جاتی ہیں۔ لیکن وہ غلطیاں نہ تو تعداد میں اتنی ہوتی ہیں کہ ان سے اصل کتاب کا مطلب ہی خبط ہو جائے اور نہ وہ ایسی اہم ہوتی ہیں کہ ان کی وجہ سے اصل کتاب درجۂ اعتبار سے ساقط ہو جائے۔ پس گو عبرانی حروف ایک دوسرے سے مشابہ ہیں اور ان کی مشابہت کی وجہ سے کاتبوں سے غلطیاں بھی سرزد ہوئیں لیکن نہ تو وہ غلطیاں تعداد میں اس قدر ہیں کہ عبرانی کتبِ مقدسہ کی عبارت ہی غلط ملط ہو جائے اور نہ وہ ایسی اہم ہیں کہ ان مقدس کتابوں کے مطالب و معانی اس قدر بگڑ جائیں کہ وہ کتابیں درجۂ اعتبار سے گر جائیں۔ انشاء اللہ آگے چل کر واضح ہو جائے گا کہ یہودی کاتب کس قدر احتیاط سے اپنی کتبِ مقدسہ نقل کیا کرتے تھے۔

تجربہ سے ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جب کبھی کاتب کی غلطی سے ایک حرف کی بجائے دُوسرا لکھا جاتا ہے تو عبارت اور سباق و سیاق ہم کو بتا دیتا ہے کہ کاتب نے غلطی سے ایک حرف کی بجائے دُوسرا لکھ دیا ہے اور ہم اس کو درست کر لیتے ہیں چنانچہ ہم روزانہ اخباروں میں ایسی سینکڑوں غلطیاں دیکھتے ہیں اور بعض غلطیاں تو ایسی مضحکہ خیز ہوتی ہیں کہ بے اختیار ہنسی آجاتی ہے چنانچہ چند سال ہوئے ایک اخبار میں کاتب صاحب نے "مَیں اپنے آپ کو مارتا ہُوں" (۱-کرنتھیوں ۹: ۲۰) کی بجائے "مَیں اپنے باپ کو مارتا ہُوں" لکھ دیا تھا ایک دوسرے کاتب نے "ہندوستانی لیڈر" کی بجائے "ہندوستانی گیدڑ" لکھا تھا۔

عبرانی کُتبِ مُقدسہ میں جب کبھی کاتبوں نے ایسی غلطیاں کیں تو سیاق و سباق نے اس غلطی کو ظاہر کر دیا اور اگر اس غلطی کا تعلق سیاق و سباق سے نہ ہوتا تو دیگر ذرائع سے اس غلطی کے وجُود کا پتہ چل جاتا تھا۔ مثال کے طور پر اُوپر جس غلطی کا ذکر ۲-سموئیل ۸: ۱۳ میں کیا گیا ہے، اُس کا پتہ ۱-تواریخ ۱۸: ۱۲ سے اور ساٹھویں زبُور کے عنوان کے مقابلہ کرنے سے لگ جاتا ہے اور جہاں غلطی کے وجُود کا ان ذرائع سے پتہ نہ لگے یہودی مستند اور مسلم الثبوت ربیوں کی قرأت (جس کا ذکر بعد میں ہوگا) اس غلطی کو ظاہر کر دیتی تھی پس حرُوف کی مشابہت سے عبرانی کُتبِ مُقدسہ میں ایسا فتور نہیں پڑ سکتا جس کی وجہ سے وُہ کُتب پایۂ اعتبار سے گر گئی ہوں۔

(۲)

قرآنِ عربی میں بھی اِس قسم کی متعدد مثالیں موجود ہیں جہاں دو مشابہ حرُوف

کی کتابت کی وجہ سے عبارت کا مطلب کچھ سے کچھ ہو گیا۔ ذیل کی آیات نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہوں۔

"سورہ اعراف آیت ۵۵ نامبر اوّل یہ ہے۔ وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ نُشُرًا۔ ترجمہ۔ اور وہی یعنی خدا ہے جو بھیجتا ہے ہوائیں بھیجنے والی (یا زندہ کرنے والی) بیضاوی لکھتا ہے کہ بجائے نُشُرًا عاصم بُشْرًا پڑھتا ہے اور اس کے معنی خوشخبری دینے والی ہیں اور موافق قرأت عاصم مولوی عبدالقادر دہلوی مذکورہ بالا نمبر قرآنی کا اس طرح ترجمہ کرتے ہیں اور وہی ہے کہ چلاتا ہے بادیں (یا ہوائیں) خوشخبری یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو نسخہ قرآن مولوی عبدالقادر کے پاس تھا اس میں قرأت عاصم درج تھی۔ (صفحہ ۲۵)۔

" سورہ انفال آیت ۶ میں ہے۔ اے نبی شوق دلا مسلمانوں کو لڑائی کا۔ جس لفظ کا ترجمہ شوق دلانا ہے وہ لفظ متن قرآن بیضاوی میں ہے۔ حَرِّضْ جس کے معنی بھڑکانا ہے۔ اس پر بیضاوی لکھتا ہے وقری حَرِّصْ یعنی بعض نے پڑھا ہے حرص۔ (ایضاً صفحہ ۵۱)

" سورہ یونس آیت ۳۱ میں ہے۔ وہاں جانچ لے ہر کوئی جو آگے بھیجا اس پر بیضاوی لکھتا ہے، کہ پڑھا حمزہ اور کسائی نے تَتْلُو تلاوت سے یعنی پڑھے۔ ذکر اس کا یہ ہے کہ ظاہر ہے کہ لفظ بتلو یعنی جانچے گا اور لفظ تتلو یعنی پڑھے گا بالکل غیر ایک دوسرے کے ہیں۔ ایضاً صفحہ ۶۴)

سورہ یونس آیت ۹۲ میں ہے تاکہ ہووے تو واسطے ان کے جو تیرے بعد ہوں ایک نشانی۔ یعنی جو لوگ زمانہ فرعون کے بعد ہوں جس جملہ کا ترجمہ

"واسطے اُن کے جو تیرے ہوں" ہے۔ اس جُملہ کی اصل عبارت قرآن میں یہ ہے
لِمَنْ خَلَفَكَ' اس کی نسبت بیضاوی یہ لکھتا ہے وَقُرِئَ لِمَنْ خَلَقَكَ یعنی بعض
نے پڑھا ہے واسطے اُس کے جس نے تجھ کو پیدا کیا" (ایضاً صفحہ ۶۷)۔ ان
قراتوں میں فرق حرُوف کی مشابہت کی وجہ سے ہے۔

"سورہ طٰہٰ آیت ۱۹ کا شرُوع جُملہ یہ ہے اَور پتّے جھاڑتا ہُوں اُس سے
اپنی بکریوں پر الخ بیضاوی لکھتا ہے وقری با السین من الھس بعض نے
سین سے پڑھا ہے ہس اَور وُہ روکنا بکریوں کا ہے معنے بالکل بدل گئے۔
کہاں پتّے جھاڑنا اَور کہاں روکنا یا غُل کرکے ٹھہرانا" (ایضاً صفحہ ۹۳)
غرض ایسی متعدّد مثالیں موجُود ہیں لیکن جس طرح کوئی شخص ان کی وجہ سے
قرآن کو محرّف اَور بے قدر نہیں گردان سکتا، اُسی طرح اِس قسم کی غلطیوں کی
بنا پر کوئی صحیح العقل شخص کتابِ مُقدّس کو محرّف نہیں گردان سکتا۔

فصلِ دوم

سہوِ کاتب کی حقیقت

بائبل اَور کتابت کی غلطیاں ۱۴۵۴ء میں یورپ میں چھاپہ ایجاد
ہُوا، اَور پہلے پہل ۱۴۸۸ء میں عبرانی
کُتبِ مُقدّسہ چھاپی گئیں۔ پس قدیم ترین زمانہ سے ۱۴۸۸ عیسوی تک یہ

۱؎ اس کتاب کی دُوسری ایڈیشن کے کاتب نے یہاں بھی خلفک لکھ دیا تھا۔ (برکت اللہ)

کُتب مختلف زمانوں، ملکوں اور زبانوں میں کاتبوں کے ہاتھوں ہی سے نقل ہوتی چلی آئی ہیں کسی صحیح العقل شخص کو اس بات سے انکار نہیں ہوسکتا کہ نسخوں کے نقل کرنے میں کتابت کی غلطیاں ضرور واقع ہوجاتی ہیں۔ کاتب خواہ کتنا ہی محتاط شخص کیوں نہ ہو نقل کرنے میں وہ ضرور غلطیاں کرتا ہے۔ بالخصوص جب کتاب کے صفحات کی تعداد زیادہ ہو اور وہ زمانہ قدیم سے نقل ہوتی چلی آتی ہو تو اس میں اغلاط کا وجود ایک لازمی امر ہوجاتا ہے۔ مثال کے طور پر اردو کی کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں عبارت، الفاظ یا حروف کی غلطیاں موجود نہ ہوں اور یہی حال دیگر زبانوں کی کتابوں کا ہے۔ صفحۂ ہستی پر کوئی کتاب ایسی موجود نہیں جس کے نقل کرنے میں کاتبوں سے غلطیاں سرزد نہ ہوئی ہوں۔ اگر ناظرین خود تکلیف گوارا کرکے کسی کتاب کے چند صفحوں کی نقل کریں تو یہ حقیقت اُن پر خود بخود منکشف ہوجائیگی۔ پس عبرانی کُتبِ مقدسہ کی نقل کرنے میں کاتبوں نے غلطیاں ضرور کی ہیں گو اس میں کچھ شک نہیں کہ کاتب حد درجہ کے حزم اور احتیاط کو کام کرنے میں لاتے تھے تاہم عبرانی کُتبِ مقدسہ جیسی قدیم اور ضخیم کتابوں کی نقل میں کئی صدیوں کے دوران میں کاتبوں سے غلطیاں ضرور واقع ہوئیں۔ بعض اوقات حروف اور الفاظ کی مشابہت کی وجہ سے ایک لفظ کی بجائے دوسرا لکھا گیا اور اگر کاتب کو کتاب لکھائی گئی ہو تو ہم آواز الفاظ کی وجہ سے بعض اوقات غلطی سرزد ہوگئی۔ عبرانی زبان میں اِس قسم کی غلطی کا احتمال زیادہ ہوتا ہے کیونکہ جو حروف حلق سے نکلتے ہیں اُن کے خلط ملط ہوجانے کا زیادہ ہوتا ہے۔

بعض اوقات عبارت میں ایک ہی لفظ دو دفعہ لکھا ہوتا ہے لیکن کاتب

اُس کو صرف ایک دفعہ لکھ دیتا ہے۔ بعض اوقات کوئی لفظ ایک ہی دفعہ لکھا ہوتا ہے لیکن کاتب غلطی سے اُس کو دو دفعہ لکھ لیتا ہے۔ بعض اوقات دو سطروں میں ایک ہی لفظ لکھا ہوتا ہے اور اگر کاتب خود نسخہ کو دیکھ کر لکھے تو کسی سطر کے آخری لفظ لکھنے کے بعد وہ اسی لفظ کو ایک سطر نظر انداز کر کے لکھ دیتا ہے اور وہاں سے آگے لکھتا چلا جاتا ہے اور یوں ایک پوری سطر نظر انداز ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کتاب کے حاشیہ پر کوئی تشریحی نوٹ لکھا ہوتا ہے اور کاتب اس نوٹ کو متن کا اصل حصہ سمجھ کر متن میں نقل کر دیتا ہے۔

مثال کے طور پر ہم دورِ حاضرہ کی کتابت کو لیں عہدِ عتیق کے اُردو ترجمہ کی اگرچہ کاتب نہایت احتیاط سے نقل کرتے ہیں تاہم اِن سے غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں۔ ذیل کی غلطیاں ملاحظہ ہوں:۔

(۱) اصل :۔ "میرے دِل کو کسی بُری بات کی طرف مائل نہ ہونے دے"

(زبور ۱۴۱ : ۴)

نقل :۔ "میرے دِل کو کسی بات کی طرف مائل نہ ہونے دے"

(۲) اصل :۔ "مَیں نے کہا تُو میری پناہ ہے اور زندوں کی زمین میں میرا بخرہ"

(زبور ۱۴۲ : ۵)

نقل :۔ "مَیں نے کہا تُو میری پناہ ہے اور رندوں کی زمین میں میرا بخرہ"

(۳) اصل :۔ "کاش تیرے آئین ماننے کے لئے میری روشیں درست ہو جائیں" (زبور ۱۱۹ : ۵)۔

نقل ہے۔ "کاش تیرے آئین ماننے کے لئے تیری روشیں درست ہو جائیں"۔

بعض اوقات دو عبرانی الفاظ کو یکجا جمع کرنے سے کاتب نے غلطی پیدا کر دی۔ مثلاً زبور ۴۸: ۱۴ میں ہے یہ "خدا ابدالآباد ہمارا خدا ہے۔ تادمِ مرگ وُہی ہماری ہدایت کرے گا"۔ بعض نسخہ جات میں الفاظ "تادمِ مرگ" کی بجائے "تا ابد" لکھے ہیں، کیونکہ دو عبرانی الفاظ (عل مُوت بمعنی "تادمِ مرگ") کو کاتب نے یکجا کر کے (علموت بمعنی "تا ابد") لکھ دیا۔ ایک اُردو اخبار کے کاتب نے زبور کی کتاب میں ایسا ہی کیا ہے۔

(۴) اصل "دس تار والی بربط پر میں تیری مدح سرائی کروں گا"

(زبور ۱۴۴: ۹)۔

نقل:- "دستار والی بربط پر میں تیری مدح سرائی کروں گا"

یہاں پر دو مختلف الفاظ (دس تار) کو کاتب نے یکجا کر کے ایک تیسرا لفظ (دستار) جس کے معنی بالکل مختلف ہیں لکھ دیا ہے۔

اِسی قسم کی مثالیں ہم کو قرآن عربی میں بھی ملتی ہیں۔ چنانچہ عربی میں لفظ این کے معنی ہیں "کہاں"، اور لفظ مَا کے معنی ہیں "جو کچھ یا جن چیزوں کو"۔ اور اگر ان دونوں لفظوں کو ملا دیا جائے تو اینما کے معنی ہیں "تم جہاں کہیں ہو"۔ اب ملاحظہ ہو سورۂ نسا رکوع ۱۱ جس میں آیت یوں لکھی ہے این ما تکونوا یدرکُّمُ الموت۔ موجودہ حالت میں اس کا ترجمہ یہ ہے "جو کچھ بھی تم کہاں ہو تم کو موت پائے گی"۔ جو بے معنی فقرہ ہے لیکن اگر اس آیت کے پہلے دو لفظوں

کو ملا کر اینما قرآن میں ہو تب قرآنی مفہوم نکلتا ہے یعنی "تُم جہاں کہیں بھی ہو موت تُم آکر رہے گی"۔ اسی طرح سورۂ شعرا (رکوع ۵) میں ان دونوں لفظوں کو ملا دیا گیا ہے حالانکہ ان کو جُدا لکھنا چاہیئے تھا۔ موجُودہ عبارت (وقیل لھم اینما کنتم تعبدوا من دون اللہ) کے یہ معنی ہُوئے "ان سے کہا جائے گا کہ جہاں کہیں بھی تُم ہو غیر خُدا کی پرستش کرو"۔ لیکن اگر اِس آیت میں اِن دونوں لفظوں کو الگ لکھا جاتا تو اس کے معنی یہ ہوتے "ان سے کہا جائیگا کہ جن کی خُدا کے سوا تُم پرستش کرتے تھے وُہ اب کہاں ہیں؟" جو قرآن کا اصل مطلب تھا۔

سورہ نساء رکوع ۱۱ میں قرآنی آیت یُوں لکھی ہے فمال ھٰؤلاء القوم لا یقادون یفقھون حدیثا۔ اِس عبارت کے یہ معنی ہیں "پس اِس قوم کا مال وُہ اِس بات کو نہیں سمجھتے" جو بے معنی ہے۔ لیکن اگر پہلے دو لفظوں کو یُوں لکھا جاتا (فما لھٰؤلاء القوم) تو اس آیت کے یہ معنی ہوتے "اِس قوم کو کیا ہوگیا ہے کہ وُہ بات نہیں سمجھتے" جو قرآن کا اصل مطلب تھا۔

مشاہیر اساتذہ کے کلام میں کتابت کی غلطیاں

اگر ہم اُردُو اَور فارسی کے پُرانے مُصنّفین کی کتابوں اَور شعرا کے مطبُوعہ دیوانوں پر ایک سطحی نظر ڈالیں تو ہم جا بجا حرف "ن" دیکھیں گے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بعض نسخوں میں فلاں لفظ کی بجائے فلاں لفظ لکھا ہے۔ مثلاً سعدی کی گلستان کا نسخہ جو میرے پاس موجود ہے وُہ منشی نولکشور کے مطبع میں چھپا ہے۔ اِس میں جا بجا یہ حرف "ن" پایا جاتا ہے۔ اس

نسخہ کے تیسرے صفحہ میں اُنتیس سطریں ہیں اور ان اُنّیس سطروں میں نسخوں کے اختلافات کی تعداد دس ہے!" مثنوی معنوی" کی نسبت کہا جاتا ہے کہ

ع ہست قرآن در زبانِ پہلوی

اس کتاب کی نسبت مولانا عبدالماجد صاحب بی۔اے رسالہ مرقع (لکھنؤ) بابت جنوری ۱۹۲۶ء میں فرماتے ہیں "مثنوی کی عمر اس وقت تقریباً سات سو سال کی ہے اس طویل مدت میں خدا معلوم اس پر کتنے انقلابات گذر چکے ہیں۔ آج جو بلند ہمت اپنی تحقیق کے دستِ بازو سے کام لے کر اس کے کھرے کو کھوٹے سے جدا کر سکے وہ ہزار آفرین کا مستحق اور صد ہزار تحسین کا سزاوار ہے" لیکن بایں ہمہ کوئی صاحبِ ہوش مروجہ گلستان یا موجودہ مثنوی کو محرف گردان کر اُن کو ساقط الاعتبار قرار نہیں دیتا۔ مولانا موصوف اس مضمون میں "کاتب صاحبان کی لغزشوں" کی متعدد مثالیں بھی دیتے ہیں اور مصنفین کی کتابوں کی نسبت ایک قاعدہ کلیہ کا ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں "مشاہیر اساتذہ کے کلام کے متعلق ایک بڑی دقت ہمیشہ یہ رہتی ہے کہ مختلف اسباب و اغراض سے لوگ دانستہ یا نادانستہ اُن کے کلام میں الٰہ تصرف کرتے ہیں" یہ تین الفاظ مرقع کے کاتب سے لکھتے وقت رہ گئے ہیں) یہاں تک کہ کچھ عرصے کے بعد اصل و نقل سونا اور پیتل خلط ملط ہو کر ایک ہو جاتا ہے "

جب ہم ان غلطیوں کے انبار کا مقابلہ عبرانی کتبِ مقدسہ سے کرتے ہیں تو ہم حیران رہ جاتے ہیں کہ ان کتب کے کاتبوں نے کیسی ہوشیاری۔ احتیاط۔ محنت اور جانفشانی سے کام لیا ہے۔ اور یہاں مشاہیر اساتذہ

کے کلام میں ہزاروں الفاظ تبدیل ہو چکے ہیں یہاں تک کہ "اصل اور نقل سونا اور پیتل خلط ملط ہو کر" ایک "ہو چکے ہیں۔ اور جہاں "مثنوی معنوی" میں جو ضخامت کے لحاظ سے کوئی بڑی کتاب نہیں ہے اور جس کو صرف "تقریباً سات سو سال" کا عرصہ ہوا ہے "کھرے کو کھوٹے سے جدا" کرنا صرف ایک "بلند ہمت" شخص کا ہی کام ہے وہاں عبرانی کتبِ مقدسہ میں جو ضخیم کتب ہیں اور ہزاروں برس سے نقل ہوتی چلی آئی ہیں مقابلتہً معدودے چند الفاظ فقرات اور آیات کا اختلاف ہم کو نظر آتا ہے جس کا اصل عبارت پر کوئی بڑا اثر نہیں پڑتا۔

نتیجہ

حاصل کلام جب ہم مشاہیر اساتذہ کی تصنیفات کی کتابت وغیرہ کی غلطیوں کا عبرانی کتبِ مقدسہ کی کتابت کی لغزشوں کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں تو ہم پر عیاں ہو جاتا ہے کہ عبرانی کتبِ مقدسہ کی نقل نہایت ہوشیاری اور احتیاط سے کی جاتی تھی اس کا مفصل ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ ان نسخوں میں مقابلتہً بہت کم ایسی اہم غلطیاں واقع ہوئی ہیں جن سے مطلب ایسا خبط ہو جائے کہ اصل کتب کے مطالب اور معانی مفقود ہو جائیں۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ جب ہم قدیم کتابوں کی صحت کا مقابلہ کرتے ہیں تو ہم پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جس صحت کے ساتھ عبرانی کتبِ مقدسہ جیسی قدیم اور ضخیم کتابیں پشت در پشت نقل کی گئی ہیں اس طرح دوسرے زبان کی کوئی پرانی یا مذہبی کتاب صحت کے ساتھ نقل نہیں کی گئی۔ پس اگرچہ عبرانی کتبِ مقدسہ میں سہوِ کاتب موجود ہے اور مختلف زمانوں اور ملکوں میں نقل ہوتے وقت کاتبوں نے غلطیاں کی ہیں تاہم ان کے نسخوں کی غلطیاں ایسی اہم نہیں ہیں جن کی وجہ سے کوئی شخص یہ کہہ سکے کہ

اب وہ پایۂ اعتبار سے گر گئی ہیں اور اس قابل نہیں رہیں کہ وہ معتبر گردانی جائیں۔

باب دوم

عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کے نُسخہ جات

عبرانی کُتب مُقدسہ کے موجودہ نُسخوں کا شمار دو ہزار سے زیادہ ہے۔ یہ نُسخہ جات مُختلف اشیاء پر لکھے ہیں اور مُختلف حالتوں میں موجود ہیں۔ کوئی نُسخہ اچھی حالت میں ہے کوئی بُری حالت میں۔ کوئی پھٹا ہُوا ہے۔ کسی کے الفاظ مُشکل نظر آتے ہیں۔ اور کوئی ایسا ہے کہ گویا ابھی لکھا گیا ہے۔ یہ نُسخے مُختلف ممالک سے دستیاب ہوئے ہیں۔ مثلاً مُلکِ کنعان سے اور بابل کی سرزمین۔ مغربی ایشیا، یورپ، افریقہ۔ جرمنی کے جزائر سے۔ غیر یہود کے کُتب خانوں سے۔ اٹالیہ اور ہسپانیہ کے ممالک سے چین، دارالامان ہندوستان، کے یہودی ربیوں سے اور کُتب مقدسہ کے مدفنوں سے (جہاں اہل یہود اُن کو دفن کر دیتے تھے)۔ یہ نُسخہ جات دو جانب میں دستیاب ہوئے ہیں۔

جب ہم ان مُختلف اور دُور دراز مقامات کے نُسخوں کا ملاحظہ کرتے ہیں۔ تو دو امُور ہم پر عیاں ہوتے ہیں:۔

نُسخہ جات کی خصوصیّت

یہ تمام نُسخہ جات جو دَورِ حاضرہ میں ہم کو دستیاب ہُوئے ہیں تقریباً لفظ بلفظ اَور حرف بحرف ایک دُوسرے سے ملتے ہیں۔ اَور شاذ و نادر۔ ان دو ہزار نُسخہ جات میں (جو ہم کو مُختلف ممالک سے ملے ہیں اَور مُختلف زمانوں میں مُختلف کاتبوں کے ہاتھوں لکھے گئے ہیں)، کوئی اختلاف ہم کو نہیں ملتا۔ یہاں تک کہ اگر کسی کاتب نے کسی لفظ پر کسی خاص وجہ سے کوئی نشان لگا دیا تو مابعد کے کاتبوں نے اُس نشان کو بھی نقل کر دیا ہے۔ مثلاً پیدائش ۳۳: ۴ میں ہے "عیسوُ اُس کو (یعنی یعقوب کو) ملنے دَوڑا اَور اُسے گلے لگایا اَور اُس کی گردن سے لپٹا اَور اُسے چُوما"۔ قدیم زمانہ میں کسی کاتب نے الفاظ "اَور اُسے چُوما" پر نُقطے لگا دیئے اَور یُوں لکھ دیا "اُسے چُوما"۔ مابعد کے کاتبوں نے ایسی صحت کے ساتھ اِس نُسخہ کو نقل کیا کہ آج تک ہماری عبرانی بائبل میں ان الفاظ پر یہ نُقطے چھاپے جاتے ہیں۔ اَور کوئی نہیں جانتا کہ ان نُقطوں کا کیا مطلب ہے۔ ایک یہُودی ربّی کا قول ہے۔ کہ عیسو نے یعقوب کو چُومتے وقت دانتوں سے کاٹا تھا اَور یہ نُقطے اُس کے دانتوں کے نشان ظاہر کرتے ہیں! بہرحال یہ دو ہزار نُسخے اس قدر صحت کے ساتھ نقل کئے گئے ہیں کہ اُن کے نُقطے اَور شوشے بھی ایک دُوسرے سے ملتے ہیں۔

نُسخوں کی تعداد

یہ دو ہزار نُسخہ جات (سوائے چند قدیم ترین نُسخوں کے جن کا ذکر آگے چل کر کیا جائے گا) تقریباً ایک ہزار سال سے زیادہ پُرانے نہیں ہیں۔ اس امر میں عہدِ جدید کی کُتب [illegible] کو

فوقیت حاصل ہے، کیونکہ انجیلی مجموعہ کے نسخے تاحال دوسری صدی کے دستیاب ہوئے ہیں۔ لیکن عہدِ عتیق کی قدیم کتابیں قریباً تین ہزار سال ہوئے لکھی گئی تھیں۔ ان کے نسخے جو ہمارے پاس موجود ہیں، صرف ایک ہزار سال پرانے ہیں۔ ان میں سب سے قدیم نسخہ تورات کی پانچ کتابوں کا ہے جو برطانیہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے۔ لینن گراڈ میں کتبِ انبیاء کا ایک نسخہ ہے جس پر تاریخ ۹۱۶ء ثبت ہے۔ آکسفورڈ میں بھی ایک نسخہ موجود ہے جس میں عبرانی کتبِ مقدسہ کی تقریباً تمام کتابیں لکھی ہیں۔ یہ نسخہ دسویں صدی کا ہے۔ پس عہدِ عتیق کی آخری کتاب کی تاریخ تصنیف اور ان قدیم نسخوں میں قریباً ایک ہزار سال کا وقفہ ہے۔

نسخوں کے ضائع ہونے کے اسباب

اس دراز وقفہ کی کیا وجوہ ہیں؟ یہاں ہم صرف مختصر طور پر چند وجوہ کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) جب یروشلیم سنہ ۷۰ء میں برباد کیا گیا اور قوم یہود خستہ حال اور پراگندہ ہوگئی تو یہودی لیڈروں نے اپنی قومی روایات کو برقرار اور قائم رکھنے کے لئے سنہ ۹۰ء میں ایک مجلس منعقد کی۔ اس مجلس نے ان تمام کتب کو جو اب عہدِ عتیق کے مجموعہ میں شامل ہیں کتبِ مقدسہ قرار دے دیا اور یوں یہ کتابیں ضائع ہونے سے بچ گئیں۔ علاوہ ازیں اس مجلس نے ان پاک کتابوں کی صحت کے ساتھ نقل کرنے کے لئے قوانین و قواعد بھی وضع کئے جن کا ذکر آگے چل کر کیا جائے گا۔

(۲) بادشاہ انطیوکس ایپی فینیز[1] نے جو اہلِ یہود کا جانی دشمن تھا اپنے عہد میں سنہ ۱۷۵ تا ۱۶۴ قبل مسیح اہلِ یہود کو اپنی پاک کتابیں رکھنے کے تصور

---

1. Antiocus Epiphanes

سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اُس نے حکم دے رکھا تھا کہ عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کے نُسخہ جات جہاں کہیں ملیں تلف کر دیئے جائیں اور اگر وُہ کسی شخص کے پاس ملیں تو وُہ جان سے مارا جائے (۱۔مکابی ۱: ۵۴۔۵۸) ظاہر ہے کہ اس ایذا رسانی کی وجہ سے کُتبِ مُقدّسہ کے متعدّد نُسخے ضائع ہو گئے۔

(۳) قرونِ وُسطیٰ میں اور بالخصُوص صلیبی جنگوں کے زمانہ میں متعصّب مسیحی اہلِ یہُود سے نفرت اور کینہ رکھتے تھے اور اُن کے جتّھوں نے عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کے بہت سے نُسخے اور بالخصُوص تورات کے نُسخے نذرِ آتش کر دیئے۔

(۴) اہلِ یہُود کا یہ دستُور تھا۔ (اور یہ دستُور دورِ حاضرہ میں بھی مروّج ہے) کہ کُتبِ مُقدّسہ کے نُسخے جو کسی وجہ سے استعمال کے قابل نہ رہتے تھے بڑے ادب سے دفن کر دیئے جاتے تھے تاکہ خُدا کا کلام بے حُرمتی سے محفُوظ رہے۔ اور گلی کُوچوں میں پاؤں کے نیچے رَوندا نہ جائے۔ اِس غرض کے لئے ہر یہُودی عبادت خانہ کے ساتھ ایک مدفن ہوتا تھا، جہاں نہایت معمُولی عیُوب کی وجہ سے بھی نُسخے دفن کر دیئے جاتے تھے۔ مثلاً اگر کسی صفحہ پر کاتب کی رو سے زیادہ غلطیاں بھی رہ جاتیں تو وُہ صفحہ احتیاطاً دفن کر دیا جاتا۔ یہُودی عبادت خانوں کے نُسخہ جات کے طُومار جو روزانہ تلاوت کے باعث پھٹ جاتے تھے دفن کر دیئے جاتے تھے۔ اہلِ یہُود میں دستُور تھا کہ کلام اللہ کے جس حصّہ کو روزانہ پڑھتے اُس کے شروع اور آخر کے الفاظ کو بوسہ دیتے تھے اور اس طرح مُدّتِ مدید کے بعد یہ الفاظ مِٹ جاتے یا بخُوبی نظر نہ آتے تھے۔ اہلِ یہُود ایسے نُسخہ جات کو بھی دفن کر دیتے تھے۔

مذکورہ بالا اور دیگر وجوہ کے باعث ہمارے پاس کتبِ عہدِ عتیق کے پرانے نسخے موجود نہیں ہیں اور جو موجود بھی ہیں وہ تقریباً سب کے سب یا تو غیر اقوام کے دارالعلوم اور کتب خانوں سے یا غیر یہودی دفن گاہوں سے دستیاب ہوئے ہیں۔

حیدر آباد دکن کا نسخہ

حال ہی میں خبر شائع[1] ہوئی ہے کہ عبرانی کا ایک قدیم ترین نسخہ حیدر آباد دکن (واقع ہندوستان) سے دستیاب ہوا ہے جو کھجور کے پتوں (Palm Leaves) پر لکھا ہے۔ یہ نسخہ عثمانیہ یونیورسٹی کی سنسکرت اکادمی میں ۱۰۵۰ سال سے محفوظ تھا۔ اس نسخہ پر تورات کی پہلی کتاب پیدائش کا ۲۳واں باب عبرانی میں لکھا ہے۔

یہ یروشلیم کی عبرانی۔ تاریخ کے نقطۂ نظر سے اس نادر نسخہ کی بابت یہ خیال کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ اس یہودی مہاجر نے دو ہزار سال ہوئے لکھا تھا جب یروشلیم کی تباہی کے بعد اہل یہود ہجرت کر کے نقل مکانی کر کے آئے تھے (دیکھو میری کتاب "مقدس توما رسول ہند" صفحہ ۹۵)۔

یہ نسخہ اس لحاظ سے بھی عجیب ہے کہ دنیا بھر کے نسخوں میں یہ ایک نسخہ ہے جو کھجور کے پتوں پر لکھا ہے۔

باب سوم

کتبِ عہدِ عتیق کی صحت پر تاریخ کی شہادت

اب ہم اس امر کی تحقیق کریں گے کہ آیا موجودہ عبرانی کتب کے متن کے الفاظ بجنسہ وہی ہیں جو ان کتب کے مصنفین اور انبیاء اللہ نے تحریر کئے تھے۔ اس سوال کی تحقیق کے لئے ہم اہل یہود کی تاریخ کو چار زمانوں میں تقسیم کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ آیا ان میں سے کسی زمانہ میں ان کتب کے متن میں کوئی فتور واقع ہوا ہے یا نہیں۔

---

[1] The Times of India, Delhi, 9th March, 1965.

دورِ اوّل ۔ خروجِ مصر سے بابل کی اسیری تک کا زمانہ یعنی حضرت مُوسےٰ سے لے کر حضرت عزرا تک (چودھویں صدی قبل مسیح سے ۴۵۸ قبل مسیح تک)۔

دورِ دوم ۔ حضرت عزرا اور فقیہوں کا زمانہ ۔ ہیکل کی تباہی تک (۴۵۸ قبل مسیح سے ۷۰ عیسوی تک)۔

دورِ سُوم ۔ تلمودی زمانہ (از ۷۰ تا ۶۰۰ عیسوی)

دورِ چہارم ۔ مسُوراہی زمانہ (از ۶۰۰ تا ۱۰۰۰ عیسوی)

بابِ چہارم

دَورِ اوّل

خروجِ مِصر سے بابل کی اسیری تک کا زمانہ

(چودھویں صدی قبل مسیح سے ۴۵۸ قبل مسیح تک)

ارضِ مقدس کے یہود اور نوشت و خواند

جب ہم عہدِ عتیق کے مجموعہ پر سطحی نگاہ ڈالتے ہیں تو ہم پر یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اِس مجموعہ کی کتابیں اور کتابوں کے حصے مختلف زمانوں

ہیں مختلف مصنفوں نے لکھے تھے۔ اِن کے لکھنے والے ہر قسم کے لوگ تھے۔ کوئی واضعِ قوانین و آئین تھا۔ کوئی فوجی کا جرنیل تھا۔ اگر ایک نبی تھا تو دُوسرا مُنصف یا قاضی تھا۔ اگر ایک بادشاہ تھا تو دُوسرا بکریاں چرانے والا تھا۔ اگر ایک کاہن تھا تو دُوسرا شاعر تھا۔ غرضیکہ ان کتابوں کے لکھنے والے ہر قسم کے آدمی تھے اور ہر کتاب کا تعلق مُختلف حالات اور مُختلف زمانوں کے ساتھ ہے جس میں خاص اُن حالات اور زمانوں کے لئے خُدا کی طرف سے خصوصی پیغامات درج ہیں۔

موجودہ زمانہ کے پڑھے لکھے آدمی عموماً یہی سمجھتے ہیں کہ نوشت و خواند کا سلسلہ صرف چند صدیوں سے ہی چلا آرہا ہے۔ لیکن علم آثارِ قدیمہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ خُداوند مسیح سے تین ہزار سال پہلے بھی لوگ لکھا پڑھی کیا کرتے تھے۔ گو مُختلف اقوام کی لکھائی میں فرق تھا اور لوگ مُختلف ممالک میں مُختلف اشیاء پر لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ آثارِ قدیمہ کی کُھدائی کرنے والوں نے مسوپتامیہ۔ ایشیائے کوچک۔ مصر۔ شام۔ ایران میں بے شمار مٹی کی تختیاں کھود نکالی ہیں جن پر خطِ میخی کی عبارت کندہ ہے۔ اِن تختیوں پر خطِ میخی کے علاوہ دیگر قسم کی عبارتیں بھی کُھدی ہیں۔

اُور کی کُھدائی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ حضرت ابرہام سے برسوں پہلے مسوپتامیہ میں ہر جگہ لکھنے کا دستور موجود تھا۔ چنانچہ خُداوند مسیح سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے مقاموں میں اگر پانچ نہیں تو کم از کم چار قسم کی تحریرات مروج تھیں جن کو اہلِ کنعان اپنی زبان لکھنے کے لئے مختلف موقعوں پر استعمال کرتے تھے۔

کنعان کے اِردگِرد کے ممالک میں بھی نوشت وخواند کا دستور باقاعدہ جاری تھا۔ چنانچہ مُلکِ مصر سے پَپے پائرس کے طُومار دستیاب ہُوئے ہیں جو مسیح سے دو ہزار سال قبل کے ہیں اَور ثابت کرتے ہیں کہ اُن سے بیشتر کم از کم ایک ہزار سال پہلے لوگ لکھا پڑھی کیا کرتے تھے۔ پس حضرت ابرہام کے وقت ارضِ مُقدّس میں نوشت وخواند کا سلسلہ جاری تھا۔ ۱۹۲۶ء میں ایک عبرانی کتبہ دستیاب ہُوا جو خُداوند مسیح سے قریباً بارہ سو سال پہلے کا ہے۔ ارضِ مُقدّس میں اس زمانہ میں عموماً پتھروں اَور مٹی کی تختیوں پر لکھا جاتا تھا۔ (استثنا ۲۷: ۲ و ۸) اَور الفاظ کو کندہ نہیں کیا جاتا تھا۔ نوشت وخواند کا ذِکر عبرانی کُتبِ مُقدّسہ میں اکثر آیا ہے۔ (خروج ۳۴: ۱، ۲۷؛ ۳۹: ۳۰؛ استثنا ۲۱: ۱۹؛ یشوع ۱: ۸، ۱۰: ۲۱؛ قضاۃ ۵: ۱۴ وغیرہ) جس زمانہ میں حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لائے (یعنی چودھویں صدی قبل مسیح) اُس زمانہ میں سینا کے علاقہ میں حروفِ تہجی رائج تھے۔

پس علمِ آثارِ قدیمہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جب حضرت ابرہام نے کلدیوں کے اُور سے تارکِ وطن ہو کر ہجرت اختیار کی تو اُس شہر میں نوشت وخواند کا سلسلہ جاری تھا۔ بلکہ جیسا ہم ابھی بتا چکے ہیں مصر میں پپے پائرس کے بعض ایسے قدیم طُومار ملے ہیں جو ابرہام کے زمانہ سے بھی پہلے کے ہیں۔ مُختلف مقامات سے (جو بحرِ متوسط اَور مسوپتامیہ کے درمیان مُلکِ شام میں واقع ہیں) ہزاروں الواح دستیاب ہُوئی ہیں جو خُداوند مسیح سے بھی دو ہزار سال پہلے کی ہیں جن سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ جب اسرائیلی چودھویں صدی قبل از مسیح کے

پہلے نصف میں ملکِ مصر سے نکلے تھے تو وہ ایسے ملک سے نکلے تھے جہاں صدیوں سے نوشت و خواند کا سلسلہ جاری تھا اور وہ ایک ایسے ملک (کنعان) میں گئے جہاں کے اصلی باشندے اموری اور کنعانی (اور ان کے ہمسایہ ممالک شام و سوریا اور ایشیائے کوچک) نوشت و خواند سے بخوبی واقف تھے۔ اس حقیقت کا ذکر ہم اس کتاب کے مقدمہ کے شروع میں کر آئے ہیں۔

پس گذشتہ پچاس سال کے انکشافات سے ظاہر ہے کہ عبری زبان قدیم زمانہ ہی سے نوشت و خواند کا ذریعہ بن چکی تھی۔ اس لئے یہ نہایت اغلب بلکہ یقینی امر ہے کہ عبرانی کتبِ مقدسہ کے قدیم ترین حصے اور ان کے ماخذ ابتدائی زمانہ ہی سے احاطۂ تحریر میں آچکے تھے۔

قدیم کتبِ مقدسہ کی تاریخِ تصنیف

اس ابتدائی زمانہ میں (جس کی میعاد تقریباً ایک ہزار سال ہے) ذیل کی کتبِ مقدسہ احاطۂ تحریر میں آئیں:۔

پیدائش۔ خروج۔ احبار۔ گنتی۔ استثنا۔ یشوع۔ قضاۃ۔ روت۔ سموئیل۔ سلاطین۔ یسعیاہ۔ یرمیاہ۔ یرمیاہ کا نوحہ۔ حزقی ایل۔ حبقوق۔ صفنیاہ۔ ناحوم۔ میکاہ۔ ہوسیع۔ عاموس۔ عبدیاہ۔ یوایل۔ ایوب۔ حجی۔ زکریاہ۔

فصلِ اوّل

عبرانی کتبِ مقدسہ کی صحت کی اندرونی شہادت

اس ابتدائی زمانہ کی بابت ہم کو کتبِ مقدسہ کی اندرونی شہادت اور حالات

سے بہت واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ خارجی ذرائع سے اِس ابتدائی زمانہ کی نسبت ہم کو اتنا پتہ نہیں مِل سکتا جتنا بعد کے زمانوں کے حالات کا ملتا ہے۔ پس ہم پہلے اِس سوال پر غور کریں گے کہ خود اِن کُتبِ مُقدسہ سے ہم اِن کے متن کی صحت کی نسبت کیا جان سکتے ہیں؟

(ا)

عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کی حفاظت کے وسائل

جب ہم اِن کُتب کا غور سے مُطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اِس قدیم دَور میں نُسخے قدیم عبرانی حُروف میں پارچہ جات پر طُومار کی شکل میں لکھے جاتے تھے (یرمیاہ ۳۶: ۱۴؛ حزقی ایل ۲: ۹؛ زبُور ۴۰: ۷؛ زکریاہ ۵: ۱) اَور وُہ نہایت اَدب اَور تکریم سے محفُوظ رکھّے جاتے تھے۔ چُنانچہ لکھا ہے کہ "جب مُوسیٰ اس شریعت کی باتوں کو ایک کتاب میں لکھ چُکا اَور وُہ ختم ہوگئیں تو مُوسیٰ نے لاویوں سے جو خُداوند کے عہد کے صندُوق کو اُٹھایا کرتے تھے کہا کہ اس شریعت کی کتاب کو لے کر خُداوند اپنے خُدا کے عہد کے صندُوق کے پاس رکھ دو" (استثنا ۳۱: ۲۴ تا ۲۶) پس جو کُتبِ مُقدسہ اس وقت تک تحریر ہوچکی تھیں وُہ سب قُدس الاقداس میں محفوظ رکھی جاتی تھیں۔ (خرُوج ۴۰: ۲۰، استثنا ۳۱: ۲۴-۲۶ و ۲۔سلاطین ۲۲: ۸) اَور ہر ساتویں سال لفظ بلفظ پڑھی جاتی تھیں۔ (یشوع ۸: ۳۵۔ استثنا ۳۱: ۱۰-۱۲) یہ ظاہر ہے کہ وقتاً فوقتاً حسبِ ضرورت اس ابتدائی دَور میں ان کی نقلیں بھی ضرور کی جاتی ہونگی۔ علاوہ ازیں شاہانِ اِسرائیل تخت نشینی کے بعد اپنے ہاتھ سے قُدس الاقداس کے

نُسخہ کی نقل کیا کرتے تھے (اِستثنا ۱۷: ۱۸) اور یہی قُدس الاقداس کا نُسخہ تاجپوشی کے وقت شاہانِ اسرائیل کے ہاتھوں میں رکھا جاتا تھا۔ (۲۔سلاطین ۱۱: ۱۲ و ۲۔تواریخ ۲۳: ۱۱) مسیحی آبائے کلیسیا ٹرٹولین۔ اِپی فینیس اور آگسٹین ہم کو بتاتے ہیں کہ علاوہ توراتؔ کے دیگر کُتبِ مُقدسہ بھی قُدس الاقداس میں رکھی جاتی تھیں۔ اور یہودی مؤرخ یوسیفس اس بات کی تائید کرتا ہے۔ اور کتابِ مُقدس سے بھی اِس امر کی تصدیق ہوتی ہے (یشوع ۲۴: ۲۶ و ۲۔سلاطین ۲۲: ۸۔ ا۔سموئیل ۱۰: ۲۵) پس ابتدا میں خُدا کے خیمہ میں اور پھر ہیکل میں کُتبِ مقدسہ کے نُسخے محفوظ رکھے جاتے تھے۔

(۲)

"انبیازادوں کے مدرسوں میں جو یروحوؔ۔ رامہؔ۔ جلجالؔ اور بیت ایلؔ وغیرہ میں تھے، کُتبِ مُقدسہ کی باقاعدہ تعلیم ضرور دی جاتی ہوگی (ا۔سموئیل ۱۹: ۱۹-۲۰ و ۲۔سلاطین ۲: ۳-۵ و ۴: ۳۸ و ۶: ۱ وغیرہ) یہ "انبیازادے" یہودی قوم کے ممتاز رُکن تھے اور انبیاء اللہ کے شاگرد اور اصحاب تھے۔ وہ قوم یہود کے شاعر۔ مؤرخ۔ زبور نویس اور مُصنف تھے (عاموس ۷: ۱۴)۔ حضرت یوئیلؔ اور حضرت یُوناہ وغیرہ نے اِنہی مدرسوں میں جنم لیا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ "انبیازادے" کُتبِ مُقدسہ کی نقل ضرور کرتے ہوں گے، کیونکہ کون صحیح العقل شخص یہ بات کہہ سکتا ہے کہ اہلِ یہود کے پاس سوائے اُس نُسخہ کے جو قُدس الاقداس میں محفوظ تھا کوئی اَور نُسخہ موجود نہیں تھا۔ یہ ایسا ہے جیسا کوئی کہے کہ گذشتہ صدی میں سوائے اُس قرآن کے جو سُلطانِ رُوم کی خاص

ملکیت تھا اور خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے اُس کے پاس تھا اور کوئی نسخہ دُنیائے اسلام یا ترکی میں موجود نہ تھا۔" انبیاء زادے" اہلِ یہود کے مذہبی پیشوا تھے۔ لہٰذا مذہبی کُتبِ سماوی کے محافظ اور مفسّر تھے۔ پس وہ کُتبِ مُقدّسہ اور اُن کے متن کے الفاظ کی صحت کے محافظ تھے۔

(۳)

یُوں تو شاہانِ اسرائیل بالعموم کُتبِ مُقدّسہ کے محافظ تھے لیکن حزقیاہ بادشاہ کے دِنوں میں بالخصوص کُتبِ مُقدّسہ کی حفاظت کی گئی اور اُن کا مطالعہ نہایت اہتمام کے ساتھ کیا گیا۔ (۲۔تواریخ ۳۱: ۴) سلیمان کی امثال کی کتاب نقل کی گئی (امثال ۲۵: ۱) اور ہیکل کے زبوروں کے طوماروں کے انبار کا ملاحظہ کیا گیا۔ ہم کُتبِ مُقدّسہ کے عاشقوں کی تعداد کا کُچھ اندازہ کر سکتے ہیں جب ہم یہ پڑھتے ہیں کہ گانے والوں کی تعداد دو سو اٹھاسی تھی۔ (۱۔تواریخ ۲۵: ۷) حزقیاہ بادشاہ کے زمانہ میں اسرائیل کے مذہب کو بڑا فروغ حاصل تھا، اور بظاہر ہے کہ یہودی کُتبِ مُقدّسہ اِس کے زمانہ میں نہایت عزّت، تعظیم اور احترام کی نظر سے دیکھی، پڑھی اور نقل کی جاتی تھیں۔ گو اس کے جانشین بادشاہ مُنسّی کے زمانہ میں کُتبِ مُقدّسہ کی بے حُرمتی کی گئی، لیکن کوئی سلیم الطبع شخص یہ کہنے کو تیّار نہ ہوگا کہ اُس کے زمانہ میں کُتبِ مُقدّسہ میں تحریف یا فتور واقع ہو گیا تھا۔ کیونکہ اِس بادشاہ کے عہد میں کُتبِ مُقدّسہ کی تباہی اور بربادی کا خدشہ تھا نہ کہ اُن کے محرّف ہونے کا۔ بلکہ گمان غالب یہ ہے کہ ایسے بادشاہ کے عہد میں کُتبِ مُقدّسہ کی نقلیں بہت کم ہوئی ہوں گی، اور جو موجود ہوں گی اُن کو نہایت

محفوظ جگہ میں رکھا گیا ہوگا۔ لہٰذا اِس بادشاہ کے زمانہ میں کتابت کی غلطیوں کا امکان یا کُتبِ مُقدسہ میں تحریف کا واقع ہوجانا ایک موہوم امر ہے۔

(۴)

آٹھویں صدی قبل از مسیح یہودی انبیاء خُود اپنے الہامات کتابوں کی صُورت میں لکھنے لگ گئے جب انبیاء نے دیکھا کہ بنی اسرائیل اُن کے پیغامات کی پروا نہیں کرتے، تو اُنہوں نے اپنے پیغامات کو کُل قوم کے افراد تک پہنچانے کے لئے اور آئندہ نسلوں پر اِتمامِ حُجت کی خاطر اپنی نبُوتوں کو طُوماروں پر لکھنا شرُوع کردیا۔ مثلاً حضرت یرمیاہ اور اُس کے منشی بروک نے یرمیاہ کی نبُوتیں قلمبند کیں۔ (یرمیاہ ۳۶: ۱، ۴ و ۹۔۳۲) یرمیاہ سے تقریباً ایک صدی پہلے حضرت یسعیاہ نے اپنی نبُوتیں قلمبند کیں۔ (یسعیاہ ۸: ۱۶) ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ حضرت یسعیاہ کے بعد تمام انبیاءُ اللہ اپنی نبُوتوں کو قلمبند کرتے رہے۔ اور اُن کے شاگرد اور پیرو اُن کو نقل کرتے رہے، جن کی کوشش یہی رہی کہ پُوری صحت کے ساتھ اِن انبیائے سابقین کی کُتب کو نقل کرکے محفُوظ رکھا جائے۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے، کہ انبیائے اسرائیل اہلِ یہُود کی خطاؤں اور گناہوں کو ہمیشہ اُن پر جتاتے رہے اور اُن کو ملامت کرتے رہے لیکن اُنھوں نے کبھی اپنی اُمت پر یہ الزام نہ لگایا کہ تُم نے کُتبِ مُقدسہ میں فتور ڈالا اور کلام اللہ کو محرف کردیا ہے۔ حالانکہ اگر اِس ابتدائی زمانہ میں کُتبِ مُقدسہ میں تحریف ہوگئی ہوتی تو انبیاء جو مامُور من اللہ تھے، اِس امر کے لئے بنی اسرائیل کو ضرور ملامت کا نشانہ بناتے۔ ان بے خوف انبیاء کی معنی خیز خاموشی

کُتبِ مُقدّسہ کی صحت اَور کاتبوں کی امانتداری کی دلیل ہے۔

(۵)

زمانۂ اسیری (از ۵۳۶ ق م تا ۵۸۶ ق م قبل مسیح) میں اہلِ یہود نے کُتبِ مُقدّسہ کا مُطالعہ نہایت خلوصِ قلب اَور محنت اَور جانفشانی سے کیا۔ کیونکہ اَب اُن کی بادشاہی مِٹ گئی۔ اُن کا جاہ و جلال جاتا رہا۔ اُن کی ہیکل مسمار اَور شہید ہو گئی۔ اُن کی عبادتیں بند ہو گئیں۔ اُن کی قومیّت جاتی رہی۔ اُن کی آزادی چھن گئی۔ ان حالات میں اُن کی کُتبِ مُقدّسہ ہی ایک جان سے زیادہ عزیز چیز تھی جو اُن کے پاس رہ گئی تھی۔ اَور یہ کُتب ہی اُن کی تسلّی کا باعث تھیں۔ بردشلیم کی ہَیکل کی بجائے جابجا متعدد عبادت خانے قائم ہو گئے جن میں کُتبِ مُقدّسہ کی ہر سبت تلاوت ہوتی تھی (اعمال ۱۵: ۲۱، لُوقا ۴: ۱۶؛ اعمال ۱۳: ۱۵)۔ کُتبِ مُقدّسہ کی تلاوت کرنے والے صرف عبادت خانوں کے اراکین ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ جماعت کے شرکاء بھی اُن کو عبادت خانوں میں پڑھا کرتے تھے۔ (لُوقا ۴: ۱۶، اعمال ۱۳: ۱۵ وغیرہ) جس سے فطرتاً قوم کے تمام افراد میں ان کُتب کے لئے مُحبّت پیدا ہو گئی تھی۔ کُتبِ مُقدّسہ کا مطالعہ اِن یہودی اسیروں کی تسلّی کا باعث تھا۔ وہ "دِن رات خُداوند کی شریعت پر دھیان" رکھتے تھے۔ (مزمور ۱: ۲ و ۱۱۹ وغیرہ) پس قُدرتاً وہ اپنی کُتبِ مُقدّسہ کو نقل کرتے اَور اُن کی حفاظت کرنے میں ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔

کُتبِ مُقدّسہ کے حِصص کی صحت کا اندرونی ثبوت

علاوہ ازیں ایک اَور طریقہ سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ آیا عبرانی کُتبِ مُقدّسہ میں

دیدہ و دانستہ اہلِ یہود نے تحریف کر کے اُن کے الفاظ کو اُدل بدل کیا ہے یا نہیں۔ اَور وُہ یہ ہے کہ اس ابتدائی زمانہ میں بعض الہامی کتابوں کے حِصص کا دُوسرے مُلہم مُصنّفوں نے اپنی کتابوں میں اقتباس کیا ہے۔ مثال کے طور پہ ذیل کے حِصص ملاحظہ ہوں:۔

(۱)۔ ۲ سموئیل باب ۲۲ اَور زبُور ۱۸
(۲)۔ زبُور ۱۴ " " ۵۳
(۳)۔ ۱۔تواریخ ۱۶: ۸۔ ۲۲ ، ۱۰۵: ۱۔ ۱۵
(۴)۔ " " ۱۶: ۲۳۔۳۳ " ۹۶
(۵)۔ ۲۔سلاطین باب ۱۹و ۲۰ اور یسعیاہ ۳۷:۳۸
(۶)۔ " " " ۲۵ " یرمیاہ ۵۲ باب
(۷)۔ یسعیاہ باب ۱۵ و ۱۶ " " ۴۸ باب

مذکورہ بالا مقامات بطور مُشتے نمونہ از خروارے نقل کئے گئے ہیں اگرچہ ایسے تقریباً سو مقامات مَوجود ہیں۔ ان مقامات کا مقابلہ کرنے سے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ان اقتباسات کے الفاظ بعض اوقات اصل عبارت سے مُختلف ہیں کیونکہ بعد کی کتاب کے الہامی مُصنّفین نے اقتباس کرتے وقت اپنے حالات اَور مطلب کے مطابق اپنی کُتب میں نقل کرتے وقت اصل عبارت کے ایک لفظ کی جگہ دُوسرا لفظ یا ایک فقرہ کی جگہ دُوسرا فقرہ لکھ دیا اور یُوں کُتبِ مُقدّسہ کے مُختلف مقامات میں ایک ہی عبارت کے مُختلف الفاظ نمودار ہو گئے اب مابعد کے زمانہ میں کُتبِ مُقدّسہ کے نقل کرنے والے کاتب اگر چاہتے تو ان مُختلف مقامات کے الفاظ کے اختلافات کو نقل کرتے وقت مٹا سکتے

تھے اور یُوں ایک ہی عبارت کے الفاظ کو اصل اور اقتباس دونوں جگہ یکساں کر سکتے تھے۔ لیکن اُنہوں نے ایسا ہرگز نہ کیا۔ اور مختلف انبیاء کے مختلف صحائف کے اختلافِ الفاظ کو برقرار رکھّا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اِس ابتدائی زمانہ میں بھی عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کے نقل کرنے والوں نے دیدہ و دانستہ کبھی اپنے انبیاء کی کُتب کے الفاظ کو نہیں بدلا حالانکہ وہ اِس آزمائش میں پڑ کر لغزش کھا سکتے تھے۔

فصلِ دوم

عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کی صحت کی خارجی شہادت

ہم نے اس باب کی فصلِ اوّل کے شروع میں لکھا ہے کہ ابتدائی زمانہ میں جو تقریباً ایک ہزار سال کا ہے عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کی صحت پر بہت خارجی شہادت موجود نہیں۔ تاہم جو شہادت ہمارے پاس موجود ہے وہ نہایت اہم قسم کی ہے۔

(۱) پہلا گواہ سامری نُسخہٴ تورات

قومِ سامری

ہمارا پہلا گواہ سامری نُسخہ تورات ہے۔ سامری "بابل اور کوتہ اور عوّا اور حمات اور سفروائیم کے لوگوں" کی نسل تھے جن کو اسیری میں فاتحین نے ۷۲۲ ؁ قبل مسیح اسرائیل کے دس قبیلوں کی بادشاہی کو تباہ و برباد کرنے کے بعد لا بسایا تھا (۲-سلاطین ۱۷: ۶ و ۲۴) مابعد کے زمانہ میں ان غیر

یہود پردیسیوں کی تعداد میں وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہا (۴: ۱۰۰۹۰۱)۔ ان غیر یہود لوگوں نے اُن یہودیوں سے جو اسیری میں نہیں گئے تھے شادی بیاہ کر لئے (۲۔سلاطین ۲۳: ۱۹-۲۰، ۲۔تواریخ ۳۴: ۶، عزرا ۴: ۲)۔ اُن کی اولاد ''سامری'' کہلاتے تھے، (۲۔سلاطین ۱۷: ۲۹)۔ یہ لوگ اپنے ساتھ اپنے قومی معبود اور بُتوں کی پرستش لے آئے تھے اور ساتھ ہی کنعان اور قوم اسرائیل کے معبود یہوواہ کو خوش کرنے کی غرض سے اُس کی پرستش بھی کیا کرتے تھے (۲۔سلاطین ۱۷: ۲۶)۔

جب اہلِ یہود بابل کی اسیری سے واپس آئے تو وُہ ان مخلوط النسل سامریوں کو اُن کے ناطوں اور بُتوں کی وجہ سے حقیر سمجھتے تھے۔ جب نحمیاہ نے سنہ ۴۳۰ قبل مسیح یروشلیم کی دیواروں کو بنانا شروع کیا تو سامریوں نے بھی اس نیک کام میں حصہ لینا چاہا، لیکن ان کی یہ پیشکش نفرت کے ساتھ رد کی گئی۔ اہلِ یہود نے اُن کو اپنی عبادت اور دینی رسُوم وغیرہ سے خارج کر دیا۔ پس دونوں قوموں میں حد درجہ کا عناد پیدا ہو گیا (عزرا ۴: ۱)۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ سامریوں نے یروشلیم کے بنانے میں خلل ڈالا (عزرا ۴: ۷-۲۴۔ نحمیاہ ۴: ۷-۱۳)۔ اُنھوں نے یہودی زمینوں پر قبضہ کر لیا اور اُن کے مالکوں کو غلام بنا لیا۔ سنہ ۴۳۲ قبل مسیح میں نحمیاہ نے منسّی کو جو کاہنوں کی اولاد تھا ناجائز شادی کے معاملہ میں یروشلیم سے مُلک بدر کر دیا (نحمیاہ ۱۳: ۲۸)۔ اُس نے سامریوں کے ہاں جا پناہ لی کیونکہ سامری اُن تمام لوگوں کو جو یہودی جماعت سے خارج کئے جاتے تھے خندہ پیشانی سے قبول کرتے تھے۔ امتدادِ زمانہ کے ساتھ یہ دشمنی بڑھتی گئی یہاں تک کہ ایک موقعہ پر اُنھوں نے یہودی مُردوں کی ہڈیوں کو ہیکل میں پھینک کر اُسے ناپاک کرنے سے بھی باک نہ کیا۔ ایک اور موقعہ پر اُنھوں نے تمام گلیلیوں کو

جو عید منانے کے لئے سامریہ میں سے گذر کر یروشلیم جا رہے تھے قتل کر دیا۔ مورخ یوسیفس اس قسم کے متعدد واقعات کا ذکر کرتا ہے۔ سامری قوم کے مفصل حالات ۲۔سلاطین ۱۷: ۲۴، ۲۴: ۱۵-۱۶، اور عزرا اور نحمیاہ کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی زبان ارامی زبان سے بہت ملتی جلتی ہے۔

جب سامریوں کو منسّی مل گیا جو کاہنوں کی اولاد میں سے ہونے کی وجہ سے قربانیاں چڑھا سکتا تھا تو انہوں نے سکندرِ اعظم کی جنگِ اسس میں مدد کرنے کے عوض غریزیم پہاڑ پر (جو موجودہ نابلس کے قریب ہے) ہیکل بنانے کی اُس سے اجازت حاصل کر لی۔ وہاں وہ یہودی شریعت کے مطابق قربانیاں چڑھایا کرتے تھے۔ اب سامری قوم سلطنتِ اُردن میں قدیم سکم کے نزدیک نابلس میں بستی ہے۔

انجیل کا مطالعہ ظاہر کر دیتا ہے کہ یہود اور سامری ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ خداوند مسیح کے زمانے میں سامری پردیسی شمار کئے جاتے تھے (لوقا ۱۷: ۱۸)۔ ان کے مذہب میں مشرکانہ عناصر بھی موجود تھے۔ (یوحنا ۴: ۲۲) وہ یہودی زائرین کی جو یروشلیم جایا کرتے تھے سخت مخالفت کیا کرتے تھے (لوقا ۹: ۵۲) حتیٰ کہ بعض اوقات وہ اُن کو لوٹ بھی لیا کرتے تھے۔ اہلِ یہود کی دشمنی بھی کچھ کم نہ تھی۔ جب وہ کسی کو گالی دیتے تو کہتے "تو سامری ہے" (یوحنا ۸: ۴۸ وغیرہ)۔ یہودی عبادت خانوں میں اُن پر علانیہ لعنت کی جاتی تھی۔ یہودی عدالتوں میں ان کی گواہی قابلِ سماعت شمار نہیں کی جاتی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ "جو شخص کسی سامری کے ہاں روٹی کھاتا ہے وہ سور کا گوشت کھاتا ہے۔"

سامری تورات

لیکن دونوں اقوام کے پاس ایک شے تھی جس پر دونوں اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار تھے، اور وہ تورات تھی۔ چونکہ دونوں قوموں میں صدیوں سے کسی قسم کا برتاؤ نہیں تھا (یوحنا ۴: ۹) لہٰذا تورات جو سامریوں کے پاس تھی اُن کے باہمی عداوت سے پہلے کی تھی۔ یہ مخاصمت اتنی قدیم تھی کہ سامری لوگ تورات کے علاوہ یہود کے کسی دوسرے صحیفہ پر ایمان نہیں رکھتے تھے پس جو تورات کا نسخہ سامریوں کے پاس تھا وہ نحمیاہ اور عزرا کے زمانہ سے بہت پہلے کا تھا پس اس کا متن مسیح سے پانچ صدیاں قبل سے بھی پہلے کا ہے اور بلاشک وشبہ قدیم ترین ہے۔ سامری تورات جو نابلس میں محفوظ ہے قدیم عبرانی رسم الخط میں لکھی ہے اور یہ امر سامری تورات کی قدامت ثابت کرتا ہے۔

جب نحمیاہ نے منسّی کو یروشلیم سے خارج کر دیا تھا تو وہ تورات کا نسخہ اپنے ہمراہ لے گیا تھا۔ پس یہ نسخہ سامری تورات کا جدِّ امجد ہوا۔ جو نسخہ سامریوں کے پاس اب موجود ہے وہ گیارہویں صدی مسیحی کا ہے۔ منسّی کا نسخہ پُشت در پُشت نقل ہوتا چلا آیا ہے۔

سامری تورات کا ترجمہ دیگر زبانوں میں بھی کیا گیا ہے۔ جب اہلِ اسلام نے ۶۳۲ء میں ارضِ مقدس کو فتح کیا اور سامری بھی عربی بولنے لگے تو بارہویں صدی میں صور کے ابوالحسن نے سامری تورات کا ترجمہ عربی میں کیا جس کی ابوسعید نے تیرھویں صدی میں نظرِ ثانی کی۔

پس سامری تورات کا نسخہ خداوند مسیح سے صدیوں پیشتر دیگر تمام عبری اور عبرانی نسخوں سے جُدا ہو گیا اور اس کا کنعان کے تمام نسخوں سے جُدائی جزاء

سال تک قطع تعلق رہا۔ لہٰذا سامری تورات اور یہودی تورات کا باہمی مقابلہ کرنے سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ موجودہ تورات کے متن کے الفاظ وہی ہیں جو اڑھائی ہزار سال پہلے تھے یا کہ نہیں۔ ان کا مقابلہ ہم پر یہ امر عیاں کر دیتا ہے کہ اِن دونوں نسخوں کے متعدد الفاظ۔ فقرات اور آیات میں فرق ہے لیکن یہ اختلافات اہم قسم کے نہیں ہیں۔ اگرچہ یہ اختلافات تعداد میں چھ ہزار کے قریب ہیں لیکن ان میں سے اکثر اختلافات ہجا کے ہیں یا سہو کاتب ہیں۔ اِن چھ ہزار اختلافات میں سے دو ہزار ایسے ہیں جو سپٹواجنٹ (جس کا ذکر آگے چل کر آئے گا) ترجمہ کے اصل عبرانی متن کے مطابق ہیں۔ مثلاً خروج ۱۲: ۴۰ میں ہے کہ بنی اسرائیل کو ملکِ مصر میں بود و باش کرتے ہوئے ۴۳۰ برس ہوئے تھے (دیکھو گلتی ۳: ۱۷)۔ یہی عدد سپٹواجنٹ میں لکھا ہے۔ سامری نسخہ اور سپٹواجنٹ دونوں میں پیدائش ۱۷: ۱۴ میں الفاظ، "جس کا" "کے بعد" "آٹھویں دن" لکھے ہیں۔ پادری ایس کہن S. Kehan. نے سامری تورات اور قمران کے طومار کا (جن کا ذکر آگے آئے گا) مروجہ عبرانی متن سے مقابلہ کرکے ثابت کر دیا ہے کہ تینوں میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں، وہ درحقیقت نہایت معمولی اور خفیف قسم کے ہیں۔ اور کہ سامری نسخہ کا پایۂ اعتبار رفیع ہے۔ مثلاً سامری تورات میں ہے " قائن نے اپنے بھائی ہابل سے کہا۔ آؤ۔ کھیت میں چلیں" (پیدائش ۴: ۸) "اُس نے اُن کو غلام بنا لیا"۔ (پیدائش ۴۷: ۲۱)۔ "بنی اسرائیل کو مصر و کنعان میں بود و باش کرتے چار سو تیس برس ہوئے"۔ (خروج ۱۲: ۴۰، مقابلہ کرو گلتیوں ۳: ۱۷) وغیرہ۔ اِن اختلافات کی یہ چند مثالیں ثابت کرتی ہیں کہ وہ نہایت معمولی قسم کے ہیں۔ اِن کا مطالعہ

کرنے کے بعد علماء اور نقاد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ عام طور پر یہودی عبرانی تورات کو سامری نسخہ پر فوقیت حاصل ہے ۔

بہرحال ان دونوں نسخوں کا مقابلہ کرنے سے ہم پر یہ امر منکشف ہو جاتا ہے کہ ہماری موجودہ تورات سوائے معدودے چند اختلافات کے قریباً لفظاً بہ لفظ وہی ہے جو ابتدائی زمانہ کے آخر میں موجود تھی اور اس میں کوئی ایسا فرق واقع نہیں ہوا جس کی بنا پر ہم یہ کہہ سکیں کہ موجودہ تورات کی پانچ کتابیں بجنسہ وہ نہیں ہیں جو ان کے مصنفین نے لکھی تھیں۔ حق تو یہ ہے کہ عہدِ عتیق کی کتب کے تمام مجموعہ میں سے تورات کی کتابیں ہی ایسی ہیں جن کا عبرانی متن سب سے زیادہ محفوظ ہے ۔

(۲) دوسرا گواہ ۔ آثارِ قدیمہ

آثارِ قدیمہ کی شہادت اور بائبل کے بیانات

آثارِ قدیمہ کے علم نے گذشتہ پچاس سالوں میں حیرت انگیز انکشافات کئے ہیں جن سے عبرانی کتبِ مقدسہ کے مضامین اور بیانات کی صحت پر روشنی پڑتی ہے ۔ ان آثارِ قدیمہ کی شہادت نہایت زبردست ہے کیونکہ وہ صدیوں سے زیرِ زمین مدفون رہے ہیں اور اب گویا اپنی قبروں سے نکل کر عبرانی کتبِ مقدسہ کی صحت پر گواہی دیتے ہیں ۔

(۱)

حال ہی میں کلدیوں کے اُور (پیدائش ۱۵ : ۷) کی کھدائی ہوئی ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہاں سُمیری سلطنت کے زبردست بادشاہ خداوند مسیح سے تین اور چار ہزار

سال پہلے حکمران تھے۔ ان کی زبان بعض باتوں میں موجودہ ترکی زبان سے ملتی جلتی ہے۔ اِس قدیم زبان میں (جو غیر سامی تھی) مسوپتامیہ یا بابل کا قدیم نام عدن تھا۔ سُمیری موحد تھے جو بعد میں بُتوں کی پُوجا کرنے لگ گئے تھے۔ وہ اپنے آپ کو "خُدا کے بیٹے" اور دُوسروں کو "آدمی کے بیٹے" (پیدائش ۶: ۳) کہتے تھے۔ آثارِ قدیمہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اِس غیر سامی تہذیب کی تاریخ میں ایک وقت ایسا بھی آیا تھا جب طوفان نے سب کچھ ملیا میٹ کر دیا تھا (پیدائش ۷: ۲۱-۲۲)۔ ۱۹۳۵ء میں فرات کے وسط ماری کے مقام سے اور شمال مغربی مسوپتامیہ سے اور نُوزو کے مقام سے جو شمال مشرقی مسوپتامیہ میں واقع ہے آثارِ قدیمہ کے ماہرین کو الواح دستیاب ہُوئی ہیں جن سے ابرہام، اضحاق اور یعقوب کے زمانہ رسُوم و رواج اور تاریخ پر زبردست روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ پیدائش کی کتاب کے بیانات کی صحت میں کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش نہیں۔ پیدائش کی کتاب کے چودھویں باب میں لکھا ہے کہ حضرت ابرہام کے زمانہ میں چند بادشاہوں نے متحد ہو کر مشرقی کنعان پر حملہ کر دیا تھا۔ آثارِ قدیمہ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس قسم کے حملے عمُوماً ہُوا کرتے تھے۔ البرٹ Albright نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جس راہ سے یہ لشکر گیا تھا اُس پر چند مشہور شہر واقع تھے جن کا اُس زمانہ کے دو صدیوں کے بعد نام و نشان بھی مِٹ گیا تھا۔ پس یہ شہر اپنی قبروں سے نکل کر پیدائش کی کتاب کے بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔

آثارِ قدیمہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ خُداوند مسیح سے تقریباً بیس صدیاں قبل حضرت ابرہام کے زمانہ میں سدوم اور عمورہ شہر تھے جو تباہ و برباد ہو گئے تھے (پیدائش باب ۱۹)۔

حضرت ابرہام کے شہر اُور کی کھدائی کرنے سے اُس زمانہ کا پتہ چل گیا ہے جس کا پیدائش کی کتاب میں ذکر آیا ہے۔ اب ہم کو معلوم ہو گیا ہے کہ ابرہام دوسرے لوگوں کی طرح کال کی وجہ سے مصر گیا تھا کیونکہ اُس زمانہ میں مصر تمام اردگرد کے ممالک کو غلہ مہیا کیا کرتا تھا (پیدائش ۱۲: ۱۰)۔ اس کے بعد پیدائش کی کتاب کے بیان کے مطابق وہ جرار کو گیا تھا۔ آثارِ قدیمہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے مصر اور جرار جانے کے درمیانی عرصہ میں یہ مقام ایک غلہ خیز خطہ تھا جس کو فلسطیوں نے بنایا تھا۔ (پیدائش ۲۰: ۱)۔

اس شہر کی تختیوں پر خدا کے نام ایل۔ الوہیم اور ایل ایلیون پائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر لینگڈن Langdon. کہتا ہے کہ خدا کے یہ نام خداوند مسیح سے دو ہزار دو سو برس پہلے عبریوں میں رائج تھے۔

پیدائش میں آیا ہے کہ یعقوب کی بیوی راخل نے اپنے باپ لابن کے بتوں کو چرا لیا تھا (۳۱: ۱۹)۔ نوذی کے مقام میں جو تختیاں دستیاب ہوئی ہیں ان میں سے ایک تختی سے ظاہر ہے کہ خاندان کے بتوں پر قبضہ کرنے سے وراثت پر اثر پڑتا تھا۔ پس جب راخل نے بتوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا تو اس کا اصلی مدعا یہ تھا کہ اپنے خاوند کو اپنے باپ کی جائداد کا وارث بنائے اور لابن نے بھی اسی خدشہ کے مارے یعقوب کا پیچھا کیا تھا۔

یوسیفس کہتا ہے کہ حضرت یوسف اور اُس کے بھائی مصر میں اُس زمانہ میں گئے تھے جب ہکسوس Hyksos خاندان کے بادشاہ مصر کے فرعون تھے۔ آثارِ قدیمہ نے اس امر کی تصدیق کر دی ہے اور دو عبری ناموں

کا بھی ذکر کیا گیا ہے یعنی یعقوب اور حور کے نام بھی ملتے ہیں۔

(۲)

پروفیسر یہودا (A. S. Yahuda) نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پیدائش اور خروج کی کتابوں میں ملکِ مصر کے جو حالات درج ہیں وہ بجنسہٖ وہی ہیں جن کا پتہ آثارِ قدیمہ سے ہم کو ملتا ہے۔ ان انکشافات سے ان دونوں کتابوں کے الفاظ۔ فقرات اور اسلوبِ بیان پر ایسی روشنی پڑتی ہے کہ اب ہم ان کتابوں کے بیانوں کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ آثارِ قدیمہ ان بیانات کی صحت کی نہ صرف عام طور پر تصدیق کرتے ہیں بلکہ بعض خاص واقعات کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً خروج کے پہلے باب میں لکھا ہے کہ مصریوں نے بنی اسرائیلیوں پر تشدد کر کے اُن سے سخت مشقت کا کام لیا اور انہوں نے فرعون کے لئے ذخیرہ کے شہر پتوم اور رعمسیس بنائے۔ آثارِ قدیمہ نے ان دونوں شہروں کو کھود نکالا ہے۔ ان سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ خداوند مسیح سے قبل چودھویں صدی کے پہلے ربع میں بنی اسرائیل کو ملکِ مصر سے نکال لائے تھے (۱۵ باب)۔

(۳)

راس شمرا کی الواح سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ موسوی شریعت کی قربانی کی رسوم جن کا ذکر تورات میں آیا ہے فی الواقع عمل میں آیا کرتی تھیں اور عبادت کے لئے ایک خیمہ گاہ ہوتا تھا۔ استثنا کی کتاب میں صلہ رحم کی شادی کا ذکر ہے (۲۵: ۵۔ ۱۰، روت ۳ و ۴ باب)۔ اِس قسم کی شادیاں نوزی میں اور اسوریوں کے قانون اور حتیوں کے قانون کے مطابق جائز تھیں۔ پس آثارِ قدیمہ نے ان باتوں کی تصدیق

کر دی ہے۔

(۴)

آثارِ قدیمہ نے کنعان کے شہروں کے کھنڈرات اور ان کی قدیم زندگی کو بے نقاب کر دیا ہے۔ ان کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ عبرانی کتبِ مقدسہ کے بیانات صحیح ہیں۔ پروفیسر گارسٹنگ Prof. Garstang نے یریحو اور کنعان کے دیگر مقامات کی کھدائی کی ہے۔ یریحو کی دیواروں کے نوبے یہ ثابت کرتے ہیں کہ یشوع کی کتاب (۶ باب) کے بیانات بالکل درست ہیں اور چودھویں صدی قبل از مسیح کے پہلے نصف میں دیواروں کا گرنا ایک امرِ واقعہ تھا۔ یہ دیواریں باہر کی جانب چپٹی پڑی ہوئی ہیں اور جھونکے ہوئے شہر میں کھانے کے لئے چیزیں تیار ملی ہیں جن کو ہاتھ بھی لگایا نہیں گیا تھا۔

تل امرنہ کے خطوط میں عبریوں کے حملوں کا ذکر ہے اور یشوع کا نام بھی لکھا ہے۔ یشوع نے شہر دبیر کو فتح کیا تھا (۱۰: ۳۸) اس شہر کا بھی پتہ چل گیا ہے۔ اس کا قدیم نام قریت سفر تھا (۱۵: ۱۵)۔ آثارِ قدیمہ سے ثابت ہے کہ یہ شہر تیرھویں صدی میں فتح کیا گیا تھا۔ ایک اور شہر بیت صور کا جس کا ذکر یشوع میں آیا ہے (۱۵: ۵۸) پتہ مل گیا ہے۔ آثارِ قدیمہ کے علم نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ شہر پہلے برباد ہو چکا تھا اور پھر دوبارہ بارہویں صدی قبل مسیح آباد ہوا جس سے اس کتاب کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ لکیس شہر کے قدیم مقام سے مٹی کے جو برتن دستیاب ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ شہر تیرھویں صدی میں برباد ہوا تھا۔ یہ یشوع کی کتاب کے بیان کے عین مطابق ہے (۱۰: ۳۱)۔

لکیس کا قدیم مقام طل دَوِیر ہَے۔یہاں کی کُھدائی کرنے سے حرُوف تہجی دستیاب ہُوئے ہیں جو ۱۲۶۲ قبل مسیح سے بھی پہلے کے ہیں۔اس کی دیواروں کے باہر مندر کے کھنڈرات میں قدیم مصری جواہرات ملے ہیں جو بھونرے کی شکل پر تراشے جاتے تھے اَور جس پر نشان ہوتے تھے۔یہ جواہرات امین ہاٹوپ سوم Amenhetop کے ہیں۔علاوہ ازیں رجعام۔سنیحرب اَور نبوکد نضر بادشاہوں کے متعلق بھی آثارِ قدیمہ کی شہادت موجُود ہَے۔

یشُوعؔ اور قضاۃ کی کتابوں کی تاریخیں اور اُن کے بیانات ہُوبہُو اُس زمانہ کے مُلکِ مصر کے تاریخی حالات کے عین مطابق ہیں۔شمجر بن عنات (قضاۃ ۳: ۳۱ و ۵: ۶) آثارِ قدیمہ کے مُطابق ایک مصری امیر البحر تھا۔سر فلینڈرس پیٹری Sir. Flanders Patri کو غزہ (قضاۃ ۱۶: ۱ وغیرہ) میں ایک ایسا ہتھیار ملا ہَے جو گھوڑے یا گدھے کے جبڑے سے بنا ہَے جس کے دانت نہایت تیز ہیں۔صاحب موصُوف کہتے ہیں کہ یہ بڑا زبردست اَور کارآمد ہتھیار ہَے۔اسی قسم کے ہتھیار کو سمسُون نے استعمال کیا تھا (۱۵: ۱۵-۱۶)۔فلسطی شہروں کی کُھدائی نے یہ ظاہر کر دیا ہَے کہ اِن کے گھروں کے کھمبے لکڑی کے بنے ہوتے تھے جو ایک پتھر کی سِل پر رکھے جاتے تھے۔اَور سمسُون جیسا طاقتور انسان اِن کو اُن کی جگہ سے کِھسکا کر اپنے دُشمنوں سے بدلہ لے سکتا تھا (۱۶: ۲۹) پس یہ انکشافات عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کے بیانات کی تصدیق کرتے ہیں۔

(۵)

سطورِ بالا میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے یہ بیانات دبیر

کے متعلق شائع کیے ہیں وُہ یشوع (۱۰ : ۳۹) کی تصدیق کرتے ہیں۔ اِسی طرح لکیش کی بربادی (۱۲۲۰ء ق م) سے پہلے تیرھویں صدی کی ابتدا میں بنی اسرائیل کا بیت ایل کو تباہ کرنا آثارِ قدیمہ سے ثابت ہے۔ اس علم نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ بنی اسرائیل نے تیرھویں صدی قبل از مسیح کے آخر تک آہستہ آہستہ یردن کی دونوں جانب پہاڑی مقاموں میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ مجدو اور بیت شان کی کھدائی سے ظاہر ہے کہ یہاں کے باشندے پشتوں تک بنی اسرائیل کے پے درپے حملوں کا مقابلہ کرتے رہے۔

ارضِ مُقدس کے مقامات کی کھدائی سے ظاہر ہے کہ بارھویں صدی کے شروع میں کنعان کے ساحل پر فلستی آباد ہو گئے تھے جنہوں نے غزہ سے لے کر عکرون تک مُلک پر قبضہ کر لیا تھا۔ فلستیوں کی کلچر جُدا گانہ تھی جو وُہ اپنے ہمراہ لائے تھے، لیکن وُہ مفتوح کنعانیوں سے جلدی گھل مل گئے۔ چونکہ اُن کے قبضہ میں زرخیز مقامات تھے اُنہوں نے دیگر اقوام پر جلدی غلبہ حاصل کر لیا۔ گیارہویں صدی قبل از مسیح کے درمیان میں فلستیوں نے اسرائیلیوں کو ابن عزر کے مقام پر شکست دی اور عہد کے صندوق پر قبضہ کر کے سیلا کو برباد کر دیا۔ یہوداہ کے دبیر قصبوں کے آثار بھی ثابت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے مغربی کنعان کو تباہ کر دیا اور اسرائیلیوں کو اپنا ماتحت بنا لیا۔ لیکن ساؤل نے ۱۰۲۰ء ق م کے قریب اپنی سلطنت کے ابتدائی ایام میں اُن کا جُوا اُتار پھینکا لیکن فلستیوں نے اس کو جلبوعہ پر شکست فاش دی۔ پر بنی اسرائیل نے داؤد کے زمانہ میں ۹۹۰ء ق م کے قریب فلستیوں کا زور ایسا توڑ دیا کہ اُن کو پھر کبھی غلبہ حاصل نہ ہو سکا اور

وُہ تاجر ہو گئے۔ کیا یہ بیانات عبرانی کُتبِ مقدسہ کے واقعات کی حیرت انگیز طور پر تصدیق نہیں کرتے؟

جب ہم قُضاۃ کے زمانہ کے آثارِ قدیمہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ بارہویں اَور گیارہویں صدی قبل از مسیح میں بنی اسرائیل کی زندگی نہایت سادہ تھی اَور اُن میں کلچر اَور تہذیب کا نام بھی نہ تھا۔ تیرھویں صدی ق۔م کے قریب کنعانیوں کی طرزِ زندگی میں اَور اسرائیلیوں کی طرزِ رہائش میں زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ حملہ آور اسرائیلی نیم خانہ بدوش وحشی تھے جو قبائلی زندگی بسر کرتے تھے۔ اُس زمانہ کے آثارِ قدیمہ کتابِ قُضاۃ کی آیت "ہر شخص جو کچھ اُس کی نظر میں اچھا معلوم ہوتا وہی کرتا تھا" (۶:۱۷) کی تفسیر ہیں اَور اُس زمانہ کے صحیح حالات کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔

قدیم یروشلیم۔ سامریہ اَور کنعان کے دیگر مقامات کی کھُدائی کی گئی ہے اَور ان مقاموں کی دریافتیں عبرانی کُتبِ مُقدسہ کی کُتبِ سموئیل وسلاطین وتواریخ پر نہ صرف روشنی ڈالتی ہیں، بلکہ حیرت انگیز طور پر اُن کی تصدیق بھی کرتی ہیں۔ سِکم۔ بیت ایل۔ عَی۔ یریحو۔ بیت شمس وغیرہ شہروں کا پتہ لگ چکا ہے۔

سَیلا کا مقام وُہ تھا جہاں قُضاۃ کے زمانہ میں خُداوند کا صندُوق اَور خیمہ گاہ ہوتا تھا (۱۔سموئیل ۱:۹ و ۲۲:۲ وغیرہ)۔ آثارِ قدیمہ نے اِس شہر کا بھی پتہ کھود نکالا ہے۔ یہ خیمہ ہیکل سے پہلے استعمال ہوتا تھا اَور بیابان سے ارضِ مُقدس میں گیا تھا اَور سَیلا میں رہا۔ آثارِ قدیمہ نے اِس خیمہ پر نہایت دلچسپ روشنی ڈالی

ہے۔ گو نا حال اِس خیمہ کی کوئی تصویر یا پارچہ وغیرہ نہیں ملا تاہم یہ معلوم ہے کہ رسُولِ عربی کی بعثت سے پہلے عربوں میں یہ دستور تھا کہ وُہ اپنے بُتوں کو ایک خیمہ میں رکھتے تھے جو قرمزی رنگ کے چمڑے کا ہوتا تھا۔ یہ خیمہ بعض اوقات شُتر کی پیٹھ پر لاد کر میدانِ جنگ میں لے جایا جاتا تھا، اور قبیلہ کی معزز ترین عورتیں اُس کی محافظ ہوتی تھیں۔ اس خیمے کے مُختلف نام ہُوا کرتے تھے۔ اِس کا ایک نام "قُبّہ" تھا۔ یہ لفظ پالمیرا (Palmyra) کے ارامی کتبوں میں بھی پایا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائی مسیحی صدیوں میں یہ رواج پالمیرا کے لوگوں میں بھی موجود تھا۔ لفظ "قُبّہ" صرف ایک دفعہ کُتبِ عہدِ عتیق میں آیا ہے (گنتی ۲۵: ۸) جہاں اس کا ترجمہ "خیمہ" کیا گیا ہے۔ یہ امر بھی دلچسپی کا مُوجب ہے کہ پالمیرا کے لوگوں کا خیمہ قرمزی رنگ کے چمڑے کا ہوتا تھا اور بنی اسرائیل کا خیمہ بھی قرمزی رنگ کا تھا (خروج ۲۶: ۱۴)۔ اِس قسم کے انکشافات نہ صرف عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کی تفاصیل کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں بلکہ ان کی چھوٹی چھوٹی اور مُعمولی تفصیلوں کی صحت کی بھی تصدیق کرتے ہیں۔

عہدِ عتیق کی کُتب میں متعدد قدیم شہروں کا ذکر آیا ہے۔ ان میں سے بہت سے مقامات کی کُھدائی ہو گئی ہے اور برآمدہ اشیاء اور کتبوں سے کتابِ مُقدّس کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کے بیانات نے ہی آثارِ قدیمہ کے ماہرین کو قدیم مقامات کے کھوج لگانے میں مدد دی ہے۔ مثلاً انہی بیانات کے ذریعہ معلوم ہوگیا ہے کہ جزر کا قدیم مقام وُہی ہے جو موجودہ زمانے میں طلِ جزر کہلاتا ہے۔ یہاں پہلی صدی قبل از مسیح کے کتبے ملے ہیں جن

پر الفاظ "جزر کی حد" لکھے ہیں۔ بائبل کے بیان ہی سے اب ثابت ہو گیا ہے کہ لکیسؔ کا قدیم شہر اُس جگہ آباد تھا جہاں اب تل الدویرؔ ہے۔ گلیل کا شہر حصورؔ (یرمیاہ ۴۹: ۳۳ وغیرہ) موجودہ تل القدہؔ کے مقام پر آباد تھا۔ اسی طرح قدیم شہر سیلاؔ (یشوع ۱۸: ۱ وغیرہ) ساؤل کا جبعہ (۱-سموئیل ۱۵: ۳۴ جو تل الفل ہے)۔ بیت ایلؔ۔ بیت صورؔ وغیرہ کے مقامات کا صرف عبرانی کتبِ مقدسہ کے بیانات سے ہی پتہ لگ سکا ہے، حالانکہ سیلاؔ مسیح سے گیارہ صدیاں پیشتر آگ سے تباہ ہو گیا تھا جس کا ذکر ۱-سموئیل ۴ باب میں بھی ہے اور یرمیاہ نبی کے وقت میں بھی وہ ویران تھا۔ اسی طرح جبعہ بھی آگ سے جل کر خاک سیاہ ہو گیا تھا اور اس کا ذکر قضاۃ ۲۰ باب میں آیا ہے۔ آثارِ قدیمہ نے کتبِ مقدسہ کے بیانات کے ذریعہ بیت ایل کا پتہ لگا لیا کہ وہ اُسی مقام پر آباد تھا جہاں موجودہ بیطین واقع ہے۔ بیت صورؔ کا بھی اسی طرح سراغ ملا کہ وہ موجودہ خربت الطبیقہ کے مقام پر واقع تھا۔ عبرانی کتبِ مقدسہ میں جن قدیم شہروں کا ذکر ہے اُن میں سے اکثر کا زمانہ اور تاریخ علمِ آثارِ قدیمہ نے متعین کر دیا ہے جن سے اِن کتابوں کے بیانات کی صحت کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً جن لاویوں کے شہروں کا ذکر یشوع ۲۱ باب اور ۱-تواریخ ۶ باب میں آیا ہے اُن کی قدامت کو علمِ آثارِ قدیمہ نے ثابت کر دیا ہے اور اب تمام علماء یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ مسیح سے دس صدیاں پہلے آباد تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونو عبرانی کتابوں کی فہرستیں ۹۷۵ ق-م اور ۹۵۰ ق-م کے درمیان بنائی گئی تھیں گو اِن شہروں کی تاریخ فتح کنعان سے بھی پہلے کی ہے۔

(۶)

علم آثارِ قدیمہ نے ثابت کر دیا ہے کہ اسرائیلی بزرگوں حضرات ابراہام یعقوب یوسف ۔ موسیٰ ۔ یشوع ۔ جدعون ۔ سمسون ۔ ساؤل ۔ داؤد اور سلیمان وغیرہ کے زمانہ کے حالات ہو بہو وہی تھے جو عبرانی کتبِ مقدسہ میں مندرج ہیں ۔ ماہرین کو تاحال قدیم ترین اسرائیلی قلعہ بندی کا نمونہ صرف شاؤل کا قلعہ ملا ہے جو طل الفل کی چوٹی پر یروشلیم سے تین میل شمال کی جانب واقع ہے اور سنہ ۱۰۲۰ ق م کے قریب کا ہے ۔ آثارِ قدیمہ سے ظاہر ہے کہ داؤد کی موت (سنہ ۹۶۰ ق م کے قریب) کے بعد قوم اسرائیل تجارت اور صنعت و حرفت کی جانب رغبت رکھنے لگ گئی تھی ۔ صور اور صیدانے (جو سلیمان کے دوست حیرام کی بادشاہی میں شامل تھے) فلسطیوں کے زوال سے فائدہ اُٹھا کر اپنی تجارت کو بحرِ متوسط کے مغرب تک پھیلا دیا تھا ۔

علم آثارِ قدیمہ ثابت کرتا ہے کہ سلیمان کا زمانہ کنعان کی تاریخ اور تہذیب میں نہایت شاندار زمانہ تھا اور کہ سلاطین کی پہلی کتاب کے بیانات صحیح ہیں جن کا تعلق اِس شاندار زمانہ سے ہے (۱۰: ۲۰ وغیرہ)۔ ماہرین نے سلیمان کے اصطبل تک کھود نکالے ہیں جن کا ذکر ۱۔ سلاطین (۹: ۱۵-۱۹) میں آیا ہے ۔ حضرت داؤد خدا کے لئے ایک عالی شان ہیکل بنوانا چاہتے تھے کیونکہ اُن کے عہد تک اور اُن کے زمانہ میں بھی "خدا کا صندوق پردوں کے اندر" ہی تھا ۔ لیکن وہ اپنی عینِ حیات میں یہ مقدس فرض ادا نہ کر سکے ۔ لیکن اُنہوں نے اپنی زندگی میں ہیکل کے لئے ایک وسیع قطعہ زمین خرید لیا ۔ ۲۔ سموئیل ۲۴:

۲۱-۲۴) اور عمارت کے لئے لوہا۔ پتھر۔ لکڑی، وغیرہ اور سونے چاندی کے ظروف وغیرہ فراہم کر لئے اور مرنے سے پہلے اپنے جانشین حضرت سلیمان کو وصیت کر گئے کہ وہ اِس ہیکل کی تعمیر اور تکمیل کرے (۱۔تواریخ ۲۲: ۱۱-۱۹)۔ سلیمان نے اپنی حکومت کے چوتھے سال (۹۶۶ سنہ قبل مسیح) ہیکل کی عمارت کی تعمیر کے کام کو شروع کیا اور سات سال بعد (۹۵۹ قبل مسیح) اُس نے یہ مبارک کام ختم کیا۔(۲۔ تواریخ ۲ باب تا ۷ باب)۔حوادثِ زمانہ کے ہاتھوں اس ہیکل کا نام و نشان بھی نابود ہو گیا تھا اور علماء کا خیال تھا کہ اس کے آثار کا ملنا امر محال ہے لیکن اب ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے اِس ہیکل کا اور اس کے مختلف مقامات کا پتہ لگا لیا ہے۔ اُنہوں نے بیرونی احاطہ کی دو قربان گاہوں کو اور اندرونی مقدس کی قربانگاہ کو بھی کھود نکالا ہے۔ اُن کو وہ ظروف بھی مل گئے ہیں جن کا ذکر کتابِ مقدس میں آیا ہے اور جو قربانیوں کے وقت استعمال ہوتے تھے (ٹائمز آف انڈیا بابت اگست ۶۴ء صفحہ ۷)۔ آثارِ قدیمہ نے اُن تمام بیانات کی تفاصیل کی تصدیق کر دی ہے جو تواریخ کی دوسری کتاب (از ۱ باب تا ۷ باب) اور سلاطین کی پہلی کتاب کے ۸ و ۹ باب میں لکھی ہیں۔

سامریہ کی بادشاہی کے حالات بھی وہی ثابت ہوتے ہیں جن کا بیان کُتبِ مقدسہ میں آیا ہے۔ چنانچہ نویں صدی قبل از مسیح سے چھٹی صدی قبل از مسیح کے زمانہ میں سامریہ کی تلمہ بندیوں کے حالات (جن کا تعلق بادشاہ عمری کے خاندان (از ۸۸۲ سنہ ق م تا ۸۴۲ سنہ ق م) سے اور یاہو کے خاندان (از ۸۴۲ سنہ ق م تا ۷۴۲ سنہ ق م) سے ہے۔ یہ سب کے سب حالات کتاب مقدس کے مطابق ہیں۔ یہوداہ کے

بادشاہ عزیاہ اور حزقیاہ کے عہدِ حکومت کے بیانات کی بھی تصدیق ہو گئی ہے
اور لکیش، بیت مریم۔ اور دیگر مقامات کی کھدائی نے یہوداہ کی سلطنت کے
آخری زمانہ اور یرمیاہ نبی کے حالاتِ زمانہ پر ایسی روشنی ڈالی ہے کہ ان کے متعلق
کسی قسم کی غلط فہمی کا امکان بھی نہیں رہا۔ آثارِ قدیمہ ہر مقام میں عبرانی کتبِ مقدسہ
کے بیانات کے مصدق ہیں۔ مثلاً ۱۔سلاطین میں ہے کہ سلیمان کے بیٹے رحبعام
بادشاہ کے پانچویں برس میں شاہِ مصر سیسق نے یروشلیم پر چڑھائی کی" (۱۴: ۲۵)۔
اس فرعون کی فتح کا ذکر کرناک کے مندر کی دیواروں پر کندہ ہے۔ کیونکہ مصر کے
بادشاہ مندروں کی دیواروں پر اُن شہروں کے نام کھدوا کرتے تھے جن پر انہوں
نے فتح حاصل کی تھی۔ قدیم شکستہ مرتبانوں کے ٹکڑوں پر بھی ایسے شہروں کے نام
ہیں جن کے بادشاہ فرعونِ مصر کے دشمنِ جان تھے۔ اسوریہ کے شاہنشاہوں
کی فتوحات کی یادگاروں پر ایسے متعدد نام دستیاب ہوئے ہیں جن کا ذکر عبرانی
کتبِ مقدسہ میں آیا ہے۔ امرنہ کے خطوط اور دیگر قسم کی عبارتوں سے
بھی ان شہروں کا پتہ چلتا ہے۔

۲۔سلاطین میں لکھا ہے کہ بادشاہ حزقیاہ نے تالاب اور نالی بنا کر شہر یروشلیم
میں پانی پہنچایا (۲۰: ۲۰)۔ اس نالی کا بھی اب پتہ مل چکا ہے۔ سلیمان کی مشہور بندرگاہ
عصیون جابر کا بھی پتہ لگ گیا ہے (۱۔سلاطین ۹: ۲۶-۲۹)۔ اسوریہ کے شہنشاہ
شلمنسر سوم نے ۸۵۳ء قبل مسیح دمشق کے بادشاہ حددعزر اور اخی اب کو
شکست دی تھی اور شاہِ اسرائیل اخی اب کا نام اس شاہنشاہ کی فتوحات میں درج
ہے۔ شلمنسر چہارم نامی بادشاہ حزائیل (۲۔سلاطین ۹: ۱۰-۱۵) کا ذکر کرتا

حقارت سے کر کے کہتا ہے کہ حزایل جو ایرے غیرے نتھو خیرے کا بیٹا تھا تخت پر بیٹھا اور یوں سلاطین کی کتاب کے بیان کی تصدیق کرتا ہے۔ برطانوی عجائب خانہ میں پتھر کا ایک مینار ہے جس کی چوٹی مخروطی شکل کی ہے۔ اس میں نہ صرف یاہو کے نام کا ذکر ہے بلکہ اس پر ایک تصویر بھی کندہ ہے جس میں وہ شلمنصر کے سامنے جھک کر خراج ادا کرتا ہے۔ ایک اور کتبہ سے ثابت ہے کہ یہ واقعہ ۸۴۱ء قبل مسیح میں ہوا تھا۔ طغلات پلیسر سوم Tightath Pileser III کے وقائع اور تحریرات میں مناحم کے خراج۔ پیکاہ کی شکست اور اسرائیل کے آخری بادشاہ ہوسیع کا اور شاہِ یہوداہ آخز کا ذکر آتا ہے۔ یہ وقائع نگار ۲۔ سلاطین کی کتاب کے بیان (۱۵باب و ۱۷باب) کی تصدیق کرتے ہیں۔ سارگون دوم (Sargon II) کے وقائع نگار اسرائیل کے بادشاہ اور اسرائیلیوں کی اسیری کا ذکر ۷۲۲ء قبل مسیح کر کے کتابِ مقدس کے بیانات کی تصدیق کرتے ہیں۔ اسوریوں کی دستاویزوں میں حزقیاہ اور منسّی شاہانِ یہوداہ کے نام موجود ہیں چنانچہ سنحرب کے مشہور مثلثی منشور میں یہوداہ پر حملہ کرنے کا مفصل ذکر موجود ہے جس سے ۲۔ سلاطین ۱۸ و ۱۹ باب کی پوری تصدیق ہوتی ہے اور شاہِ اسور اسرحدون کی وقائع میں ہے کہ منسّی اس کا باجگزار تھا (۲۔سلاطین ۱۹: ۳۷۔ یسعیاہ ۳۷: ۳۸۔ عزرا ۴: ۲)۔ ایک تختی دستیاب ہوئی ہے جس میں لکھا ہے، کہ "یاکین شاہِ ملکِ یہود" کو بابل کے شاہی دربار سے ہر روز سامانِ رسد ملتا تھا، جس سے سلاطین کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے (۲۵: ۲۹-۳۰)

آثارِ قدیمہ کے انکشافات کی روشنی میں ہم عبرانی کتبِ مقدسہ کی کتبِ تواریخ کو اب بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں مثلاً ۲ سلاطین میں ہے "شاہِ اسور نے ترتان اور رب

سارس اور رب شاقی کو لکیش سے بڑے لشکر کے ساتھ حزقیاہ بادشاہ کے پاس یروشلیم کو بھیجا" (۱۸: ۱۷)۔ اب آثارِ قدیمہ سے یہ معلوم ہوگیا ہے کہ ترتان اور رب سارس اور رب شاقی اسم معرفہ نہیں ہیں بلکہ اراکینِ سلطنتِ اسور کے فوجی عہدے تھے۔ چنانچہ "ترتان" فی الحقیقت فیلڈ مارشل یعنی سپہ سالار کا عُہدہ تھا "رب شاقی" شاہنشاہ کا خاص نمائندہ اور چیف افسر ہوتا تھا (یسعیاہ ۳۶: ۲) "رب سارس" (یرمیاہ ۳۹: ۳) محل کا خواجہ سرا ہُوا کرتا تھا۔

شاہ نبوکدنضر کے کتبوں سے عبرانی کُتبِ مُقدّسہ پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ کتبے نہ صرف ان کتابوں کے بیانات کی تصدیق کرتے ہیں بلکہ ان واقعات کی تاریخ متعین کرنے میں بھی مدد دیتے ہیں۔

(۷)

بابل کی اسیری شاہِ فارس خورس کی فتوحات (۵۳۹ء قبل مسیح) سے ختم ہوگئی۔ اُس زمانہ کی تحریرات نہایت تفصیل کے ساتھ خورس کی فتوحات کا ذکر کرتی ہیں جن سے عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے۔ بابل کی فتح کے بعد عبرانی کُتبِ مُقدّسہ برابر ایرانی بادشاہ کے عہد حکومت کی تاریخ بتلاتی ہیں (حجی ۱: ۱، زکریاہ ۱: ۱، عزرا ۶: ۱۵ وغیرہ)۔ آثارِ قدیمہ کے کتبے ان تاریخوں کی صحت کی شہادت دیتے ہیں۔ نحمیاہ کی کتاب میں نحمیاہ کا بادشاہ ارتخششتا اوّل کے زمانہ میں یروشلیم آنے کا ذکر ہے (۲: ۱) بالائی مصر سے ماہرینِ آثارِ قدیمہ کو ایک ارامی زبان کا پے پائرس جو اس واقعہ کی تصدیق کرتا ہے دستیاب ہُوا ہے۔

آثارِ قدیمہ نے یہ ثابت کردیا ہے کہ بادشاہ بیلشضر جس کا ذکر دانی ایل کی کتاب

میں آیا ہے درحقیقت اور فی الواقعہ ایک بادشاہ تھا (۷:۱ وغیرہ)۔ وہ بادشاہ نبونی دس (Nabonidus) کا بیٹا تھا اور باپ کی غیر حاضری میں ریجنٹ (قائم مقام) کے فرائض ادا کرتا تھا جس کی وجہ سے اُس کو یہ اختیار تھا کہ دانی ایل کو بادشاہی میں تیسرا درجہ عطا کرے۔

آثارِ قدیمہ کے علم سے بعض اُمور میں ہم کو کتابِ مقدس کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ مثلاً نوزی کی الواح سے ظاہر ہے کہ کھیتوں میں بالیں چھوڑ دی جاتی تھیں تاکہ غربا اُن کو چن کر اپنا پیٹ پال سکیں (روت ۲ باب؛ احبار ۱۹:۹؛ استثنا ۲۴:۱۹-۲۴ وغیرہ)۔ عہدِ عتیق کے بعض مقامات میں اسرائیلیوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ کنعانیوں کے "حمانیم" سے پرہیز کریں۔ مفسروں کو اس کے ٹھیک معنی معلوم نہیں تھے چنانچہ بعض کا خیال تھا کہ اس لفظ سے مراد مورت یا بُت ہے۔ بعض اس سے سورج دیوتا کا بُت مراد لیتے تھے۔ لیکن اب پالمیرا میں ایک بخور جلانے کی قربانگاہ ملی ہے جس پر یہ لفظ کندہ ہے۔ اس قسم کی قربان گاہیں ارضِ مقدس کی کھدائی میں بھی دستیاب ہوئی ہیں جس سے ثابت ہوگیا ہے کہ لفظ "حمانیم" سے مراد وہ قربان گاہیں تھیں جن پر کنعانی عبادت کے وقت بخور جلایا کرتے تھے۔

پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) میں اتحادی افواج نے ارضِ مقدس میں ترکوں کے خلاف جنگی مہمیں اور معرکے کیے۔ اس جنگ کی تاریخ ظاہر کرتی ہے کہ عبرانی کتبِ مقدسہ کی کتب تواریخ میں جن قدیم راستوں کا ذکر ہے ان کو اختیار کرنے سے اتحادیوں نے متعدد فتوحات حاصل کیں۔ یہ قدیم راستے

اب غیر معروف تھے جن سے اُن کے دُشمن ناواقف تھے۔ لیکن اتحادیوں نے اِن کُتبِ تواریخ کے راستوں کو اپنا جنگی نقشہ بنا کر کئی بار فتح حاصل کی جس سے اِن کُتب کے بیانات کی صحت ثابت ہے۔

بخوفِ طوالت ہم انہی چند انکشافات پر اکتفا کرتے ہیں۔ ہر محقق پر اب ظاہر ہو گیا ہے کہ آثارِ قدیمہ نے جتنی چیزیں کھود نکالی ہیں، اُن سے عبرانی کُتبِ مُقدسہ کے بیانات کی صحت ثابت ہو گئی ہے تاحال آثارِ قدیمہ کے علم نے ایک بھی ایسی بات دریافت نہیں کی جو اِن عبرانی کُتبِ مُقدسہ کی تکذیب کرے۔ آثارِ قدیمہ کے گواہ اپنی قبروں سے نکل کر ثابت کرتے ہیں کہ جو کتابیں چودھویں صدی قبل مسیح سے ۴۸۵ قبل مسیح تک لکھی گئی ہیں وُہ قطعاً صحیح ہیں۔ چنانچہ پروفیسر البرائٹ کہتا ہے "بمشکل کوئی دن ایسا گذرتا ہے جب علمِ آثارِ قدیمہ کتابِ مُقدس کی کسی نہ کسی آیت پر نئی روشنی نہیں ڈالتا۔ محکمہ آثارِ قدیمہ اُن ممالک میں کُھدائیاں کرتا رہتا ہے جن کا ذکر بائبل میں آیا ہے۔ نئے کتبے دریافت ہوتے رہتے ہیں اور محکمہ کے فضلاء اُس قدیم زمانہ کے لوگوں کے حالات اور قوم یہود کی تاریخ و کُتب پر نئی روشنی ڈالتے رہتے ہیں اور یہ روشنی کتابِ مُقدس کے الفاظ کے مطالب و معانی کو روشن کر دیتی ہے"۔ (۴۳)

آثارِ قدیمہ اور کُتبِ مُقدسہ کا زمانہ تصنیف

آثارِ قدیمہ نہ صرف عبرانی کُتبِ مُقدسہ کے بیانات کی صحت کی تصدیق کرتے ہیں بلکہ یہ بھی ثابت کر دیتے ہیں کہ یہ قدیم کتابیں (جو اب ہمارے ہاتھوں میں موجود ہیں) اُسی زمانہ کی تصنیف ہیں جن میں وہ

لکھی گئی تھیں اور کہ مابعد کے مصنفوں نے ان میں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا۔
ماہرین کو قدیم زمانے کی ہزاروں الواح اور دستاویزات دستیاب ہوئی ہیں بالخصوص ۱۹۲۹ء اور ۱۹۳۳ء کے درمیان یوگرت Ugarit کی قدیم بادشاہی کی وہ الواح ملی ہیں جن کا تعلق دین اور مذہب کے ساتھ ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان الواح کی نظم و نثر اور عبرانی کتب مقدسہ کی نظم و نثر کی ساخت، فصاحت و بلاغت۔ صنائع اور بدائع، طرز بیان اور زبان ایک ہی قسم کی ہیں۔
مثلاً زبور ۹۲: ۹ کی یہ صنعت ملاحظہ ہو۔

"کیونکہ دیکھ تیرے دشمن۔ اے خداوند
دیکھ تیرے دشمن ہلاک ہو جائیں گے۔
سب بدکردار پراگندہ کر دیئے جائیں گے"

یا قضاۃ ۵: ۳۰ کے مصرعوں کی یہ صنعت ملاحظہ ہو:۔

"سیسرا کو رنگا رنگ کپڑوں کی لوٹ
رنگا رنگ کپڑوں کی لوٹ جس پر بیل بوٹے کڑھے ہیں۔
بیل بوٹے کڑھے ہوئے رنگا رنگ کپڑوں کی لوٹ جو اسیروں کی گردنوں پر لدی ہے"

یا مریم کے گیت کے اشعار جو خروج ۱۵ باب میں ہیں۔
یہ صنعت اور دیگر صنعتیں[۱] جو عبرانی کتب مقدسہ کی نظموں میں موجود ہیں

---

[۱] ان صنعتوں کا مفصل ذکر ہم نے اپنی کتاب "قدامت و صحیت اناجیل اربعہ" کی جلد دوم میں کیا ہے۔ (برکت اللہ)

قدیم کنعانی علمِ اَدب میں اکثر پائی جاتی ہیں جن سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ قدیم زمانہ کے شاعر کس قسم کی نظمیں اَور اشعار لکھا کرتے تھے۔ پس آثارِ قدیمہ سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اس قسم اَور طرز کے اشعار جو عبرانی کُتبِ مُقدّسہ میں موجود ہیں مسیح سے تیرہ اَور بارہ صدیاں پہلے کے لکھے ہُوئے ہیں کیونکہ ان صدیوں کے بعد کنعانی علم اَدب کا طرز کُلیتہً بدل گیا تھا اَور ایک نیا دَور شرُوع ہو گیا تھا جس میں دُوسری قسم کی صنعت اَور طرز مقبُول ہو گئی تھی۔ مریم کے گیت (خروج ۱۵ باب) کی قدامت اس امر سے بھی ظاہر ہے کہ اس میں الفاظ "میراث کا پہاڑ" آتے ہیں اَور یہی الفاظ کنعان کے مُشرکانہ اشعار میں پائے جاتے ہیں جو ۱۴۰۰ء قبل مسیح سے بھی پہلے کے ہیں۔

علمِ آثارِ قدیمہ کے ذریعہ اب ہم عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کی زبان کے اُن قدیم عبری الفاظ کو سمجھ سکتے ہیں جو مابعد کے دَوروں میں متروک ہو گئے تھے اَور متروک ہونے کی وجہ سے اُن کا صحیح مفہُوم سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ مثلاً زبُور ۶۸: ۴ میں ایک لفظ ہے جس کا لفظی ترجمہ "صحرا کا سوار" کیا گیا ہے لیکن یُوگرِت کے علمِ اَدب کے قدیم الفاظ کی روشنی میں ہم کو معلُوم ہُوا ہے کہ اِس لفظ کا صحیح ترجمہ "بادلوں پر سوار" ہونا چاہیئے۔ زبُور ۸۹: ۱۹ میں الفاظ "زبردست کو مددگار بنایا ہے" کی بجائے آیت کا ترجمہ یہ ہونا چاہیئے "ایک جوان کو زبردست پر مقرّر کیا ہے اَور قوم پر ایک جوان کو مسلّط کیا ہے"۔ سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ یہاں داؤد بادشاہ کی طرف اشارہ ہے۔ امثال ۲۱: ۹ و ۲۵: ۲۴ میں الفاظ "کشادہ گھر" کی بجائے الفاظ "بھرا گھر" ہونے چاہئیں، کیونکہ یہی عبرانی لفظ قدیم

مصری۔ اسوری اور یوگر تی زبانوں میں ان معنوں میں آیا ہے۔

آثارِ قدیمہ کے علم نے نہ صرف اِن الفاظ پر روشنی ڈالی ہے جس کا مطلب نہ جاننے کی وجہ سے مترجمینِ بائبل نے اُن کا لفظی ترجمہ کر دیا ہے بلکہ اب بعض ایسے الفاظ کی بخوبی توضیح ہو گئی ہے جن کا مطلب تاحال صاف طور پر معلوم نہ تھا مثلاً پیدائش ۱: ۲ میں ہے "خدا کی رُوح پانیوں پر جُنبش کرتی تھی"۔ لیکن اب اقہط کی رزمیہ نظم سے یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ اِس آیہ شریفہ میں وُہ لفظ جس کا ترجمہ جُنبش کرتی تھی" کیا گیا ہے اُن ہی لطیف معنوں میں استعمال ہُوا ہے جن میں استثنا ۳۲: ۱۱ میں "منڈلانا" استعمال ہُوا ہے جہاں لکھا ہے "جیسے عُقاب اپنے بچوں پر منڈلاتا ہے"۔

نتیجہ پس ہم اِس ابتدائی زمانہ کی نسبت اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں، کہ اگرچہ موجودہ عبرانی کُتبِ مُقدسہ حرف بحرف وُہ نہیں ہیں جو الہامی مصنفین نے تحریر کی تھیں کیونکہ کاتبوں کی غلطیوں کا امکان ابتدا ہی سے رہا ہے تاہم اِن میں کوئی ایسا فرق رُونما نہیں ہُوا جس کی وجہ سے کوئی مُحقق یہ کہہ سکے کہ اب وُہ بجنسہٖ وُہی کتابیں نہیں ہیں جو انبیاء نے لکھی تھیں۔ برعکس اس کے ہم بڑے وثوق کے ساتھ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ رُوئے زمین کی تمام قدیم کتابوں میں عبرانی کُتبِ مُقدسہ ہی ایسی کُتب ہیں جو فی الحقیقت صحیح اور تحریف کے بدنما داغ سے پاک ہیں۔

باب پنجم

دَورِ دوم

(از ۴۵۰ء قبل مسیح تا ۷۰ء عیسوی)

اسیری کے خاتمہ سے یروشلیم کی بربادی تک کا زمانہ

فصلِ اوّل

حضرت عزرا اَور فُقہا کا زمانہ

کُتبِ مُقدّسہ کی تاریخ تصنیف | اِس زمانہ میں ذیل کی کُتب مُقدّسہ تحریر کی گئیں :-

تواریخ - عزرا - نحمیاہ - آستر - زبُور - امثال - یُوناہ - واعظ - غزل الغزلات دانی ایل - ملاکی -

حضرت عزرا اَور حلقۂ فُقہا | اِس زمانہ کی ابتدا تب ہُوئی جب بنی اسرائیل

بابل کی اسیری سے رہا ہو کر واپس اپنے ملک میں آئے۔ یہ نظارہ ہم کو نحمیاہ کے آٹھویں باب میں ملتا ہے۔ ہزاروں اشخاص یروشلیم کے جل پھاٹک کے آگے جمع ہوئے۔ اور عزرا فقیہ نے اپنے چوبی منبر سے جماعت کے لوگوں کو عبرانی کتب مقدسہ پڑھ کر سنائیں لیکن زمانۂ اسیری میں وہ اپنی مادری زبان عبرانی بھول گئے تھے اور اب وہ ارامی زبان بولتے تھے۔ لہٰذا لاوی اُن کو "معنی بتلاتے اور اُن پڑھی ہوئی باتوں کی عبارت اُن کو سمجھاتے تھے"۔ (آیت ۸) اس وقت سے عبرانی صرف تعلیم یافتہ اصحاب کی زبان رہ گئی اور عوام الناس ارامی بولنے لگے۔ مذکورہ بالا واقعہ کے چند ہفتوں کے بعد بنی اسرائیل پھر خدا کے سامنے جمع ہوئے اور انہوں نے توبہ کر کے اُس کے حضور عہد کیا کہ وہ اُس کے احکام کے پابند رہیں گے اور "ان ساری باتوں کے سبب ہم ایک سچا عہد کرتے اور لکھتے ہیں، اور ہمارے اُمرا اور ہمارے لاوی اور ہمارے کاہن اس پر مہر کرتے ہیں۔ اور وہ جنہوں نے مہریں ثبت کیں یہ ہیں۔ نحمیاہ۔ ترشاتا۔ صدقیاہ۔ عزریاہ" وغیرہ، چوراسی اشخاص نے اپنی مہریں ثبت کیں۔

(۲)

یہودی روایت کے مطابق یہ چوراسی اشخاص "عبادت خانۂ عظیم[۱]" (جس کا ذکر نحمیاہ ۸ تا ۱۰ باب میں ہے) کے اراکین تھے۔ وہ خدا برگزیدہ اور چیدہ اشخاص تھے جنہوں نے عبرانی کتب مقدسہ کے نسخوں کی صحت کے ساتھ نظر ثانی کر کے نقل کی۔ اس روایت کے مطابق حضرت عزرا اس

---

[۱] The Great Synagogue.

"عبادت خانۂ عظیم" کے صدر تھے، اور مختلف زمانوں میں حضرت دانی ایل، حضرت نبی۔ حضرت زکریاہ۔ حضرت ملاکی۔ حضرت زربابل اور حضرت نحمیاہ وغیرہ اس کے اراکین میں سے تھے۔ چنانچہ مشنہ میں آیا ہے کہ "خدا نے موسیٰ کو کوہِ سینا پر تورات دی اور اس نے وہ تورات یشوع کو اور دیگر بزرگوں کو دی جنہوں نے اُسے انبیاء اللہ کے سپرد کیا اور انبیاء نے اس کو عبادت خانۂ عظیم کی سپردگی میں دیا۔"

مذکورہ بالا یہودی روایات رنگ آمیزی سے خالی نہیں۔ بہرحال کتبِ مقدسہ سے ثابت ہے کہ اس زمانہ میں حضرت عزرا کے گرد فاضل معلموں کا ایک حلقہ جمع ہو گیا تھا (عزرا ۸ باب ۱۶ آیت) اور جس روز سے یروشلیم کے منبرِ جلسہ پر "عزرا فقیہہ" نے لوگوں کو کتبِ مقدسہ سنائیں یہ "فقیہوں کا طائفہ" وجود میں آیا۔ ان فقیہوں کا کام یہ تھا کہ خدا کے کلام کو پڑھ کر سنائیں سمجھیں اور نقل کریں۔ انہی فقیہوں کا ذکر انجیل جلیل میں بھی آتا ہے اور یہی وہ فقیہہ تھے جنہوں نے اپنے مذہب کی غیرت کے مارے ابن اللہ کو صلیب دلوائی تھی۔

اس "عبادت خانۂ عظیم" کی پیدائش کے ساتھ ہی اہلِ یہود میں نبوت بھی ختم ہو گئی اور انبیاء کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

(۳)

اہلِ یہود کی اسیری کے زمانہ میں ان فقیہوں کے گروہ کی انتہائی کوشش یہ رہی کہ وہ اپنے قومی اور ملی ادب یعنی اپنی کتبِ مقدسہ کو محفوظ رکھیں۔ اب

جو اُن کی بادشاہی کا خاتمہ ہو چکا تھا اُن کے پاس یہی کُتب رہ گئی تھیں جو اُن کی ملی روایات، مذہب اور ثقافت کو یک جا قائم اور برقرار رکھ کے اُن کے قومی انتشار کو روک سکتی تھیں۔ پس حضرت حزقی ایل نبی کی زیرِ قیادت کُتبِ مقدسہ کو ترتیب دے کر شائع کیا گیا۔ زمانہ اسیری کے ستر سال کے طویل عرصہ میں اِن فقیہاء نے قدیم عبرانی کُتبِ مقدسہ کو نہایت صحت کے ساتھ نقل کیا۔ اس بات کی اشد ضرورت بھی تھی کیونکہ جیسا ہم کہہ چکے ہیں، اُس زمانہ میں اہلِ یہود کی زبان رفتہ رفتہ عبرانی سے ارامی ہو گئی تھی۔

خود کُتبِ مقدسہ کی اندرونی شہادت ثابت کر دیتی ہے کہ ان کُتبِ سماوی کے الفاظ میں عمداً ردّ و بدل کرنا یا کمی بیشی کا واقع ہونا ایک ناممکن امر تھا۔ (دیکھو استثنا ۴: ۲۔ یرمیاہ ۲۶: ۲ وغیرہ) حق تو یہ ہے کہ اہلِ یہود کی تاریخ میں کبھی کوئی ایسا زمانہ نہیں آیا جب کُتبِ مقدسہ میں کمی یا بیشی کرنے کے ارتکاب کا خیال بھی اُن کے نزدیک پھٹکا ہو۔ اِس کے برعکس جیسا یہودی مورخ یوسیفس لکھتا ہے "ہم نے ہمیشہ اور ہر زمانہ میں اپنی کُتبِ مقدسہ کے احترام کا عملی ثبوت دیا ہے۔ ہزاروں سالوں کی طویل مدت میں کسی شخص نے کبھی یہ جرأت نہیں کی کہ وہ عمداً اِن کُتب کے کسی ایک لفظ یا حرف کو کم و بیش کرنے یا ردّ و بدل کرنے کا خیال تک بھی کرے۔ ہر یہودی کی فطرت میں یہ داخل ہے کہ وہ روزِ پیدائش ہی سے اِن الہٰی کتابوں کو خدا کا کلام سمجھے اور ان کے احکام پر عمل کرنے میں ہی اپنی سعادتِ دارین تصور کرے۔ حتیٰ کہ بوقتِ ضرورت ان کی حفاظت کی خاطر اپنی جانِ عزیز بھی خوشی سے قربان کر دے۔ ہماری گذشتہ تاریخ میں بار بار

یہ دیکھا گیا ہے کہ یہودی قیدی سخت سے سخت عقوبتوں کو کلامِ الٰہی کی خاطر برداشت کرتے رہے لیکن اُن کی زبان سے کبھی کُتبِ مُقدسہ اور شریعت کے آئین کے خلاف ایک حرف بھی نہ نکلا۔[1]

ہر فقیہہ کا یہ فرض تھا کہ وہ "خُداوند کی شریعت کا طالب ہو۔ یعنی اُس کا غور و تدبر کے ساتھ مطالعہ کرے) اور اُس پر عمل کرے اور اسرائیل میں آئین اور احکام کی تعلیم دے"۔ (عزرا ۷: ۱۰)۔ پس فُقہا شریعت کی کتابوں کو ترتیب دے کر اس کو مدوّن کرنے والے تھے۔ سامریوں کی بدعت کو زیرِ نظر رکھ کر اُنہوں نے عبرانی متن کے مستند الفاظ کو قطعی طور پر متعین کر دیا۔ اُنہوں نے دینیات کے احکام و قواعد کو جو تاحال ضبطِ تحریر میں نہیں آئے تھے نہایت استقلال اور محنت سے منتقل کیا۔ تورات مُقدّس کی مستند تفسیر کر کے ذُومعنی باتوں کو واضح کیا۔ (۲۔تواریخ ۱۳: ۲۲) اور مُقدّس کتابوں کے باہمی اختلافات کی تاویل کی۔ دُوسری اصطلاح میں اُنہوں نے "شریعت کے چوگرد باڑ لگا دی"۔

جب اہلِ یہود نے اسیری سے یروشلیم کو واپس لوٹ کر یہ تہیّہ کر لیا کہ وہ خُداوند کی شریعت کے اصُول کو اپنی قومی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی کریں (نحمیاہ ۸ تا ۱۰ باب) تو اِس بات کی ضرورت لاحق ہُوئی کہ کُتبِ مُقدّسہ کا کامل طور پر مُطالعہ کیا جائے تاکہ عوام النّاس اُن کے الفاظ، احکام اور مضامین سے بخوبی آگاہ ہو جائیں۔ فُقہا کے گروہ نے اِس بات کو سرانجام دینے کا ذمہ لے لیا۔ پس یہ فقیہہ خاص طور پر "اہلِ کتاب" تھے جن کا یہ فرض تھا کہ

1. Josephus, Against Apian. I. pp. 179 ff.

کُتبِ مُقدّسہ کو نہایت صحت کے ساتھ نقل کریں۔ اُن کو اہلِ یہود کی قومی، ملّی اور
تمدّنی زندگی کے لئے شمعِ ہدایت بنائیں اور افرادِ قوم میں شرعی فرائض کی تبلیغ کریں۔
کُتبِ مُقدّسہ کی کامل واقفیت اور شریعت کو کما حقہٗ جاننے کی وجہ سے عزرا کو
"ماہر فقیہہ" کہا گیا (۷: ۶) فُقہا نے اپنی زندگی اسی بات کے لئے وقف
کر دی کہ وہ عوام کے سامنے کتابِ مُقدّس کی "تلاوت کریں اُس کے معنی بتلائیں
اور اُن کو عبارت سمجھائیں"۔ (نحمیاہ ۸: ۸) عبرانی متن کے الفاظ کا نہایت
احتیاط اور تدبّر کے ساتھ مُطالعہ کریں۔ پس متن کے الہامی الفاظ کو نقل کرنے
کے لئے اُنہوں نے نہایت باریک اور مُفصّل قواعد و قوانین وضع کئے تاکہ الفاظ
انتہا درجہ کی صحت کے ساتھ نقل کئے جائیں۔ اُنہوں نے الفاظ کی صحت کے
معاملہ میں انتہائی مبالغہ سے کام لیا یہاں تک کہ وہ لفظ پرست ہو گئے۔
(رومیوں ۷: ۶۔ ۲ کرنتھیوں ۳: ۶)۔ لیکن اس لفظ پرستی کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ
کتابِ مُقدّس کا عبرانی متن بصحتِ تمام من و عن محفوظ رہا۔

ہر فقیہہ کے لئے یہ لازم تھا کہ وہ دُوسروں کو تعلیم دے (عزرا ۷: ۱۰) پس
مشہور فقیہوں کے گرد ہر دم شاگردوں کا جمگھٹا لگا رہتا تھا (واعظ ۱۲: ۱۱)
اور یوں صدیوں تک درس و تدریس کا سلسلہ پُشت در پُشت جاری رہا۔ لیکن
شریعت کی تعلیم دینا ان فقیہوں کا ذریعہ معاش نہ تھا بلکہ وہ تجارت وغیرہ
سے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ فُقہا ہمیشہ زبانی تعلیم دیا کرتے تھے جس کو اُن کے
شاگرد از بر حفظ کر لیا کرتے تھے۔ یہ فقیہہ زبانی تعلیم دینے پر اس لئے اصرار
کرتے تھے تاکہ اُن کی انسانی تعلیم میں اور الٰہی شریعت میں (جو کُتبِ مُقدّسہ میں

تھی۔ دائمی تمیز برقرار رہے اور دونوں کے خلط ملط ہونے کا امکان بھی نہ ہے۔ پس ہر شاگرد کے لئے یہ لازم تھا کہ وہ اپنے ربی کی تعلیم کے الفاظ تک نہایت صحت کے ساتھ ہمیشہ زبانی یاد رکھے اور کسی ایسے امر کی تعلیم نہ دے جس کی اس نے اپنے اُستاد سے خود تعلیم نہ پائی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب خداوند یسوع تعلیم دینے لگے تو عوام آپ کی تعلیم سے حیران ہو کر بول اُٹھتے تھے کہ آپ "اُن کے فقیہوں کی طرح نہیں بلکہ صاحبِ اختیار کی طرح تعلیم دیتے تھے" (متی ۲۹:۷ وغیرہ) کیونکہ یہ ربی صرف اُسی شاگرد کو تعریف و تحسین کے قابل سمجھتے تھے جو بابیہ زبانی تفصیلات کو صحت کے ساتھ از بر سنا سکے۔ اُن کا ہر شاگرد گویا ایک زندہ کُتب خانہ یا لائبریری تھا۔ اِس طریقہ کار سے اہلِ یہود میں کتابِ مُقدس کا علم سینہ بسینہ صدیوں تک جاری اور محفوظ رہا۔

(۴)

فقیہہ نہ صرف شریعت کے عالم، ماہر اور فاضل مفسر تھے (عزرا ۶:۷، ۱۱، ۱۲۔ نحمیاہ ۸: ۱، ۴، ۹، ۱۳، ۱۲: ۲۶، ۳۶) بلکہ اہلِ یہود کی اصطلاح میں وہ "اہلِ دانش و فہم" تھے (دانی ایل ۱۱: ۳۳، ۳۵، ۱۲: ۳) جن کا ذکر امثال اور واعظ کی کتاب میں اکثر آتا ہے (امثال ۱۱: ۱۲، ۲: ۶، ۱۰: ۱۲ وغیرہ۔ واعظ ۹: ۱۱ وغیرہ) اِن فقیہوں میں جہاں ایسے لوگ تھے جو قابلِ ملامت تھے (متی ۲۳ باب)، وہاں ایسے بھی تھے جو نہایت روشن ضمیر انسان تھے مثلاً ہِلیل اور شمّی خداوند کے زمانہ سے ذرا پہلے کے تھے۔ گملی ایل مُقدس پولوس کا اُستاد تھا (اعمال ۲۲: ۳) جس نے رسولوں کو ایذا دینے کے خلاف اپنی

آواز بلند کی تھی (۵: ۲۴) جب مکابیوں نے یُونانی تہذیب و تمدن کے خلاف عَلمِ جہاد بلند کیا تو فقیہوں کا گروہ پہلے سے بھی زیادہ زور پکڑ کر با اختیار ہوگیا۔ وُہ پہلے ہی باقاعدہ طور پر انجمنوں میں منظم تھے (۱-تواریخ ۲: ۵۵) اب وُہ صاحبِ اقتدار ہوگئے۔ یروشلیم کی تباہی (سنہ ۷۰ء) کے زمانہ تک یہودیہ کا صُوبہ فقیہوں کا مُحکم گڑھ تھا (متّی ۱۵: ۱، مرقس ۳: ۲۲ وغیرہ) گو وُہ ارضِ مُقدّس میں ہر جگہ سکونت کرتے تھے اور کنعان کے باہر جس مُلک میں بھی یہُودی آباد تھے وہاں فقیہہ پائے جاتے تھے۔ جب ۷۰ء میں یروشلیم تباہ ہوگیا تو ان کا اختیار اور اقتدار بیش از پیش ہوگیا۔ اُنہوں نے نہایت مایوس کن حالات میں یہُودی قوم کی از سرِ نو تنظیم کرنے کا بیڑا اُٹھا لیا۔ ہم آگے چل کر بیان کریں گے کہ اُن کو اِس مقصد کی تکمیل میں کیسی نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ وُہ ہر معنی میں "موسیٰ کی گدی" پر بیٹھے تھے (متّی ۲۳: ۲)۔

جمعِ کُتبِ عہدِ عتیق

فقیہوں کے گروہ کی طفیل اسی زمانہ میں عہدِ عتیق کی تمام مُختلف کُتب یکجا جمع کی گئیں اور اُن کی جمع اور ترتیب وقُوع میں آئی۔ اِس زمانہ کے بعد گو بے شمار کتابیں لکھی گئیں جن کے انبار سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ "کتابیں بنانے کی انتہا نہیں ہے" (واعظ ۱۲: ۱۲) لیکن ان میں سے کسی کتاب کو بھی اِس مجموعہ میں شمولیت کا شرف نصیب نہ ہوا۔

عبرانی کا جدید رسم الخط

اِسی زمانہ میں قدیم عبرانی رسم الخط کی بجائے جدید عبرانی حروف استعمال کئے گئے اور عبرانی

کُتبِ مُقدسہ جدید رسم الخط میں نقل کی گئیں۔ اِس حلقۂ فُقہا نے محنتِ شاقہ کرکے کُتبِ مُقدسہ کے نقل کرنے میں کمال دیانتداری سے کام لیا، اور نہایت صحت کے ساتھ اُنہوں نے نقل کرنے کے اِس کام کو سرانجام دیا۔ گو فقہا کے حلقہ نے اِس کارِ عظیم کو کماحقہٗ سرانجام دیا لیکن اُن کی خود فراموشی کا یہ عالم ہے کہ ہم کو عزرا اور صدوق کے ناموں کے علاوہ (نحمیاہ ۱۳: ۱۳) کسی دوسرے فقیہہ کا نام بھی نہیں ملتا۔

قدیم کُتب خانے

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ تمہارے پاس اِس بات کا ثبوت کیا ہے کہ "عبادت خانۂ عظیم" کے اراکین اور حلقۂ فُقہا نے عبرانی کُتبِ مُقدسہ کو جمع کیا اور نہایت صحت کے ساتھ نقل کیا تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ ۲۔مکابیوں ۲: ۱۳ میں لکھا ہے کہ "یہی باتیں کاغذات اور دفاتر میں تحریر ہیں اور نحمیاہ کی تحریرات اور تفاسیر میں بھی موجود ہیں کہ اُس نے ایک کُتب خانہ قائم کیا جس میں اُس نے نبیوں کی کُتب اور سلاطین کی تواریخ اور داؤد کی کتابوں وغیرہ کو جمع کیا۔" اِس حلقۂ فقہا نے جامع اور ضخیم کُتبِ تواریخ کے خلاصے تالیف کئے (۱۔تواریخ ۲۹: ۲۹۔ ۲۔تواریخ ۹: ۲۹) اِن تمام امور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نحمیاہ اور دیگر فقیہوں نے کُتبِ مُقدسہ کی حفاظت اور نقل کرنے میں بے حد کوشش کی اور نحمیاہ وغیرہ نے ایک کُتب خانہ بھی قائم کیا جس میں کُتبِ مقدسہ کی نقلیں محفوظ تھیں۔

اوّلین ترجمہ سبعینہ یا سیپٹواجنٹ

سکندرِ اعظم کی فتوحات کے وقت

سے ہی اہلِ یہود مصر میں بسنے لگ گئے تھے کیونکہ سکندریہ کا شہر نہ صرف علم و فضل کا مرکز تھا بلکہ مشرق و مغرب کے ممالک کی تجارت کا بھی زبردست مرکز ہو گیا تھا۔

مصر کے علم پرور فرعون ٹولیمی ثانی فلیڈ یلفس

Ptolemy II Philadelphus.

(از ۲۸۵ قبل مسیح تا ۲۴۶ قبل مسیح) کے زمانہ میں اہلِ یہود اس کثرت سے مصر میں رہائش گزیں ہو گئے تھے کہ روایت ہے کہ اس فرعون نے بہتر علماء کو یروشلیم سے بلوایا تاکہ شاہی کتب خانہ کے لئے اہلِ یہود کی عبرانی کتبِ مقدسہ کا ترجمہ یونانی زبان میں کریں۔ فرعون نے علماء کو بلوایا ہو یا نہ بلوایا ہو لیکن یہ تصدیق شدہ امر ہے کہ اس کے دورِ حکومت میں علمائے یہود کی ایک بڑی تعداد سکندریہ میں (جو علم و فضل کا گہوارہ تھا) جمع ہوئی تاکہ عبرانی کتبِ مقدسہ کا یونانی میں ترجمہ کیا جائے۔ ترجمہ کی ضرورت اس واسطے لاحق ہوئی کہ مصر میں یہودی پشتوں سے مصر میں بسنے کی وجہ سے عبرانی زبان سے ناواقف اور ارامی زبان سے ناآشنا ہو چکے تھے اور اب یونانی اُن کی مادری زبان ہو گئی تھی۔

اِن علماء نے دو سو پچاس سال قبل مسیح ترجمہ کا کام شروع کیا اور پہلے پہل تورات شریف کی کتابوں کا یونانی میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ تورات لفظی ترجمہ ہے۔ اس کے بعد مختلف علماء نے کتبِ تواریخ اور صحف انبیائے سلف کے ترجمے مقابلتہً آزاد با محاورہ یونانی زبان میں کئے۔ تمام کتبِ عہدِ عتیق کا ترجمہ ایک صدی قبل مسیح پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ یہ اولین ترجمہ سپٹواجنٹ[1] یا ترجمہ سبعینیہ کہلاتا ہے۔

1. Septuagint.

اہلِ یہودیوں (جو ارضِ مقدس کے باہر بستے تھے) یہ ترجمہ پشتوں تک مستند سمجھا گیا۔ (۱۔ پطرس ۱:۱۔ یعقوب ۱:۱ وغیرہ)۔

یہ ترجمہ ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے اور اس کے ذریعہ ہم وہ عبرانی متن معلوم کر سکتے ہیں جو خداوند مسیح سے صدیوں پیشتر ملکِ یہودیہ میں مروّج تھا۔ جب ہم موجودہ اصل عبرانی متن اور اس قدیم ترین اور اولین یونانی ترجمہ کا مقابلہ کرتے ہیں تو ہم پر موجودہ عبرانی متن کا پایۂ اعتبار واضح ہو جاتا ہے۔

مسیحی کلیسیا اور ترجمہ سبعینیہ

منجیٔ عالمین کی صلیبی موت اور ظفریاب قیامت کے بعد پہلی صدی ہی میں مسیحیت بڑی سرعت کے ساتھ سلطنتِ روم کے مختلف کونوں میں پھیل گئی۔ ہر چہار طرف یونانی زبان بولنے والی کلیسیائیں قائم ہوتی چلی گئیں۔ قدرتاً یہ کلیسیائیں ترجمہ سبعینیہ استعمال کیا کرتی تھیں۔ یہ ترجمہ اس قدر مستند تھا کہ خداوند کے دوازدہ رسول اس کو اپنی تحریروں اور تقریروں میں استعمال کیا کرتے تھے۔ ابتدائی مسیحی صدیوں میں مشرق و مغرب کی کلیسیاؤں کے بانی کلیسیا اس ترجمہ کے الفاظ کو اصل عبرانی الفاظ کی طرح الہامی سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان کی تصنیفات میں اس ترجمہ کے اقتباسات بکثرت پائے جاتے ہیں۔ یہ ترجمہ تقریباً تمام مسیحی اصطلاحات کا ماخذ بھی ہے۔

علاوہ ازیں تبلیغ و اشاعتِ انجیل جلیل میں یہ ترجمہ بڑا کارآمد ثابت ہوا چنانچہ اہلِ یہود کے اعتراضات کا جواب دیتے وقت اور حضرت کلمۃ اللہ کی مسیحائی کے ثبوت میں کلیسیاؤں کے فضلاء اسی ترجمہ کے مقامات و آیات پیش کیا کرتے

تھے۔ مُقدّس جسٹن شہید ہم کو بتلاتا ہے کہ جب اہلِ یہود نے دیکھا کہ یہ ترجمہ مسیحیوں کے ہاتھوں میں بڑا زبردست حربہ ثابت ہو رہا ہے تو اُنہوں نے اس ترجمہ کو استعمال کرنا چھوڑ دیا۔ تب اکوِلا۔ تھیوڈوشن اور سمیکس نے دوسری صدی میں اہلِ یہود کے استعمال کے لئے نئے یونانی ترجمے کر دیئے اور ترجمۂ سبعینیہ کو "مسیحیوں کی بائبل کا نام دے کر اُس کو ترک کر دیا۔ لیکن مسیحی کلیسیا اِس ترجمہ کا برابر استعمال کرتی رہی۔ مشرقی کلیسیا کی نظر میں تو یہ ترجمہ ایسا مستند اور معتبر ہے کہ وُہ ابتدا ہی سے اصل عبرانی کی بجائے یہی ترجمہ تاحال استعمال کرتی چلی آئی ہے اور اِسی ترجمہ کو مستند تسلیم کرتی ہے۔

ترجمۂ سبعینیہ کے ترجمے

مسیحی کلیسیا میں یہ ترجمۂ سبعینیہ ابتدائی صدیوں کے دوران میں ایسا مقبول ہو گیا کہ اس قدر مستند تسلیم کیا گیا کہ اس کا ترجمہ مختلف ممالک کی زبانوں میں ہو گیا۔ چنانچہ ان ابتدائی صدیوں میں اِس کا ترجمہ قدیم لاطینی زبان۔ قبطی (یعنی صعیدی اور بحری) زبانوں میں۔ حبشی زبان۔ آرمنی۔ عربی زبانوں میں اور ملکِ گاتھ اور جارجیا اور سلیوان Slavonic مُلکوں کی زبانوں میں وہاں کی کلیسیاؤں کے لئے کیا گیا۔ یہ تمام ترجمے دُوسری صدی مسیحی سے چھٹی صدی مسیحی تک انجام پا گئے۔

سپٹواجنٹ کے نُسخے

اِس یُونانی ترجمہ سبعینیہ (سپٹواجنٹ) کے نسخہ جات۔ ہمارے پاس بکثرت موجود ہیں جن کے باہمی مقابلہ سے نہ صرف مُترجمین کی اصل یُونانی عبارت کا پتہ چل سکتا ہے بلکہ اُس عبرانی متن کا بھی علم ہو جاتا ہے جو اُن مُترجمین کے سامنے

تھا۔ ان نسخوں کا مفصل ذکر ہم اس رسالہ کے دُوسرے حِصّہ میں کریں گے جس
سے ناظرین پر واضح ہو جائیگا کہ عبرانی کُتبِ مقدّسہ کا موجُودہ متن نہایت مُستند
اور قابلِ اعتبار ہے۔ چُنانچہ بڑے حرُوف کے نسخوں کے علاوہ ہمارے پاس اس
ترجمہ کے وُہ نسخے جو چھوٹے حرُوف میں لکھے ہیں تعداد میں تین سو سے زائد
ہیں۔ ان کا ذکر بھی بعد کے اوراق میں کیا جائے گا۔

سپٹواجنٹ کے بعض قدیم ترین نسخوں کے پارے حال ہی میں دستیاب
ہُوئے ہیں۔ مثلاً اِستثنا کی کتاب کے چند پارے جن کو باعموم رابرٹ پے پائرس"
کے نام سے موسُوم کیا جاتا ہے۔ اِس ترجمہ کے قدیم ترین گواہ ہیں کیونکہ یہ اُس
زمانہ کے لکھے ہُوئے ہیں جب ابھی اکلی زی ایس ٹی کس کی کتاب[*] کا یونانی میں
ترجمہ بھی نہیں ہُوا تھا۔ ان پاروں میں استثنا کے ۲۲ تا ۲۸ باب شامل ہیں
ان کا متن نسخہ سکندریہ کے متن سے ملتا ہے اور نُسخہ ویٹی کن کے متن کی
خصُوصی غلطیوں سے پاک ہے۔ لیکن لُطف یہ ہے کہ جہاں کہیں ان پاروں
کا متن مابعد کے نسخوں سے مُختلف ہے ان مقامات میں وُہ موجُودہ عبرانی
متن کے مُطابق ہے۔ پس یہ قدیم ترین پارے موجُودہ عبرانی متن کی تصدیق
کرتے ہیں۔

جب ہم اِس یُونانی ترجمہ کا جو دو ہزار سال سے زیادہ عرصہ کا ہے،
موجُودہ عبرانی متن سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہم پر یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ باستثنائے
متعدد الفاظ فقرات اور آیات دونوں ایک دُوسرے کے مُطابق ہیں۔ مثال کے
طور پر عہدِ عتیق کی پہلی پانچ کتابوں یعنی توریت کو لے لیں۔ موجُودہ عبرانی توریت

---

[*] Ecclesiasticus

اور یونانی ترجمہ کی تورات کی کتابوں میں صرف چار اختلافات ہیں گو دیگر کتب مثلاً سموئیل اور سلاطین میں اختلافات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان اختلافات کی زیادہ تر وجہ یا تو مترجم کی ناسمجھی ہے یا یہ ہے کہ اس نے اصل عبارت کا آزاد ترجمہ کر دیا ہے۔

پس جس طرح ابتدائی زمانہ میں سامری تورات نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ موجودہ عبرانی کتب بجنسہٖ وہی ہیں جو ان کے مصنفین نے تحریر کی تھیں اسی طرح یونانی ترجمۂ سبعینہ نے ثابت کر دیا ہے کہ موجودہ عبرانی کتبِ عہدِعتیق بجنسہٖ وہی ہیں جو حضرت مسیح سے صدیوں پہلے اہلِ یہود میں مروج تھیں اور جو اختلافات موجود ہیں وہ کتابت اور دیگر وجوہ کے سبب سے ہیں لیکن جہاں تک مطالب اور معانی کا تعلق ہے ان اختلافات کا وجود عدم موجودگی کے برابر ہے۔ پس اگرچہ کوئی محقق یہ نہیں کہہ سکتا کہ موجودہ عبرانی کتبِ مقدسہ حرف بحرف وہی ہیں جو اڑھائی ہزار سال پہلے رائج تھیں کیونکہ بہت سے اختلافات موجود ہیں جو معمولی قسم کے ہیں لیکن ان اختلافات کی بنا پر کوئی محقق یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ ایسے اہم ہیں کہ ان سے کتبِ مقدسہ کے مطالب و معانی میں عظیم فتور واقع ہو گیا ہے اور اب وہ اس لائق نہیں کہ ان پر اعتبار کیا جائے یا اُن کو سند قرار دیا جائے۔

فصلِ دوم

مکابیوں کا زمانہ۔ کنارِ بحرِ مُردار کے طُومار

ہم نے باب دوم کے شروع میں زیرِ عنوان "نسخوں کی تعداد" لکھا تھا کہ اب ہم کو عبرانی کُتبِ مُقدسہ کے "قدیم ترین" نُسخے دستیاب ہو گئے ہیں جن کا مطالعہ یہ ثابت کر دیتا ہے کہ موجودہ عبرانی متن وہی ہے جو زمانہ قدیم سے چلا آتا ہے۔ یہ نُسخے کب۔ کہاں سے اور کیسے دستیاب ہوئے؟ اس سے پہلے کہ ہم ان سوالوں کا جواب دیں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ناظرین کی واقفیت کے لئے اہلِ یہود کی قدیم تاریخ کے چند واقعات کا ذکر کریں کیونکہ صرف اس تاریخ کی روشنی میں ناظرین ان قدیم ترین نسخوں کی اصل حقیقت اور اہمیت سے کماحقہ واقف ہو سکتے ہیں۔

یہودی فرقہ قمران کا تواریخی پسِ منظر

جن اصحاب نے کُتبِ عہدِ عتیق میں کُتبِ تواریخ کا مطالعہ کیا ہے اُن کو یاد ہوگا کہ جب شاہِ فارس خورس Cyrus نے سلطنتِ بابل کا ۵۲۹ سال قبل مسیح خاتمہ کر دیا تو اُس نے یہودی قیدیوں کے ایک گروہ کو اپنے مُلک میں واپس جانے کی اجازت دے دی جہاں سے نبوکدنضر بادشاہ نے ان کو دو پشتیں پہلے خارج از وطن کر دیا تھا۔ خورس

نے اُن کو یہ اجازت بھی دے دی کہ وُہ یروشلیم کی ہیکل کو دوبارہ تعمیر کرلیں۔ چنانچہ چند سالوں کے بعد ہیکل دوبارہ کھڑی ہوگئی اور اس میں قدیم کاہنوں کی اولاد بدستورِ سابق قربانیاں چڑھانے لگی۔ اُن کا سردار کاہن حضرت داؤد کے زمانہ کے کاہن صدوق کے گھرانے کا تھا۔ اُس کے بیٹے اور اُن کی اولاد سن ۹۶۰ سال قبل مسیح سے (جب حضرت سلیمان نے یہی عالیشان ہیکل بنائی) سردار کاہن ہوتے چلے آئے تھے۔ جب اہلِ بابل نے ۵۸۷ قبل مسیح اس ہیکل کو تباہ کر دیا اُس وقت بھی صدوق کے گھرانے کے ایک سردار کاہن تھے۔ لیکن کو شاہِ فارس خورس نے سردار کاہن کے گھرانے کے لوگوں کو یہ اجازت دیدی کہ وُہ اپنے مذہبی فرائض ادا کریں اور اُس نے اُن کو اُن کے سابق عہدہ پر بحال کر دیا لیکن اُس نے داؤد کے شاہی گھرانے والوں کو (جو اپنے وطنِ مالوف کو واپس آئے) شاہی اختیارات عطا نہ کئے۔

اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ یہ نئی یہودی قوم ایک ایسی ریاست ہوگئی جس کا سردار حضرت داؤد کی نسل سے نہ تھا بلکہ سردار کاہن ہی قوم اور ریاست کا سردار ہوگیا۔ وُہ اہلِ یہود کے صرف اندرونی اور داخلی معاملات کا ہی انتظام کرتا تھا لیکن امورِ سلطنت یہودیہ کے سول گورنر کے ہاتھوں میں ہوتے تھے اور وہ اُن امور کو سلطنتِ فارس کی پالیسی اور مصلحت و بہبودی کو پیشِ نظر رکھ کر چلاتا تھا۔ بادشاہ خورس خود ان گورنروں کو مقرر کیا کرتا تھا۔

جب دو سو سال کے بعد ۳۳۲ قبل مسیح میں سکندرِ اعظم نے سلطنتِ فارس کا خاتمہ کر دیا تو اُس نے یروشلیم کی چھوٹی سی ریاست کا انتظام

بحسبِ سابق بحال رکھا۔ اہلِ یہود کے لئے فرق صرف اتنا ہُوا کہ اب فارس کے گورنر کی بجائے مقدونیہ کا گورنر مقرر ہو کر آتا اور یہودی ریاست کے رہنے والے فارس کی سلطنت کو ٹیکس ادا کرنے کی بجائے مقدونیہ کی سلطنت کو ٹیکس ادا کرنے لگے۔ صدوق کے گھرانے کا سردار کاہن اس مختصر یہودی ریاست کا حسبِ سابق سر رہا۔

جب مصر کے فراعنہ نے (جن کے حصے میں سکندر کے ممالک مقبوضہ کا وہ حصہ جو مصر پر مشتمل تھا آیا) غلبہ حاصل کر کے ۳۱۲ قبل مسیح میں کنعان کو اپنے قبضہ میں کر لیا تب بھی یہودی ریاست کے حالات میں کوئی فرق نہ آیا۔ جب مصر کے حریف سلوکیوں نے (جن کے حصہ میں سکندر کے فتح کردہ ایشیائی ممالک آئے تھے) کنعان کو ۱۹۸ قبل مسیح میں فتح کر لیا تب بھی یہودیہ کی مختصر ریاست پر کوئی بڑا اثر نہ پڑا۔ اور سلوکیوں کا یونانی بادشاہ اپنے دارالسلطنت انطاکیہ واقع شام سے اُن پر سلطنت کرنے لگا۔ لیکن فاتحین کی یونانی تہذیب جو دو صد سال سے یہود کو متاثر کر رہی تھی اب مفتوحین کو اپنے رنگ میں رنگنے لگی۔ لیکن یہ ایک اندرونی معاملہ تھا۔ ریاست کے لوگوں کو "غیر اقوام" کی حکومت سے کوئی شکایت نہ تھی کیونکہ سردار کاہن اور عوام یہود کو بحسبِ سابق اپنے مذہبی فرائض، رسوم اور دستورات وغیرہ کو ادا کرنے کی پوری آزادی حاصل تھی۔

سلوکیہ خاندان کے فرمانرواؤں کے عہد میں اہلِ یہود پر یونانی زبان، یونانی علمِ ادب، یونانی طریقِ زندگی، یونانی معاشرت اور یونانیت نے زبردست

پیمانہ پر اثر کیا۔ یہودی عوام تک اِس قدر متاثر ہوگئے کہ دیندار یہود کو یہ خدشہ پیدا ہوگیا کہ مبادا یُونانیت، یہودیت کو جذب کرے اور اُن کی یہودی شریعت خصوصی رسُوم و روایات مٹ جائیں پس اُنہوں نے عزم بالجزم کر لیا کہ ہرچہ بادا باد وُہ اپنے آباؤ واجداد کی روایات، طریقِ معاشرت اور خُدا کی شریعت کو بُت پرستی اور یُونانیت کے زہریلے اثر سے بچا کر رہیں گے۔ اس قسم کے خیالات کے یہود کا نام "حسدیم" یعنی "پاکباز لوگ" پڑ گیا۔ اس گروہ میں وُہ لوگ شامل تھے جن کو دانی ایل کی کتاب میں "مسکلین" یعنی "دانا" یا "اُستاد" کا نام دیا گیا ہے۔ کیونکہ وُہ سچی اور راست دانش یعنی یہودی شریعت و رواج کی تلاش میں تھے اور لوگوں کو اُس کی تعلیم دیتے تھے۔

جب اینٹی اوکس چہارم Antiochus IV جو اپی فینیز Epiphanes کے نام سے موسُوم ہے۔ ۱۷۵ قبل مسیح تختِ سلطنت پر بیٹھا تو عنانِ حکومت کو ہاتھ میں لیتے ہی اُس نے یہودی سردار کاہنوں کے سلسلہ کہانت میں دخل اندازی شروع کر دی اور ۱۷۱ قبل مسیح ہی اُس نے صدوق کی نسل کے سردار کاہن کو برطرف کر دیا اور اپنے ایک پروردہ شخص مینی لاس Menelaus کو سردار کاہن بنا دیا۔ تقرری سے پہلے بادشاہ نے اُس سے وعدہ لے لیا کہ وُہ ہر ممکن کوشش کر کے اہلِ یہود کو یُونانیت کے رنگ میں رنگ دے گا۔ ۱۶۷ قبل مسیح میں بادشاہ نے یہودی طریقِ زندگی پر حملے شروع کر دیئے تھے اور ۱۶۷ ق م میں اُس نے

خصوصی یہودی رسوم مثلاً ختنہ ۔ سبت کا ماننا وغیرہ ممنوع قرار دیدیا اور حکم صادر کیا کہ یہودی کتبِ مقدسہ کو تباہ و برباد کر دیا جائے ۔ جس شخص کے گھر سے کتبِ مقدسہ کا کوئی نسخہ برآمد ہوتا اُس کو جان سے مار دیا جاتا ۔ اُس نے حکم دیا کہ تمام یہودیہ کے باشندے خدائے واحد کی بجائے بتوں کی پرستش کریں اور شرعی رسوم کی بجائے یونانی بت پرستوں کی رسوم اختیار کریں ! اسی سال کے آخر میں اُس کے حکم سے یروشلیم کی ہیکل دیوی دیوتاؤں کے بتوں کی پرستش کے لئے مخصوص کر دی گئی ۔ جو یہود اُس کے احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے اُن پر سخت ترین مظالم ڈھائے گئے ۔ اُس نے یروشلیم کو جلا دیا ۔ ہزارہا مرد و زن کو بیدریغ تہ تیغ کر دیا ۔ جوان عورتوں اور بچوں کو غلام بنا کر فروخت کر دیا ۔ یہود کو احکامِ سبت کو توڑنے اور حرام اشیا کو کھانے پر مجبور کیا اور حکم دیا کہ یہودی شریعت پر عمل کرنے والا قتل کر دیا جائے ۔ یہودیہ کے ہر قصبہ میں بتوں کے آگے قربانیاں چڑھائی گئیں ۔ ہیکل کی قربانگاہ پر خنزیر ذبح کئے گئے اور قدس الاقداس میں دیوی دیوتاؤں کے بت نصب کئے گئے ۔ اسی واقعہ کا ذکر دانی ایل کی کتاب (۹ : ۲۷ و ۱۱ : ۳۱) میں کیا گیا ہے جہاں اِن دیوی دیوتاؤں کے بتوں کو اُجاڑنے والی مکروہات کہا گیا ہے ۔ دانی ایل کے یہ الفاظ یہودی تاریخ میں اس قدر معنی خیز ہو گئے کہ مسیح عالمین کی صلیبی موت کے دس سال بعد جب رومی قیصر کالی گیولا Caligula نے ۴۰ء میں حکم صادر کیا کہ یروشلیم کی ہیکل میں اُس کا اپنا بت نصب کر کے اُس کی پرستش کی جائے تو انجیل نویس مقدس مرقس اُس کے حکم کی

جانب دانی ایل کے مذکورہ بالا الفاظ میں اشارہ کرتا ہے کہ "جب تم اُس اُجاڑنے والی مکروہ چیز کو اُس جگہ کھڑی دیکھو جہاں اُس کا کھڑا ہونا روا نہیں (پڑھنے والا سمجھ لے) ......الخ" (۱۴:۱۳)[1]

اَینٹی اَوکس کے احکام نے اہلِ یہود کے جذبات کو بے حد مشتعل کر دیا۔ معدودے چند یُونانیت کے شیدائیوں کے سوا تمام کی تمام قوم ایک تن ہو کر سربکف ہو گئی اَور سب نے مرنے مارنے پر تیار ہو کر تہیّہ کر لیا کہ وُہ بزورِ شمشیر اِس بُت پرست ظالم بادشاہ کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ اُن کا لیڈر متتھیاس کاہن تھا جو کہنے کو تو بُوڑھا تھا لیکن جوانوں سے زیادہ جواں ہمّت اَور دلیر تھا۔ اہلِ یہود نے اُس کی اَور اُس کے بیٹے یہوداَہ مکابی اَور دیگر چار بیٹوں کی زیرِ قیادت اپنے آپ کو منظّم کر لیا۔ یہود کا فرقہ "حسدیم" بھی مکابیوں کے ساتھ مل گیا۔ سب یہود باغی ہو گئے اَور شاہی افواج سے خُونیں جنگ کر کے فتحیاب ہوتے چلے گئے تو تین سالوں کی سخت اَور متواتر جنگوں میں شکست پر شکست کھانے کے بعد بادشاہ اَینٹی اَوکس کو ہوش آئی اَور اُس نے اُن پابندیوں کو منسُوخ کر دیا جو یہُودی مذہب اَور شریعت پر لگائی گئی تھیں۔ گذشتہ تین سال میں یروشلیم کی ہیکل میں بُتوں کی پرستش ہوتی رہی تھی۔ اِس مُدّت کے بعد جب مکابیوں کی فتح نصیب ہُوئی تو یہوداہ مکابی اپنے ساتھیوں سمیت ہیکل میں داخل ہُوا۔ اُس نے ہیکل کو پاک کیا اَور از سرِ نَو وُہ خُدائے واحد کی عبادت کے لئے مخصُوص کر دی گئی۔

مکابیوں کے زمانہ میں کُتبِ مُقدّسہ کی حفاظت

جب شمعُون مکابی کی زیر

---

[1] ہم نے اس واقعہ کا مفصل ذکر اپنی کتاب "قدامت و اصلیت اناجیلِ اربعہ" جلد اوّل کے حصّہ دوم کے باب سوم کی فصلِ چہارم میں کیا ہے۔ (برکت اللہ)

سرکردگی اہلِ یہود نے خود مختاری حاصل کرلی تو یہودی کتبِ مقدسہ کی حفاظت اُن کا مقصدِ زندگی ہوگیا۔ اینٹی اوکس کے احکام نے تورات اور صحائفِ انبیاءؑ کی قدرو منزلت کو اُن کی نظروں میں دو بالا کردیا۔ ان تین سالوں میں بادشاہ کی فرمانی کی وجہ سے اُنہوں نے نہایت تندہی اور کوشش سے اپنی کتبِ مقدسہ کی حفاظت کی۔ مکابیوں کی دوسری کتاب کے ۲: ۱۴ سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح حضرت عزرا اور نحمیاہ نے کتبِ مقدسہ کی حفاظت کے لئے ایک کتب خانہ قائم کیا تھا اسی طرح یہوداہ مکابی اور اُس کے جانشینوں نے کتبِ مقدسہ کو جمع کرکے محفوظ رکھا۔ یہ محبِ وطن اور قوم و مذہب کے عاشق اپنی قوم کے مذہبی پیشوا بھی تھے لہٰذا وہ اپنے عہد میں اپنی مذہبی کتب کی حفاظت کرنا اپنا فرضِ اوّلین سمجھتے تھے۔

یہودی فرقہ قمران کا آغاز

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ بادشاہ اینٹی اوکس نے مجبور ہوکر تین سال کی متواتر شکستوں کے بعد اہلِ یہود کو مذہبی آزادی دیدی۔ لیکن اب یہود کی متواتر فتوحات نے اُن کے حوصلے بلند کردیئے تھے اور یہوداہ نے ان مراعات کو ٹھکرا دیا اور جنگِ آزادی جاری رکھی۔ یونانی افواج نے فتح حاصل کرنے کے لئے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے لیکن ناکام رہے۔ ایک سبت کے روز اُنہوں نے یہودی لشکر پر دھاوا بول دیا۔ لیکن سبت کے احکام کی تعمیل میں یہود نے ہتھیاروں کو ہاتھ تک نہ لگایا، اور ہزاروں کشتوں کے پشتے لگ گئے (دانی ایل ۱۱: ۳۲-۳۳) ان خونریز جنگوں کا تفصیلی بیان مکابیوں کی پہلی کتاب میں پایا جاتا ہے۔ اِدھر یہود خود مختاری حاصل کرنے پر ڈٹے ہوئے تھے اُدھر اینٹی اوکس کی سلطنت میں خود ارکانِ سلطنت نے بدنظمی

پھیلا رکھی تھی۔ ان اندرونی حالات نے یہود کی مساعدت کی اور بالآخر ۱۴۲ قبل مسیح مُلک یہودیہ سلُوکیوں کی حکومت کے ہاتھوں سے نکل گیا اور شمعون مکابی (جس کے چاروں بھائی جنگ میں کام آئے تھے) یہودیہ کے مُلک کی خود مختار بادشاہی کا سر ہو گیا۔

شمعون مکابی نے مُلکی قیادت پر ہی اکتفا نہ کی۔ چونکہ وہ حشمونی کاہنوں کے خاندان سے تھا اُس نے اس بات کو غنیمت جان کر سردار کاہن کا عہدہ بھی غصب کر لیا حالانکہ وہ صدوق کے گھرانے سے نہ تھا۔ یُوں اُس نے مُلکی قیادت اور مذہبی سیادت کے دونوں عہدوں کو سنبھال لیا۔ لیکن کٹّر یہود کو یہ حرکت پسند نہ آئی۔ فرقۂ حسدیم کے پابندِ شریعت یہود اِس قدم کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ شمعون اور اُس کے بیٹے یُوحنّا ہرکینس Hyrcanus کے دورانِ حکومت میں (از ۱۴۲ تا ۱۰۴ قبل مسیح) یہ آگ اندر ہی اندر سُلگتی رہی۔ بالآخر جب سکندر جینیس Jannaeus ۱۰۳ قبل مسیح تخت نشین ہُوا تو یہ پھوڑا پھُوٹ نکلا۔ حسدیم کی ایک بڑی جماعت نے الگ ہو کر "فریسیوں" کی جماعت بنالی۔ ایک دُوسرے گروہ نے "راستی کے اُستاد" کی زیرِ قیادت اپنی الگ تنظیم کر لی۔ یہ گروہ اپنے قائد کو ہادیٔ صادق مانتا تھا اور اُس کے اشاروں پر بلا چُون وچرا چلتا تھا۔ یہ ہادی اپنی جماعت کو تورات اور انبیائے سلف کے مقامات کی "صحیح" اور "راست" تفسیر و تاویل کرکے اُن کو کُتبِ مُقدّسہ پر سختی سے عمل کرنے کی تائید کرتا تھا جس کی وجہ سے گروہ کے امام کا نام "راستی کا اُستاد" پڑ گیا۔ اُس نے یسعیاہ نبی کے صحیفہ کی ۴۰: ۲ کی بنا پر اپنی جماعت کو حکم دیا کہ

"بیابان میں خداوند کی راہ درست کرو۔ صحرا میں ہمارے خدا کے لئے شاہراہ ہموار کرو۔" پس تمام جماعت کے کُل افراد نے یہودیہ کے بیابان کی راہ لی اور اُنہوں نے قمران کو اپنا صدر مقام بنالیا۔ وُہ اِس بیابان میں خیموں میں رہنے لگ گئے جس طرح اُن کے آباؤ اجداد حضرت مُوسیٰ کے زمانہ میں خیموں میں رہتے تھے۔ اُنہوں نے از سرِ نو یہ عہد کرلیا کہ وُہ خدا کی شریعت کے ہر قانون کے پابند ہوں گے تاکہ دُنیا میں ایک نیا دَور شروع ہو جائے جو راستی و صداقت اور راستبازی کا دَور ہو۔ اِس جماعت کے افراد اپنے آپ کو "خُدا تعالیٰ کے مُقدّس لوگ" "عہد کے پاک لوگ" "نُور کے فرزند" "راست یا صادق انسان" "خُدا کی برگزیدہ جماعت" "اسرائیل اور ہارُون کی "جماعت حقہ" "تقدّس کے رضاکار" وغیرہ کہتے تھے۔ اُن کے ہادیٔ صادق کی تاویل شرع نہایت کڑی تھی جو فریسیوں کے "بزرگوں کی روایات" سے بھی زیادہ سخت تھی۔

یہودی فرقۂ قمران کی تاریخ

مکابیوں یعنی حشمونیوں کا خاندان ۱۴۲ قبل مسیح سے ۶۳ قبل مسیح تک برسرِ اقتدار رہا۔ یہ بادشاہ دُنیاوی سلطان اور مذہبی سردار کاہن تھے۔ لیکن کٹر یہود اور قمران کے یہود اِس بات کو تسلیم نہیں کر سکتے تھے (اور نہ کرتے تھے) کہ یہ خُدا کی مرضی ہے کہ صدوق کی نسل کے علاوہ کسی دُوسرے کاہن کی اولاد سردار کاہن ہو علاوہ ازیں وُہ کہتے تھے کہ سردار کاہن کے لئے لازم ہے کہ وُہ پاک اور بے عیب ہو لیکن ان سردار کاہنوں کے ہاتھ جنگوں سے (جو مذہبی تھے) اور خلقِ خدا کے خُون سے رنگے تھے۔ بالخصوص جب سکندر جینیئس سردار کاہن کے فرائض ادا کرنے لگا تو ان کٹر پابند شریعت یہود کا خُون اُبل پڑا۔ کیونکہ اُس کے ہاتھ نہ صرف بے شمار

جنگوں کے خون سے رنگے تھے بلکہ وہ ایک لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ پس ازروئے شریعت وہ صحیح النسب بھی نہ تھا۔ اس موقعہ پر ہر طرف سے اُس پر آوازے کسے گئے۔ جینیئس صبر و برداشت کا نام بھی نہ جانتا تھا۔ اُس نے اپنی کرایہ کی فوج کو اشارہ کیا جس نے اُس کے ہزاروں ہم قوموں کا قتلِ عام کر دیا۔ چونکہ یہودی فریسیوں کا اس تحریک میں ہاتھ تھا اس کا غضب ان پر نازل ہوا۔ اُس نے اپنے دشمنوں کو گرفتار کر کے اپنے محل کے سامنے صلیب پر کھینچ دیا جو یہودی شریعت کی سزا نہ تھی بلکہ "غیر اقوام" کی سزا تھی۔ مصلوب پیاس، بھوک اور شدتِ درد کے عذاب سے چیختے تھے اور وہ اپنی عورتوں کے ساتھ عیش کرتا یہ تماشا دیکھتا تھا۔ اُس کے حکم سے مصلوب قیدیوں کے بیوی بچے مقتل میں لائے گئے اور مرنے والوں کی آنکھوں کے سامنے نہایت بے رحمی سے قتل کئے گئے۔ ایسی بات پہلے اسرائیل میں نہ کی گئی تھی اور نہ سُنی گئی تھی۔ قمران کی کُتب میں اس سردار کاہن کو "بدکار اور شریر کاہن" کا نام دیا گیا ہے۔

حشمونی خاندان ۱۴۲ ق م سے ۶۳ ق م تک برسرِ اقتدار رہا۔ بالآخر ۶۳ ق م میں رومی سلطنت کی افواج نے یہودی لشکر کو شکستِ فاش دے کر ارضِ مُقدس پر قبضہ کر لیا۔ رومی حکومت نے دریائے فرات کے مغرب کے تمام مفتوحہ مُلکوں کے علاقہ کی از سرِ نو تنظیم کر دی۔

رومی فاتحین نے بیس سال تک حشمونی سردار کاہن کو یہودی علاقہ کے اندرونی معاملات کا انتظام کرنے دیا لیکن ۴۰ قبل مسیح میں اُنہوں نے مغربی ایشیا کے سیاسی حالات کو مدِنظر رکھ کر ہیرودیس کو اہلِ یہود کا بادشاہ بنا دیا جس نے

۳۰ ق-م سے ۴ ق-م تک ارضِ مُقدّس پر حکومت کی اَور سلطنتِ رُوم کے مفاد کو ہمیشہ مدِّ نظر رکھا۔ اس کے بعد اُس کا بیٹا ارخلاؤس تخت نشین ہُوا لیکن ۶ء عیسوی میں قیصرِ رُوم نے اس کو برطرف کر دیا۔ اُس کے بعد ساٹھ سال تک قیاصرۂ رُوم کے مقرر کردہ گورنر ارضِ مُقدّس کے حاکم رہے۔ گو ان ساٹھ سالوں میں صرف تین سال تک (از ۴۱ء تا ۴۴ء) ہیرودیس کا پوتا اگرپا اوّل نے یہودیہ پر بطور بادشاہ حکومت بھی کی۔

ہیرودیس بادشاہ اپنی حکومت کی ابتدا ہی سے اہلِ یہود کے سردار کاہن مقرر کرتا رہا اَور اُس کے جانشینوں نے بھی یہی پالیسی اختیار کی۔ اس کے بعد رُومی گورنر سردار کاہنوں کو مقرر کرنے لگے جو اُن کے اشاروں پر چلتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ سردار کاہنوں کا اقتدار کم ہوتا چلا گیا اَور وُہ بس سنہدرین (جو قوم یہود کی صدر عدالت تھی) کی کُرسیِ صدارت کی ہی زینت بن کر رہ گئے۔

رُومی گورنر بالعموم نااہل ہوتے تھے اَور اس پر طرّہ یہ کہ وُہ محکُوموں کے مذہب رسُوم اور دستُورات سے قطعی ناواقف ہوتے تھے۔ پس مُلک میں بدانتظامی کے ساتھ ساتھ بدامنی کا دَور دَورہ ہو گیا۔ اُدھر یہودی قوم پرستوں میں اَور بالخصوص وادیٔ قمران کے یہودیوں میں روز بروز بےچینی پھیلتی چلی گئی کیونکہ وُہ کسی غیر قوم کے ماتحت رہنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ ان کا مُدعا یہ تھا کہ مُوسوی شریعت اور انبیائے سلف کے احکامات کے مُطابق اُن پر حکومت ہو اور قوانینِ مُلک وُہ ہوں جو کتاب اللہ کے مُطابق ہوں۔ اِن حالات کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اہلِ یہود نے ۶۶ء میں بغاوت کر دی۔ لیکن رُومی افواج نے اُن کی سرکوبی کر کے ۷۰ء میں

یروشلیم کی ہیکل کو تباہ کر دیا اور شہر کو ویرانہ بنا دیا۔ ہیکل کی تباہی کی وجہ سے یہودی شریعت اور قربانیاں چڑھاوے وغیرہ سب ختم ہو گئے اور سردار کاہن کا عہدہ بھی ختم ہو گیا۔ یہودیہ کا ملک رومی فوج اور فوجی حکام کے ماتحت کر دیا گیا لیکن یروشلیم کی بربادی سے قوم پرست اور شریعت کے شیدائی یہود کے ارمان نہ مٹ سکتے تھے اور نہ مٹے۔ اُنہوں نے ۱۳۲ء میں دوسری دفعہ رومی قیصر ہیڈریَن

Hadrian. کے عہدِ حکومت میں بغاوت کر دی۔ اِس بغاوت کا سرغنہ شمعُون نام ایک یہودی تھا جس نے "شاہزادۂ اسرائیل" کے خطاب سے اپنے نام کے سکّے مسکوک کرائے۔ اِن سکوں پر "اسرائیل کی رہائی کا پہلا سال" "اسرائیل کی آزادی کا دوسرا سال" کندہ تھا۔ شمعُون "شاہزادۂ اسرائیل" نے صرف دنیاوی سرداری پر اکتفا نہ کی کیونکہ عوام میں یہ خیال پھیل گیا تھا کہ وُہ مسیحِ موعود ہے جس کو خدا نے قومِ اسرائیل کو بت پرست قیاصرۂ روم کے پنجۂ استبداد سے چھڑانے کے لئے بھیجا ہے۔ یہ خیال عوام کے علاوہ ربّی عقیبہ جیسی معتدر ہستی کا بھی تھا جو ایک زبردست اور جیّد عالم تھا۔ اُس نے یہ فتویٰ صادر کیا کہ یہ شمعُون وہی "ستارہ" ہے جس کی بلعام نے صدیوں پیشتر بایں الفاظ پیشین گوئی کی تھی کہ یعقُوب میں سے ایک ستارہ نکلے گا اور اسرائیل میں سے ایک عصا اُٹھے گا۔ وُہ موآب کی نواحی کو مار کر صاف کر دے گا اور سب ہنگامہ کرنے والوں کو ہلاک کر ڈالے گا۔ اُس کے دشمن اُس کے قبضہ میں ہوں گے" (گنتی ۲۴: ۱۷-۱۹)۔ اِس منذرِ خدہ پیشین گوئی کی وجہ سے شمعُون کا نام اِبنِ کوکب (ارامی = "بار کوکب") یعنی ستارہ کا بیٹا پڑ گیا۔ لیکن بعض یہودی (بالخصوص یہودی مسیحی) شمعُون کو مسیحِ موعود تسلیم

نہیں کرتے تھے۔ اُنھوں نے اُس کو "ابنِ کوکب" کی بجائے "ابنِ کاذب" (دراصل "بار کاذب") کا نام دیدیا۔ لیکن تین سال کی متواتر اَور خُون ریز جنگوں کے بعد ۱۳۵ء میں یہ بغاوت بھی ختم ہوگئی۔ رُومی افواج نے یہُودی قوم پرستوں اَور بالخصوص شریعت کے پابندوں کو چُن چُن کر قتل کر دیا۔ اُنھوں نے یروشلیم شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ایسا کہ اس کی کسی عمارت کے پتھر پہ پتھر باقی نہ رہا۔ رُومیوں نے دوبارہ شہر یروشلیم کو اِس طور پر تعمیر کر دیا کہ اُس میں اَور دیگر بُت پرست شہروں میں تمیز اُڑ گئی۔ اُنھوں نے یہُودی شہر یروشلیم کا نام و نشان بھی باقی نہ رہنے دیا، اَور ارضِ مقدس کی تاریخ میں ایک نیا باب کُھل گیا۔

اِس بغاوت میں قمران کے یہُود پیش پیش تھے۔ جب یہُود کو شکستِ فاش ملی تو وُہ یہُودیہ کے بیابان میں بحرِ مُردار کے کنارے کے غاروں میں جو اُن کی رہائش گاہیں تھیں واپس چلے گئے۔ لیکن رُومی افواج نے اُن کا وہاں بھی جا پیچھا کیا۔ پس اُنھوں نے اپنی جان سے عزیز مُقدس کتابوں کے طُوماروں کو بڑے بڑے مرتبانوں میں حفاظت کے ساتھ بند کر دیا، اَور غاروں میں چھپا کر بھاگ گئے۔

یہ ہے پس منظر اُن طُوماروں کا جو کُتبِ عہدِ عتیق کے قدیم ترین نسخے ہیں۔ اِن طُوماروں کا مطالعہ ثابت کر دیتا ہے کہ عبرانی کُتبِ مقدسہ کا موجودہ متن وہی ہے جو وادیٔ قمران کے نسخوں کا ہے۔

وادیٔ قمران کے یہُود کے اعتقادات

ہم سطورِ بالا میں یہُودِ وادیٔ قمران کے عقائد کا کچھ ذکر کر آئے ہیں جن کی وجہ سے وُہ شریعت کے اِس قدر پابند تھے اَور کُتبِ مقدسہ کے اِس

درجہ عاشق تھے کہ اُنھوں نے شہروں کو چھوڑ کر بیابان میں رہائش اختیار کرلی۔ وُہ اپنے آپ کو "حقیقی اسرائیل کی جماعت" تصوّر کرتے تھے جن کا یہ فرض تھا کہ اُس برگشتگی، اِرتداد اَور بے دینی کے زمانہ میں وُہ توراتِ مُوسوی اَور انبیائے سلف کے آئین و قوانین اَور احکام کے پابند رہیں اَور خود خُدا کے عہد کو قائم، برقرار اَور اُستوار رکھ کر الٰہی دَنتِ عدالت سے پہلے تمام قوم کو دینِ حق پر واپس لائیں۔ اِس مقصد کو پُورا کرنے کے لئے وُہ لڑنے مرنے کو تیار رہتے تھے۔ دین اَور دینی کتابوں کے تحفّظ کے لئے اُنھوں نے جہاد کرنے کی خاطر جماعت کی تنظیم کی۔ اُنھوں نے اصُول اَور ضابطے وضع کئے جو اُن کی دو کتابوں "ضابطہ کا دستُور" اَور "صدوقی دستاویز" میں محفُوظ ہیں اَور فی الواقع ہمارے سامنے میز پر پڑی ہیں[1]۔ مؤخّر الذکر کتاب قاہرہ سے ۱۸۹۶ء میں دستیاب ہُوئی تھی جب کوئی شخص اِس جماعت کا نام بھی نہیں جانتا تھا جس کی وجہ سے کسی کو اس کتاب کا سر پتہ بھی نہیں چلتا تھا۔ اوّل الذکر کتاب وادیٔ قمران کے غاروں سے ۱۹۴۷ء میں دستیاب ہُوئی جن کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔

اِس جماعت کا یہ عقیدہ تھا کہ دُنیا کا آخری زمانہ تب آئے گا جب عہدِ عتیق کی کُتبِ مُقدّسہ کی تین پیشین گوئیاں پُوری ہوں گی۔ اوّل۔ استثناء ۱۸: ۱۵ کے مطابق نبیٔ موعود کی آمد ہوگی۔ دوم۔ مسیحِ موعود آئے گا جو ابنِ داؤد ہوگا، اَور سوم۔ ہارون کے گھرانے سے ایک زبردست کاہن برپا ہوگا جو دُنیا کے نئے دَور میں ریاست کا سر ہوگا۔ داؤد کی نسل سے جو مسیحِ موعود برپا ہوگا وُہ ایک

[1] The manual of Discipline and the Zadokite Document.

زبردست اَور جنگجو شاہزادہ ہوگا جو "تاریکی کے فرزندوں" کو تہ و بالا کر دے گا اَور رُومی سلطنت کے اقتدار کو توڑ کر اُس کو پامال کر دے گا۔ جو "نبیِّ موعُود" برپا ہوگا وُہ قوم کے لوگوں کے پاس خُدا کے احکام بعینہٖ حضرت مُوسیٰ کی طرح پہنچایا کرے گا۔ ہارُونؔ کے گھرانے سے جو کاہن برپا ہوگا وُہ پاکباز پابندِ شریعت اَور عالِمِ شرع ہوگا جو توراتؔ اَور کُتبِ انبیائے سلف کے احکام سے سرِمُو انحراف نہ کرے گا۔

اِس جماعت کا "ہادیِ صادق" اپنے مخصُوص عقائد کے مطابق کُتبِ مقدسہ کی تاویل و تفسیر کرتا تھا۔ اُس کے پیرو اُس کی تفسیر کو الہام کے قریب قریب تصور کرتے تھے۔ وُہ یہ تعلیم دیتا تھا کہ قمرانؔ کا گروہ یسعیاہؔ نبی کے ۲ ۵ باب کے مطابق تمام بنی اسرائیل کے لئے فدیہ ہوگا۔ جب آخری ایّام آئیں گے تب "نُور کے فرزند" "تاریکی کے فرزندوں" سے بزورِ شمشیر جنگ کر کے عدالت کا کام سرانجام دیں گے اَور اسرائیل کے گنہگار مُجرم لیڈر کیفرِ کردار کو پہنچیں گے (یہاں مکّابین اَور مکابیوں کی جانب اشارہ ہے جو کُتبِ مُقدّسہ کو اپنی مطلب برآری کے لئے استعمال کرتے تھے)۔ لیکن بنی اسرائیل کے عوام بچ جائیں گے کیونکہ جماعت قمرانؔ کی جانبازی اَور فداکاری اُن کا فدیہ تصور کی جائے گی۔ خُدا کی یہ برگزیدہ جماعت غیر اقوام کی عدالت کرے گی۔ پس اہلِ قمرانؔ کی تعلیم کے مُطابق اس جماعت نے نہ صرف یسعیاہؔ نبی کی کتاب کے "خادمِ یہواہ" کا پارٹ ادا کرنا تھا تاکہ "بتول کو راستباز بنائے" بلکہ دانی ایل نبی کی رویا کے مطابق اس جماعت نے "آدم زاد" کا بھی پارٹ ادا کرنا تھا جس نے "قدیم الایّام" ہستی سے اختیار حاصل

کر کے تا ابد حکومت اور اقتدار حاصل کرنا تھا (۷: ۱۲ تا ۲۲)۔

اِس فرقہ کا امام " ہادیٔ صادق " جماعت کے خصوصی عقائد کے مطابق کُتبِ مُقدّسہ کی تاویل کرتا تھا۔ وُہ کہتا تھا کہ اِن کُتب میں ہمارے اپنے زمانہ کے واقعات اور ہمارے ہم عصروں کے بارے میں پیشین گوئیاں کی گئی ہیں پس اُن کا ذکر ہماری کُتبِ مُقدّسہ میں صاف طور پر ملتا ہے کیونکہ یہ انبیا صفائی کے ساتھ بتلاتے ہیں کہ خُدا آخری زمانہ میں کیا کرے گا اگرچہ وُہ یہ نہیں بتلاتے کہ یہ آخری زمانہ کب آئے گا۔ ہم ناظرین کی واقفیت کی خاطر مزمُور ۳۷ کی آیات ۲۱ تا ۲۴ اور ۳۲ - ۳۳ کی تفسیریں پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں :-

آیات ۲۱-۲۴ :- آیات ۲۱ و ۲۲ میں مُراد کامل انسانوں کی اس جماعت سے ہے جنہوں نے اپنا تمام مال و زر ایک مُشترکہ فنڈ میں جمع کر دیا ہے اور اپنا مال اپنا نہیں بلکہ کُل جماعت کا سمجھتے ہیں۔ وُہ " اسرائیل کے اُونچے پہاڑ " کے وارث ہوں گے (حزقی ایل ۱۷: ۲۳) جو لعنتی لوگ کاٹ ڈالے جائیں گے وُہ ظالم غیر اقوام ہیں جنہوں نے اسرائیل پر ظلم و ستم روا رکھے ہیں۔ وُہ ہمیشہ کے لئے کاٹ ڈالے جائیں گے۔

آیات ۲۳، ۲۴ :- اُس کاہن کا ذکر ہے جو شریعتِ خُدا کی صحیح تفسیر کرتا ہے اور لوگوں کو خُدا کے احکام کی تعلیم دیتا ہے تاکہ وُہ خُدا کے لئے ایک ایسی جماعت کی عمارت کھڑی کرے جس کی مُحکم بُنیاد سچائی پر قائم ہو۔

آیات ۳۲، ۳۳ :- یہاں اُس " شریر کاہن " (سکندر جینیس) کی پیشین گوئی ہے جو شریعت کی صحیح تعلیم دینے والے (یعنی " ہادیٔ صادق ") کی تاک میں رہتا

ہے اور اس کے خلاف منصوبے باندھتا ہے تاکہ اُس کا نام تمام کر دے اور کتاب اللہ اور خُدا کے عہد کا خاتمہ ہو جائے۔ لیکن گو "شریر کاہن" جماعت کے "ہادی صادق" پر حملہ بھی کر دے تاہم خُدا اُس کو "شریر کاہن" کے ہاتھوں میں نہ چھوڑے گا۔ اُس پر الزام لگایا جائے گا لیکن اُس پر فتویٰ نہ لگے گا جب اُس کو عدالت میں لایا جائے گا تو اُس کو مُجرم نہ ٹھہرایا جائے گا۔

ناظرین نے خود بھانپ لیا ہوگا کہ مذکورہ بالا آیات "ہادی صادق" اور "شریر کاہن" وغیرہ اور اُن کے زمانہ کے واقعات کی پیشین گوئیاں نہیں ہیں لیکن یہ جماعت اِن اور دیگر کُتبِ مُقدسہ کے مقامات کو خواہ مخواہ اُس طرح پیشین گوئیاں قرار دے دیتی تھی جس طرح دورِ حاضرہ کے بعض مسلمان عام کتاب اللہ کے بعض الفاظ و مقامات کو رسُولِ عربی کی بعثت کی پیش خبریاں قرار دیدیتے ہیں۔ ہم نے اس موضوع پر اپنی کتاب "توراتِ مُوسیٰ اور مُحمدِ عربی" کے پہلے حصہ میں مُفصّل بحث کی ہے۔

کنارِ بحرِ مُردار کے طُومار

بحرِ مُردار کو کتابِ مُقدس میں "دریائے شور" (پیدائش ۱۴: ۳) "یردن پار دریائے میدان جانبِ مشرق" (استثنا ۴: ۴۹) اور "مشرقی سمندر" (حزقی ایل ۴۷: ۱۸) کے نام دیئے گئے ہیں۔ یہ سمندر قریباً ۴۸ میل لمبا ہے جس میں چار دریا گرتے ہیں۔ یہودیہ کے کنارے پر اس بحر کا پانی پایاب ہو جاتا ہے اور "بحرِ نمک زار" (صفنیاہ ۲: ۹) میں جا کر جذب ہو جاتا ہے۔ اس کے پانی میں مچھلیاں مر جاتی ہیں۔ خُداوند مسیح کی پیدائش سے پہلے یہ بحر مُلکِ یہودیہ اور اُس کے آس پاس کے ممالکِ موآب اور ادوم کے

درمیان حد بندی کا کام دیتا تھا (۲۔ تواریخ ۲۰ : ۱ تا ۳۰)۔

۱۹۴۷ء کے موسمِ گرما کے اوائل کا ذکر ہے کہ بدوی قبیلۂ تعمیرہ کا ایک لڑکا محمدؔ نام بحرِ مردار کے شمال مغربی ساحل کے نزدیک پہاڑیوں کے تہِ دامن (جہاں قدیم شہر یریحوؔ آباد تھا) اپنی بکریاں چرا رہا تھا۔ اُس کی ایک بکری چرتی چرتی بھٹک گئی۔ محمدؔ ان ڈھلوان پہاڑیوں کی چٹانوں پر اُس کو تلاش کرتا ایک پہاڑی کی کھوہ کے پاس پہنچا جس کا مُنہ گول تھا۔ بدیں خیال کہ شاید بکری اس میں گر گئی ہو اُس نے جُھک کر دیکھا تو اُس کو تاریک غار نظر آیا۔ اُس نے پتھر اُٹھا کر پھینکا تو اُس کو کسی چیز کے ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔ اُس نے سوچا کہ شائد اس میں کوئی جن یا بھوت پریت رہتا ہے وہ ڈر کے مارے وہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ اُٹھا۔ اگلے روز وُہ ایک اَور لڑکے کو اپنے ہمراہ لے کر بدیں خیال واپس وہاں گیا کہ شائد اُس غار میں کوئی خزانہ چھپا ہے۔ جب دونوں غار میں اُترے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں چند بڑے بڑے مرتبان فرش پر رکھے ہیں جن میں سے ایک محمدؔ کے پتھر کی ضرب سے ٹوٹا پڑا ہے۔ یہ مرتبان رال سے سر بمہر نہایت حفاظت اَور احتیاط سے بند کئے ہُوئے تھے۔ ان مرتبانوں میں اُن کو خزانہ کی بجائے چمڑے کے ایک درجن طومار ملے جو کسی غیر مانُوس زبان میں لکھے ہُوئے تھے اَور کپڑے میں لپٹے اَور رال سے سر بمہُر بند کئے ہُوئے تھے۔ اُنھوں نے چند طومار لئے تاکہ اُن کو چوری چھپی فروخت کر کے منافع اُٹھائیں۔

یہ بدوی لڑکا محمدؔ ایک عرب تھا اَور اُس کا تعلق ایک ایسے قبیلہ سے

PHOTOGRAPH OF ANCIENT GREEK MANUSCRIPTS:

(From Westwood's *Palaeographia Sacra Pictoria.*)

1. Scrap of a famous Greek Manuscript of Genesis (Codex Geneseos Cottonianus).
2. Portions of its writing, full size.
3. Facsimile of the Alexandrian Codex in the British Museum.
4. A portion of a Ninth Century Manuscript.
5. Beginning of 29th Psalm on Papyrus in the British Museum.

تھا جس کا پیشہ یہ تھا کہ وُہ بکریوں اَور دیگر ممنُوعہ اشیاء کو یردن پار کنعان میں چوری چھپی لے جا کر فروخت کیا کرتے تھے۔ اُن کو معلُوم تھا کہ حکُومتِ یردن نے سخت حکم دے رکھا ہے کہ جو اشیا غاروں وغیرہ میں ملیں وُہ حکُومت کے حوالے کر دی جائیں۔ پس اُنہوں نے دیگر ممنُوعہ اشیا کو اَور اُن طوماروں کو لے کر بیت اللحم کا رُخ کیا تاکہ وہاں سب ممنُوعات کو فروخت کریں۔ گرفتاری کے ڈر کے مارے وُہ دریائے یردن کے پُل کو چھوڑ دُور جنوب کی جانب چلے گئے تاکہ محصُول کی چوکیوں کے پہرہ دار اُن کو نہ دیکھ پائیں۔ اُنہوں نے نالہ کو پایاب عبُور کیا اَور بحرِ مُردار کی جانب آئے کیونکہ اُس کے مضافات کے تمام خُشک ویرانہ میں صرف ایک ہی پانی کا چشمہ تھا اَور اُن کو اپنے لئے اَور جانوروں کے لئے پانی درکار تھا۔ یہ مقام اُن کے لئے محفوظ بھی تھا کیونکہ ویرانہ میں کوئی شخص آتا جاتا نہ تھا بیت "لحم" پہنچ کر اُنہوں نے پہلے دُوسری ممنُوعہ اشیاء کو فروخت کیا اَور پھر ایک سوداگر کی تلاش کرنے لگے جو اُن طوماروں کو خریدے۔ اتفاق سے یہ سوداگر ملک شام کا رہنے والا مسیحی تھا۔ اُس نے بایں خیال کہ شاید طوماروں کی تحریر قدیم سُریانی زبان ہے ان کو مُقدس مرقس کی خانقاہ میں شامی کلیسیا کے میٹرو پالی ٹن مار اتھاناسیس یشُوع سموئیل کے پاس لے گیا۔ یہ میٹرو پالی ٹن یعقُوبی شامی کلیسیا کا تھا جو یہ دعویٰ کرتی ہے کہ اس کا سلسلہ سیدھا انطاکیہ کے پیٹریارک کے ساتھ ہے جس کی بُنیاد مُقدس پطرس نے ڈالی تھی میٹرو پولی ٹن نے تحریر کو دیکھا تو وُہ قدیم سُریانی نہ تھی بلکہ عبرانی زبان تھی۔ طوماروں کی قدامت دیکھ کر میٹرو پولی ٹن نے

اُن کو خرید لیا۔

اِن طُوماروں کی دستیابی کا زمانہ نہایت پُرآشوب تھا۔ برطانوی گورنمنٹ نے ارضِ مُقدّس کو عربوں اور یہودیوں میں تقسیم کر کے مُلک سے ہاتھ دھو لیے اور اعلان کر دیا کہ ہم ۱۴ مئی کے روز تمام کنعان کو خالی کر دیں گے۔ ارضِ مُقدّس کی سرزمین اُردن حکومت اور اسرائیل حکومت کی باہمی خُونریزیوں اور جنگوں کی وجہ سے لالہ زار ہو گئی۔ تمام مُلک کے طُول و عرض میں اَمن کا دَور اور نظم و نسق کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ دونوں نئے ممالک ایکدوسرے کے خُون کے پیاسے تھے۔ برطانیہ نے ارضِ مُقدّس کا انتظام کسی کے ہاتھ میں نہ چھوڑا تھا۔ یہُود ہر طرف سے سات عرب ممالک سے گھِرے ہُوئے تھے جو اُن کے دشمنِ جان تھے۔ یہ ممالک یہُود کو تباہ کرنے اور کنعان سے نکال کر دم لینے پر تُلے ہُوئے تھے۔ انگریزی فوج کا بریگیڈیر گلب Glubb عرب ممالک کے لشکروں کا کمانڈر تھا۔ اُس نے شہر یروشلیم کے یہُودی حصّہ پر گولہ باری کر دی جس کے نزدیک میٹروپالی ٹن کی خانقاہِ مُقدّس مرقس تھی جس کو عرب اور یہُود افواج کی گولہ باری سے سخت نقصان پہنچا۔ پس بیچارہ میٹروپالی ٹن وہاں سے مجبوراً نِکل گیا اور چندے مُلکِ شام میں رہ کر امریکہ چلا گیا اور اپنے ساتھ وہ طُومار بھی لے گیا۔ وہ ۱۹۴۹ء میں جنوری کے آخر میں امریکہ پہنچ گیا۔ اگر میٹروپالی ٹن اِن طُوماروں کو امریکہ نہ لے جاتا تو یہ طُومار تباہ و برباد ہو جاتے کیونکہ اُن ایّام میں نہ کوئی حکومت تھی اور نہ کہیں قانون کا راج تھا۔

یہ طُومار اُس علاقہ سے دستیاب ہُوئے جہاں پہلی صدی مسیح سے قبل

یہُودِ قمرآن بستے تھے۔ پس اُن طُوماروں کو بعض اوقات "قمران کے طُومار" کہتے ہیں۔ جب میٹروپولی ٹن نے یہ طُومار امریکہ میں فروخت کئے اور مسیحی فضلا نے اُن کا مطالعہ کیا اور اخباروں میں مضامین لکھے تو ادبی اور مذہبی دُنیا میں سکہ مچ گیا کیونکہ طُومار عہدِ عتیق کی کُتبِ مُقدّسہ کے قدیم ترین عبرانی نسخے تھے جو خداوند مسیح سے صدیوں پہلے لکھے گئے تھے۔ جب اخباری دُنیا میں اِن قدیم ترین عبرانی نسخوں کی دھُوم مچی تو حکُومتِ اُردن بھی جاگ اُٹھی اور بدوی عرب بھی اُن کی قدر و قیمت سے واقف ہو گئے۔ قبیلہ کے افراد نے نجی طور پر چوری چھپی قمرآن اور اُس کے مضافات کو کھود ڈالا اور مُختلف متعدد مقامات سے اُنہوں نے اور نُسخے برآمد کر لئے۔ اُنہوں نے متعدد نسخوں کو فروخت کر دیا اور ہر نسخہ اور پارہ کے لئے ایک پونڈ فی مربع سینٹی میٹر[1] کے حساب سے زرِ کثیر حاصل کر لیا۔ حکُومتِ اُردن نے اِن بدوی عربوں اور محکمۂ آثارِ قدیمہ کے ذریعہ فضلا کی مدد کی اور وادی کے دیگر مقامات مثلاً خربتِ قمران[2]۔ مربعات۔ خربتِ مرد وغیرہ سے بھی طُومار حاصل کئے۔ بدویوں نے طمعِ زر کی خاطر بعض طُوماروں کو پارہ پارہ کر دیا اور جو پارے دستیاب ہُوئے تھے اُن کے بھی کاٹ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تاکہ زیادہ رقم وصُول کر سکیں حتیٰ کہ بعض ٹکڑے ناخنوں کے برابر کر دیئے۔

---

[1] ایک انچ = ۲۰۵۴ سینٹی میٹروں کے برابر ہوتا ہے۔ اِس حساب سے ایک سینٹی میٹر = ۳۹۴ .۰ حصّہ ایک انچ کا ہوتا ہے یعنی ایک انچ کا $\frac{1}{2.54}$ حصّہ۔ اب ناظرین اس زرِ کثیر کا خود اندازہ کر سکتے ہیں جو حکُومتِ اُردن اور امریکی فضلا نے اِن طُوماروں پر خرچ کیا۔ (برکت اللہ)

[2] خربت معنی کھنڈرات۔

عُلما نے نہایت دیدہ ریزی سے اِن ٹکڑوں کو جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اُور پاروں کو بہزار دِقّت جوڑ کر یک جا کیا اُور ابھی ہزاروں ٹکڑے باہم گر پیوست کرنے کو پڑے ہیں اُور ہزاروں ایسے ہیں جو چھان بین سے چھان چھان کر یک جا کئے جا رہے ہیں تاکہ بعد میں پیوست کئے جائیں۔ اُنہوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ قمرآن کے فرقۂ یہود نے ایک کُتب خانہ جمع کر رکھا تھا جس میں پانچ سو سے زائد کتابیں مخطوطہ تھیں۔ اِن پانچ سو طُوماروں میں ایک سو طُومار کُتبِ عہدِ عتیق کے نُسخے ہیں۔ ان ایک سو طُوماروں میں کُتبِ عہدِ عتیق کی تمام کی تمام کتابیں (باستثنائے آستر) موجود ہیں اُور بعض کُتب کے ایک سے زائد نُسخے ہیں۔ اِن کُتبِ مُقدّسہ کے علاوہ اِس کُتب خانہ میں ترجمہ سبعینیہ کے نُسخے اُور کُتبِ تراجم" (جن کا ہم آگے چل کر ذکر کریں گے) کے نُسخے بھی ملے ہیں۔ ایک ارامی زبان کا "ترجم" بھی دستیاب ہُوا ہے۔ اِن تمام طُوماروں میں اہم ترین نُسخے وُہ ہیں جو ۱۹۴۷ء میں وادیٔ قمران کے قُرب و جوار کے گیارہ غاروں سے دستیاب ہُوئے ہیں۔ ۱۹۵۸ء میں کتاب استثنا کا ایک نُسخہ ملا جو خُداوند مسیح سے تین صدیاں بیشتر لکھا گیا تھا اُور دو ہزار تین سو سال کا ہے۔ ایک اُور طُومار میں مزامیر ۱۲۱ و ۱۲۲ و ۱۲۵ و ۱۴۰ لکھے ملے۔ ایک نُسخہ میں ایُّوب کی کتاب کا "ترجم" نقل کیا ہُوا ہے۔ قمرآن کے طُوماروں میں بھی بعض ارامی زبان کے نُسخے تھے۔ بعض تفاسیر تھیں اُور متعدد پارے اُور نُسخے ایسے تھے جو دَورِ حاضرہ کے عبرانی نُسخوں سے ایک ہزار سال یا اِس سے بھی زیادہ قدیم زمانہ کے ہیں۔

قمران کے پہلے غار سے سات طومار برآمد ہوئے ہیں جن میں یسعیاہ کی کتاب کے دو نسخے ہیں۔ یہ نسخے نہایت اچھی حالت میں ہیں۔ ایک نسخہ میں یسعیاہ کی کتاب مکمل لکھی ہے اور دوسرے میں اس کا بیشتر حصہ محفوظ ہے۔ علماء ان دونوں نسخوں کے متن کا مروجہ عبرانی متن سے مقابلہ کرکے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ تینوں متن حیران کن طور پر متفق اللفظ ہیں۔ اُن میں اگر کوئی فرق ہے تو قرأت کا ہے کتابت کا نہیں۔ ان دو نسخوں سے ہم کو اُس صحیح تلفظ کا بھی پتہ لگ جاتا ہے جو خداوند مسیح سے صدیوں پیشتر مروج تھا۔ دونوں نسخوں میں سہو کاتب بھی ملتے ہیں۔ مثلاً ایک نسخہ میں الفاظ "خداوند کے پہاڑ" (۲:۳) میں نہیں ہیں (۶:۳) میں لفظ "قدوس" دو بار لکھا ہے۔ ۷:۲ میں الفاظ "اس کے دل" نہیں پائے جاتے۔ لیکن دوسرے طومار میں تو اس قسم کے خفیف سہو بھی نہیں پائے جاتے۔ حتیٰ کہ الفاظ کے ہجا اور حروف کے اعراب تک میں کہیں فرق نہیں ملتا۔

سموئیل کی کتاب کے بھی دو طومار ہیں جن میں سے ایک طومار دوسرے سے زیادہ قدیم نسخہ ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ نسخہ قمران کے اُن تمام نسخوں سے زیادہ قدیم ہے جو اب تک دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ نسخہ خداوند مسیح سے تین صدیاں قبل کا لکھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر فرینک کراس نے ان دونوں طوماروں کا اور مروجہ عبرانی متن کا غائر مطالعہ کیا ہے اور وہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ اُن میں وہی عبرانی متن موجود ہے جو سیپٹواجنٹ کے ترجمہ کے مترجمین کے سامنے تھا اور کہ یہ تینوں متن ایک دوسرے کے موافق ہیں[۵]۔

---

۵ F. M. Cross. The ancient library of Qumran and Modern Biblical studies (London 1958).

پادری سکیہن[1] کتابِ استثنا اور زبُور کے طُوماروں کا مروّجہ عبرانی متن سے مقابلہ کرکے اِس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ان نُسخوں کے مروّجہ عبرانی سے جو اختلافات ہیں وُہ نہایت خفیف ہیں جو زیادہ تر سہوِ کتابت ہیں۔

اِن طُوماروں نے آفتابِ عالم تاب کی طرح کُتبِ عہدِ عتیق کے متن کی صحت کو عالم و عالمیان پر روشن کر دیا ہے۔ اَور یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ ان عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کے الفاظ اَور حروف بعینہٖ اُنہی اعراب کے ساتھ لکھے جاتے رہے ہیں جو مروّجہ عبرانی کُتبِ مقدّسہ کے ہیں۔

وادیٔ قمران میں دس ایسے غار تھے جن میں مندرجہ بالا اَور دیگر خزانے مدفُون تھے۔ کتابوں کا سب سے بڑا ذخیرہ غار نمبر ۴ میں تھا جہاں سے نُسخے ہزارہا پارے اَور ٹکڑے برآمد ہُوئے جو قریباً تین سو تئیس کتابوں کے پارے تھے۔ قمران کے طُوماروں کے مطالعہ نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ سامری نُسخہ (جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں) کا متن پانچویں صدی قبل از مسیح کا ہے۔ یہ وُہ زمانہ ہے جب یہُودیوں اَور سامریوں میں جدائی کی خلیج واقع ہو چکی تھی۔ دُوسری صدی مسیحی کے بعد توراتِ سامری کے متن میں کسی قسم کی تبدیلی کا ہونا غیر ممکن ہو گیا تھا۔

قمران کے کتابِ گنتی کے طُومار کا متن وُہی ہے جو سامری نُسخۂ گنتی کا ہے اَور سپٹواجنٹ کے اُس عبرانی متن کے موافق ہے جو مترجمین کے سامنے تھا۔ دانی ایل کی کتاب کے طُومار کا متن بھی مروّجہ عبرانی متن کے مُطابق ہے۔ اَور جہاں کوئی خفیف اختلافات پائے جاتے ہیں وُہ سپٹواجنٹ اَور تھیوڈوشن

[1] Patrick Skehan.

ترجموں کے عبرانی اصل کے مطابق ہیں۔

وادیٔ مربعات سے بنی تعمیرہ کے بدوؤں نے ۱۹۵۱ء میں ایسے نسخے کھود نکالے جو عبرانی اور یونانی زبانوں میں لکھے تھے محکمہ آثارِ قدیمہ نے ان بدوؤں کی امداد حاصل کر کے چار غار ایسے دریافت کئے جن میں سات آٹھ صدی قبل مسیح کے نسخے مدفون تھے۔ بعض نسخے رومی سلطنت کے زمانہ کے تھے جو دوسری صدی قبل از مسیح کے تھے اور چمڑے پر لکھے تھے۔ اُن میں سے چار طوماروں کے پاروں پر کتابِ پیدائش ایک پارہ پر، کتابِ خروج دو پاروں پر اور کتابِ استثنا ایک پارہ پر لکھی تھیں۔ ان پاروں پر سرسری نظر ڈالنے ہی سے پتہ چل جاتا ہے کہ رومی افواج کے سپاہیوں نے فتح کے بعد ان کتابوں کو پھاڑ ڈالا تھا۔ ان پاروں میں سے ایک پر یسعیاہ نبی کے صحیفہ کی ۱:۴-۱۴ آیات لکھی تھیں۔ ایک پر عبرانی بائبل کے چار مقامات (خروج ۱۳: ۱-۱۰ و ۱۳: ۱۱-۱۶ اور استثنا ۶: ۴-۹ و ۱۱: ۱۳-۲۱) کی آیات کے متن متوازی قطاروں میں لکھے ہیں۔ اِس کو ایک چمڑے کے تعویذ میں ڈال کر بحکمِ استثنا ۶: ۶ و ۸، ماتھے پر اور بائیں بازو پر باندھا جاتا تھا۔ قمران کے غاروں سے بھی اسی قسم کے تعویذ پائے گئے ہیں جن پر مذکورہ بالا آیات کے علاوہ دس احکامِ تورات بھی لکھے تھے۔

وادیٔ مربعات قمران سے بارہ میل جنوب کی طرف اور یروشلیم سے تقریباً ۱۵ میل جنوب مشرق کی جانب واقع ہے۔ وادیٔ قمران سے قریباً پونے میل کے فاصلہ پر بحرِ مُردار کے مغرب کی جانب ایک جگہ ہے جس کو خربت قمران کہتے

ہیں۔ یہ وُہی جگہ ہے جہاں حضرت یشوؔع کے زمانہ میں شہر نمکؔ بستا تھا۔ (یشوؔع ۱۵: ۶۱)۔ اب خراب و ویران ہوجانے کی وجہ سے خربت (بمعنی اُجاڑ) کہلاتا ہے۔

دیگر نُسخے یہ نُسخے اہلِ یہُود نے نقل نہیں کئے تھے بلکہ مسیحی کلیساؤں کے عُلمانے نقل کئے تھے۔ کیونکہ سنہ ۱۳۵ء میں رُومی افواج نے قمران کے یہُود اَور اُن کی بستیوں کو ویران و برباد کر دیا تھا۔ مشہُور انگریز عالم بُروؔس ہم کو بتلاتا ہے کہ سنہ ۱۹۴۷ء سے پہلے بھی اِن وادیوں کے غاروں سے نُسخے برآمد ہُوئے تھے۔ چنانچہ وُہ لکھتا ہے[1] کہ سنہ ۸۰۰ء کے قریب اس مقام کی بعض کتابیں مسیحی عالم اَورؔیجن کے ہاتھ آئیں جو عبرانی اَور یُونانی زبانوں میں لکھی تھیں۔ ان قدیم نُسخوں میں کتاب زبُور کا ایک ترجمہ یُونانی زبان میں تھا جو سیپٹوا جنٹ کی نقل نہ تھا۔ یہ نُسخہ اس کو "یریحو کے قریب ایک مرتبان" میں ملا تھا اور یجن نے اِس ترجمہ کو اپنی کتاب ہیکسپلا میں شامل کر لیا تھا۔

ہالؔ Halle یونیورسٹی کے پروفیسر آڈو اَئسفیلٹ Otto Eissfeldt نے اپنے مضامین میں مغرب کے فضلاء کی توجہ اُس واقعہ کی جانب منعطف کی ہے جس کا تعلق سلوکیہ کے پیٹریارک ٹموتھیوس سے ہے جو نسطوری کلیسیا کا ایک زبردست عالم تھا اَور ۷۸۰ء سے ۸۲۳ء تک خلیفہ مہدؔی۔ ہادؔی اَور ہارُونؔ کے عہدِ خلافت میں زندہ تھا۔ خلیفہ مہدؔی (جیسا کہ ہم اپنی کتاب "قرونِ وسطیٰ کی ایشیائی اَور ہندوستانی کلیسیائیں" کے حصّہ اوّل کے باب ششم میں ذکر کر چکے ہیں)، اِس عالم پیٹریارک سے بحث و مباحثہ بھی کیا کرتا تھا۔ اس پیٹریارک

1. F. F. Bruce, Second thoughts on the dead sea scrolls (1956)

نے اپنے عہدِ حکومت میں کلیسیائے ہند میں فرقہ بندی کا بھی خاتمہ کر دیا تھا۔ (دیکھو "صلیب کے ہراول" از برکت اللہ باب چہارم) خیر آمدم بر سرِ مطلب۔ مذکورہ بالا جرمن فاضل آوتو ہم کو بتلاتا ہے کہ اس پیٹریارک کو معلوم ہوا کہ ۸۰۰ء کے قریب بحرِ مردار کے غارات میں چند قدیم نسخے دستیاب ہوئے ہیں جو کسی غار سے ملے ہیں جن پر عہدِ عتیق کی کتب لکھی تھیں اور ان کے علاوہ دیگر کتابیں بھی ملی ہیں۔ پس اس پیٹریارک نے ایلم کے میٹروپولیٹن سرجیس Sergius کو لکھا: "ہم کو معتبر یہود سے جو مسیحیت کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں یہ معلوم ہوا ہے کہ دس سال کا عرصہ گذرا چند کتابیں یریحو کے نزدیک ایک غار سے دستیاب ہوئی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک عرب ان اطراف میں شکار کر رہا تھا کہ اس کا کتا شکار کے پیچھے ایک غار میں گھس گیا جہاں سے وہ واپس نہ آیا۔ کتے کا مالک غار میں اترا تو کیا دیکھتا ہے کہ غار میں بہت سی کتابیں ہیں۔ شکاری نے یروشلیم جا کر یہود کو اس واقعہ کی خبر دی۔ یہود [illegible] غار کے اندر گئے تو دیکھا کہ کتبِ عہدِ عتیق کی کتابوں کے نسخے اور دیگر کتابیں وہاں پڑی ہیں جو عبرانی میں لکھی ہیں۔" آگے چل کر پیٹریارک لکھتا ہے کہ "یہودی خبر دینے والے نے کہا کہ ان میں ایک زبردست فاضل بھی تھا جو یہودی کتبِ مقدسہ کا عالم اور یہودی علم و ادب کا فاضل تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا عہدِ عتیق کی کتب کے وہ تمام مقامات جن کا ذکر انجیل میں ہے یا جن کا انجیل میں اقتباس کیا گیا ہے فی الواقع ان کتابوں میں موجود ہیں۔ اس نے مجھے یہ جواب دیا کہ وہ تمام مقامات کتبِ عہدِ عتیق میں موجود ہیں اور ان نسخوں میں بھی پائے جاتے ہیں جو اب نہیں ملتا؟

ہوئے ہیں "۔ پھر ہیرٹ بارک اپنے میٹرڈ پولی ٹن کو اپنے اِس خط کے آخر میں لکھتا ہے "ہم نے اس یہودی کے بیان کی صحت معلوم کرنے کے لئے دُوسرے یہودیوں سے اُس کی غیر حاضری میں اِس بات کی پوچھ گچھ کی۔ اُنہوں نے بھی اُس کے بیان کی تصدیق کی۔ پس ہم نے وہاں کے چند اصحاب کو لکھا کہ تم خُود جا کر اُن نسخوں کا ملاحظہ کرو لیکن تادمِ تحریر اُن کی جانب سے ہم کو کوئی جواب موصُول نہیں ہوا۔ یہاں ہمارے پاس کوئی ایسا قابل اور معتبر شخص بھی نہیں ہے جس کو ہم حقیقتِ حال دریافت کرنے کے لئے بھیج سکیں"۔ یہ خط نویں صدی کے اوائل میں لکھا گیا تھا۔

آٹھویں صدی مسیحی میں شہر بغداد میں اہلِ یہود کے بدعتی فرقہ کا آغاز ہُوا جو تلمود کو ردّ کرتا تھا۔ یہ فرقہ کرَیت کہلاتا ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم کو صرف مُوسیٰ کی کُتبِ شریعت اور صحائفِ انبیاء پر اعتقاد رکھنا چاہیئے اور بزرگوں کی روایات کی تقلید نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ فرقہ صدیوں تک جاری رہا لیکن ہٹلر Hitler نے دُوسری عالمگیر جنگ میں اس کی بیخکنی کر دی۔ اس فرقہ کا ایک یہودی عالم قرقسانی Qirqisani بھی ہیرٹ بارک ٹموتھیوس کے نسخوں کا ذکر کرتا ہے اور یہودی فرقہ قمران کا ذکر داؤد ابنِ مروان کی سند سے کر کے کہتا ہے کہ یہ لوگ غاروں میں بُود و باش کرتے تھے اور ایریَس سے چار صدیاں قبل کے تھے۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ نیکایاہ کی کونسل نے ایریَس کو ۳۲۵ء میں بدعتی قرار دے کر مسیحی کلیسیا سے خارج کر دیا تھا۔ مذکورہ بالا یہودی مصنّف قمران کے یہودی فرقہ کو "مغاریہ" نام سے موسُوم کرتا ہے۔ مسلمان

مورخ البیرونی (تاریخ وفات ۴۴۰ھ) اور شہرستانی (تاریخ وفات ۵۴۸ھ) بھی اپنی تصانیف میں اِس فرقہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اِن دونوں مؤخر الذکر مصنفوں کا ماخذ ایک کتاب "تاریخ المذاہب" تھی جو نویں صدی مسیحی میں لکھی گئی تھی، لیکن اب وہ صفحہ ہستی سے ناپید ہو گئی ہے۔

یہودِ قرآن اور کُتبِ مقدسہ کی حفاظت

ہم نے یہودِ قرآن کے فرقہ کا حال کسی قدر تفصیل اور طوالت کے ساتھ کیا ہے تاکہ ناظرین پر ان کے پس منظر اور تاریخ کے اوراق سے اہلِ قرآن کی کُتبِ مقدسہ سے شیفتگی اور دلبستگی سے واقف ہو جائیں اور خود معلوم کر سکیں کہ اِن حالات میں تحریفِ کُتبِ مقدسہ کا نظریہ کس قدر مضحکہ خیز ہے۔ اس گروہ کی لائبریری میں جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں پانچ سو طومار تھے جن میں سے اکثر طومار یا تو کُتبِ مقدسہ کی نقلیں تھیں اور یا اُن کی تفسیریں تھیں۔ چنانچہ جیسا ہم بیان کر چکے ہیں اس کُتب خانہ میں سوائے آستر کی کتاب کے باقی تمام کُتبِ مقدسہ کی نقلیں ملی ہیں اور تفاسیر میں سے چند مزامیر کی تفسیریں اور ناحوم اور حبقوق کی کتابوں کی تفسیریں تا حال دستیاب ہوئی ہیں۔ اِس فرقہ کے لوگ کُتبِ مقدسہ کے عاشقِ زار تھے اور ۱۱۹ زبور لکھنے والے کی طرح کلام اللہ اور شریعت کے قوانین کے دلدادہ تھے۔ ان کی زندگی کا واحد نصب العین ہی یہ تھا کہ وہ اپنی انفرادی اور قومی زندگی خدا کے احکام کے مطابق بسر کریں جو کتاب اللہ میں موجود ہیں۔ نبیں مکابیوں کے زمانہ اور خداوند مسیح کے زمانہ کے درمیانی عرصہ میں کُتبِ مقدسہ کا موقوف ہونا

مخالفات میں سے ہے۔ بحرِ مُردار کے کناروں کے اِن طُوماروں سے صاف ثابت ہوجاتا ہے کہ ان کے لکھے جانے سے مدّتوں پہلے کُتبِ مُقدّسہ کا معیاری متن قائم ہوچکا تھا اور اِن تمام طُوماروں کا وُہی معیاری متن ہے جو دورِ حاضرہ میں ہر جگہ مروّج ہے۔

دریافتوں کے نتائج

(۱) اِن طُوماروں کی دستیابی کا سب سے اہم نتیجہ یہ ہے کہ اب ہمارے ہاتھوں میں قدیم ترین نُسخے موجود ہوگئے ہیں جو اصل عبرانی میں خُداوند مسیح سے صدیوں پہلے لکھے گئے تھے۔ ان سے پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ سامری نسخۂ تورات قدیم ترین ہے لیکن اب ہمارے پاس نہ صرف تورات شریف کے بلکہ باستثنائے آستر تمام کُتبِ مُقدّسہ کے قدیم ترین نُسخے موجود ہیں جن میں وُہ متن محفوظ ہے جو خُداوند مسیح سے تین صدیاں پہلے مروّج تھا۔

(۲) اب سے بیس سال پہلے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مروّجہ عبرانی متن کی صحت کو معلوم کرنے کے لئے ہم صرف ترجمۂ سبعینیہ کی جانب ہی رجوع کر سکتے ہیں اور یہ سوچ کر کہ اِس ترجمہ کا اصل کیا ہوگا اُس مفروضہ اصل سے مروّجہ عبرانی متن کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ طریقۂ کار کوئی یقینی طریقہ نہ تھا۔ لیکن اب ہمارے ہاتھوں میں ترجمۂ سبعینیہ سے بھی قدیم نُسخے اصل عبرانی زبان میں موجود ہیں۔ اُن کے وجود کا کسی عالم کو خواب وخیال بھی نہ تھا۔ سب فضلا یہی سمجھے بیٹھے تھے کہ اب اصل عبرانی کے قدیم نُسخے رُوئے زمین پر سے مفقود ہو گئے ہیں۔ چنانچہ سر فریڈرک کینیّن[۱] جیسے زبردست عالم اور نقاد نے ۱۹۳۹ء

[۱] Sir Frederick Kenyon

میں لکھا تھا کہ "اب یہ اغلب نہیں کہ ہم کو کسی زمانۂ مستقبل میں ایسے عبرانی نسخے دستیاب ہوں جو ان نسخوں سے زیادہ قدیم ہوں جن کی بنا پر مسوراہی متن نے قیام حاصل کیا ہے"۔ لیکن موجودہ دریافتوں نے اُس کی پیشین گوئی کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ اب وادئ قمران کے عبرانی نسخے کُتبِ عہدِ عتیق کے صحیح ترین متن کو معلوم کرنے کے قدیم ترین ذرائع ہیں۔ کیونکہ ان عبرانی نسخوں کا متن خداوند مسیح سے کم از کم تین صدیاں پہلے کا ہے لیکن مسوراہی متن کے نسخے خُداوند مسیح سے نَو اور دس صدیاں بعد کے ہیں اور دونوں قسم کے نسخوں کے میان کم از کم بارہ صدیوں کا فاصلہ ہے۔ اب ان قدیم طوماروں نے بارہ صدیوں کا فاصلہ حرفِ غلط کی طرح مٹا کر محو کر دیا ہے۔

(۳) ان قدیم ترین نسخوں کے غائر مطالعہ نے ثابت کر دیا ہے کہ ان کا متن وہی ہے جو مسوراہی متن ہے جس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ قمران کے نسخے ثابت کر دیتے ہیں کہ اب ہمارے ہاتھوں میں انبیاء کے صحائف اور توریت کے وہ اصل الفاظ موجود ہیں جو انبیاء اللہ نے اپنی زبان سے نکالے تھے۔ اُن کے ذریعہ ہم خُدا کی آواز سُن کر اپنی انفرادی ملی اور قومی زندگیوں کو سُدھار سکتے ہیں۔ جُوں جُوں نئے نسخے دریافت ہوتے جاتے ہیں، کُتبِ عہدِ عتیق کے عبرانی متن کی تصدیق ہوتی جاتی ہے۔ چنانچہ ابھی دورانِ تحریر میں بحرِ مُردار کے مغربی کناروں کی طرف کُھدائی کی گئی ہے۔ وہاں دو طوماروں کے ٹکڑے دستیاب ہُوئے ہیں۔ ان میں سے ایک پارے پر خروج ۱۳: ۱-۱۶ آیات اور دُوسرے پارے پر زبور کے دائی سات مطالب لکھی ہیں۔ ان دونوں پاروں کا متن مروجہ

عبرانی متن سے لفظ بلفظ متفق ہے۔

(۴) ان طوماروں کے وجود نے بعض علما کا یہ خیال غلط ثابت کر دیا ہے کہ جلاوطنی کے زمانہ کے بعد ارضِ مقدس کے یہودی حلقوں میں عبرانی زبان قطعی مرتی نہ تھی اور عبرانی زبان خداوند مسیح کی بعثت سے پہلے بالکل مردہ ہو چکی تھی۔

(۵) قمران کے طوماروں نے سامری نسخہ کے متن کی عظمت کو ازسرِ نو بحال کر دیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ سامریوں نے بھی اپنی تورات کے نسخہ میں تحریف کرنے کا کبھی ارتکاب نہیں کیا۔

(۶) قدیم نسخوں کے متن میں اور مروجہ عبرانی متن میں جو خفیف اختلافات ہیں اُن کو کسی قسم کی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ ان کے وجود کی بنا پر کوئی نقاد یا عالم یہ نہیں کہہ سکتا کہ دونوں میں سے کونسا متن زیادہ بہتر ہے۔[1]

فصل سوم

اہلِ یہود کی پارٹیاں اور مسئلہ تحریف

ہم فصلِ دوم میں بتلا چکے ہیں کہ مکابیوں کے زمانہ میں مختلف حالات کی وجہ سے اہلِ یہود میں دھڑے بازیاں شروع ہو گئیں اور یہ مخاصمت اس قدر بڑھ گئی کہ آپس میں اُن کی دھڑے بازی لگ گئی۔ قومِ یہود مختلف گروہوں، پارٹیوں اور جماعتوں میں تقسیم ہو گئی۔ خداوند مسیح سے ایک صدی قبل اہلِ یہود میں خانہ جنگی

1. Allegro, The dead sea Scrolls p. 73

کے باعث ارضِ مُقدّس کنعان خُون سے سُرخ ہوئی۔ یہودی قوم فریسیوں اور صدوقیوں میں بٹ گئی جو ایک دُوسرے کے خُون کے پیاسے تھے۔ اُن کی مخاصمت اِس حد تک بڑھ گئی تھی کہ فریقین کا کسی بات پر بھی متفق ہونا ایک ناممکن الوقوع امر ہو گیا تھا۔ لیکن ان میں سے کسی فریق نے دُوسرے پر باوجود حد درجہ کے عناد، بُغض اور عداوت کے کُتبِ مُقدّسہ کو محرّف کرنے کا الزام نہ لگایا حالانکہ اِن دونوں فریقوں کے عقائد میں سخت اختلاف تھا (مرقس ۱۲: ۱۸، متی ۲۲: ۲۳، لوقا ۲۰: ۲۷، اعمال ۲۳: ۸ وغیرہ)۔ اگر اُن کے دِلوں میں کُتبِ مقدّسہ کی واجبی عزّت و تکریم نہ ہوتی تو وُہ کتابِ مُقدّس کو اپنے اعتقادات کے مطابق مُحرّف کر سکتے تھے لیکن اُنھوں نے ایسا ہرگز نہ کیا۔ فریقین میں سے کسی نے بھی دُوسرے پر تحریف کا الزام نہ لگا۔ اس کے برعکس دونوں کی کتابِ مُقدّس ایک ہی تھی۔ ان دونو کی مثال ایسی ہے جس طرح جماعت شیعہ اور فرقہ اہلِ سُنّت کی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ شیعہ اہلِ سُنّت پر تحریفِ قرآن کا الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صحیفۂ عثمانی سے وُہ تمام آیات خارج کر دی گئی ہیں جو اہلِ بیت کے فضائل اور خلفائے راشدین کے خلاف تھیں۔ چنانچہ سید امجد حسین رسالہ تحریف القرآن و تصنیف الفرقان میں لکھتے ہیں "سُنی اور شیعہ میں مُدت سے نقص و تحریفِ قرآن کی چھیڑ چھاڑ شعارِ خاص ہو گیا ہے۔ اہلِ سُنّت والجماعت اس کو بدنامی خلفائے ثلاثہ سمجھ کر برافروختہ ہو جاتے ہیں.... قرآن کا بہ حیثیت نظم و ترتیب ناقص ہونا تو بدیہات سے ہے..... خُود قرآن اور فریقین کی کُتب مُعتبرہ قرآن کے مُحرّف ہونے کی گواہ ہیں۔ عُلمائے شیعہ اِس واسطے انکار کرتے

ہیں کہ اُن میں تقیہ جائز ہے اَور علمائے اہلِ سنت کا انکار حفظِ دین و ملت و خلفائے ثلاثہ کی وجہ سے ہے"۔ (صفحہ ۲۔ نیز دیکھو مرزا احمد سلطان کا رسالہ تصحیف کاتبین و نقص آیاتِ کتابِ مبین وغیرہ)۔

لیکن یہودی قوم کی تمام تاریخ میں ایسا الزام کہیں بھی نہیں ملتا باوجودیکہ فریسی اَور صدوقی اَور دُوسرے یہودی فرقے ایک دُوسرے کے جانی دشمن تھے اَور اُنہوں نے سرزمین کنعان کو ایک دُوسرے کے خُون سے رنگین کر دیا تھا۔ تاہم وُہ ہمیشہ کتابِ مُقدّس پر متفق ہی رہے اَور دونو اُس کی حفاظت میں کوشاں اَور اُس کی صحت کے قائل رہے۔ کیا یہ امر ثابت نہیں کرتا کہ عبرانی کُتبِ مُقدّسہ میں کسی قسم کا نقص واقع نہیں ہُوا اَور کہ وُہ درحقیقت اب بھی ویسی ہی قابلِ اعتبار ہیں جیسی وُہ انبیاء کے زمانہ میں تھیں۔

فصلِ چہارم

اہلِ یہود کے مُختلف مسالک اَور مدرسے

خُداوند مسیح کی طفولیت کے زمانہ میں ربّی ہلّل اَور شمعی کے مدرسے اَور مسالک قائم تھے۔ ان مدرسوں میں یہ دونو حریف ربّی کُتبِ مُقدّسہ کو پڑھاتے اَور اُن کی تفسیر کرتے تھے۔ ربّی شمعی کا مسلک نہایت قدامت پسند تھا۔ وُہ شریعت کے ہر لفظ کی گویا پرستش کرتا تھا اَور اُس کے پَیرو حد درجہ کے مقلد

تھے۔ اُن کے ہاں کُتبِ مُقدّسہ کی تفسیر و تاویل میں تفسیہ بالرّائے کو ہرگز دخل نہ تھا۔ لیکن ربّی حلّیل کا مذہب زیادہ آزاد رو تھا۔ ہر صاحب فکر و دانش پر ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں کُتبِ مُقدّسہ میں کسی قسم کا فتور واقع ہونا ایک موہوم امر ہے۔ فتور تو الگ رہا کُتبِ مُقدّسہ میں کسی قسم کا تغیر و تبدل ایک ناممکن بات تھی۔ کیونکہ اگر کسی قسم کا تغیر و تبدل واقع ہونے کا احتمال بھی ہوتا تو یہ حریف ربّی ایک دُوسرے پر فوراً تحریف کا الزام لگا دیتے اور یُوں تحریف کا رازِ طشت از بام ہو جاتا۔ لیکن اِن حریف ربیّوں نے ایک دُوسرے پر کبھی تغیر و تبدل اور تحریف و فتُور کا الزام نہ لگایا۔

اِس کی مثال دورِ حاضرہ کے مذہبی رسائل سے مل سکتی ہے۔ مثلاً اہلحدیث امرتسر بابت ۲۵ جولائی ۱۹۳۰ء صفحہ ۸ پر لکھا ہے "شبلی مرحوم نے بھی عمادِ مذہبِ نعمانی میں اسی طرح ایک وقت قرآن کی آیت من یومن باللہ فلیعمل صالحاً اپنی طرف سے بنائی تھی"۔ پھر اُسی صفحہ پر یہی ہے کہ "اخبار اہلحدیث مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۳۰ء صفحہ ۵ عنوان "تحقیق اسلام" کے ذیل میں مولوی نُور الہیٰ صاحب گھڑ جاکھی۔ مولوی عبد الجبّار صاحب نعمانی نامہ نگار الاعتدال کا تعاقب فرماتے ہُوئے اعلان فرماتے ہیں کہ نعمانی صاحب پیش کردہ آیتِ قُرآنی کو قرآن سے ثابت کر کے پانصد روپیہ انعام حاصل کریں"۔ اِسی طرح اہلِ حدیث بابت ۳۰ نومبر صفحہ ۴ و ۵ میں ہے کہ مولوی حکیم عبید اللہ صاحب بسمل احمدی کی خیانت ملاحظہ کیجیے۔ آپ نے جلال الدین سیوطی کی تفسیر دُرِّ منثور کی عبارت یُوں لکھی ہے۔ فانا کنا نحدث ان ابن مریم خارج فان

خرج فقد کان بعدہ ۔ لفظ قبلہ (جو بعدہ سے پہلے تفسیر میں لکھا تھا) آپ نے نقل نہ کیا ۔ یہ اس لئے کیا گیا کہ مسئلہ حیاتِ مسیح علیہ السلام ثابت ہو کر مرزا صاحب قادیانی کے دعوئے مسیحیت و نبوت پر پانی نہ پھر جائے"

فرقہ اہلِ حدیث کا مشہور مناظر ابو حبیب اللہ آنجہانی مرزائے قادیانی کی کُتب کی پیش کردہ قرآنی آیات کی چھان بین کر کے اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ "مرزا صاحب نے تقریباً چار درجن آیات اپنی کتابوں میں غلط لکھی ہیں ۔۔۔ اگر کوئی مرزائی مولوی یہ کہے کہ سہوِ کاتب ہو گیا ہے تو عرض ہے کہ ایک آیت مرزا صاحب نے پانچ یا چھ جگہ لکھی ہے اور سب جگہ غلط لکھی ہے ۔ اور مرزا صاحب نے خود ترجمہ کیا ہے پس سہوِ کاتب کا بہانہ غلط ہے" (مرزا غلام احمد قادیانی اور اُس کی قرآن دانی صفحہ ۱)

اِس قسم کے الزامات یہودی حریف پارٹیوں نے ایک دوسرے پر کبھی نہ لگائے ۔ اہلِ یہود کا دامن عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کی تحریف کے الزام سے بالکل پاک رہا ہے ۔ اس باب میں اُن کی تمام پارٹیوں کی خاموشی نہایت معنی خیز ہے ۔ مثل مشہور ہے کہ

ع "خموشی معنیٔ دارد کہ در گفتن نمے آید"

پس ثابت ہو گیا کہ یہودی کُتبِ مُقدّسہ میں اُس زمانہ میں بھی کسی قسم کا تغیر و تبدل یا فتور پیدا نہ ہوا تھا ۔ اس کے برعکس اہلِ یہود کی تاریخ کے ہر زمانہ میں کُتبِ مُقدّسہ درحقیقت اُسی حالت میں تھیں جس طرح انبیاء اللہ نے چھوڑی تھیں ۔

فصلِ پنجم

حضرت کلمۃ اللہ کی تصدیق

ہم ذکر کر چکے ہیں کہ خداوند مسیح نے عبرانی کُتبِ مُقدسہ کے اقتباسات کئے اور یُوں اِن کُتبِ سماوی کی صحت پر اپنی تصدیق کی مُہر لگائی۔ جیسا قرآن میں بھی وارد ہُوا ہے کہ "مریم کے بیٹے عیسٰے نے کہا، کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہُوا ہُوں۔ مُجھ سے آگے جو توریت ہے میں اُس کا مُصدق ہُوں" (صف ۶)۔ منجیٔ عالمین نے اِنجیلِ جلیل میں بھی فرمایا ہے کہ "یہ نہ سمجھو کہ مَیں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسُوخ کرنے آیا ہُوں، منسُوخ کرنے نہیں بلکہ پُورا کرنے آیا ہُوں" (متی ۵: ۱۷)۔

جب کبھی حضرتِ کلمۃ اللہ شریعت اَور انبیائے سلف کے صحائف کا ذکر اپنی زبانِ مُبارک پر لاتے آپ فرماتے: "الکتاب"۔ "کتابِ مُقدس"۔ "شریعت" "انبیاء"۔ "شریعت اَور انبیاء" یا صرف، فرماتے "لکھا ہے"۔ آپ صحفِ مُقدسہ کی سند کی تصدیق فرماتے۔ بعض اوقات آپ اِن صحفِ سماوی کے الفاظ کو اپنی زبانِ مُبارک پر لاتے (یُوحنا ۸: ۱۷، متی ۱۹: ۵، ۲۲: ۳۰-۳۹ وغیرہ)۔ بعض اوقات آپ ان کا مطلب واضح فرماتے (متی ۱۰: ۱۱، لُوقا ۷: ۲۷)۔ دیگر اوقات آپ ان صحفِ مُقدسہ کے مقامات کی تاویل کرتے (یسعیاہ ۲۹: ۱۳

متی ۱۵: ۹ ، یسعیاہ ۶ : ۹ ، متی ۱۲ : ۱۴-۱۶ ، ہوسیع ۶ : ۶ ، متی ۹ : ۱۳ وغیرہ۔
"پہاڑی وعظ" میں ابن اللہ تورات مقدس کی جانب اشارہ کرکے اہل یہود کو مخاطب کرکے بار بار فرماتے ہیں۔ "تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا" یا "کہا گیا ہے"۔ آپ اہل یہود کے علمار سے مختلف اوقات پر سبت کے احکام کے متعلق بار بار بحث میں اُلجھے اور ہر موقعہ پر آپ نے کتب مقدسہ کا حوالہ دے کر اُن احکام کا صحیح مفہوم اِس طور پر بتلایا کہ مخالفین کو بجز خاموشی کوئی چارہ نہ رہا، (یوحنا ۷ : ۲۳ ، مرقس ۲ : ۲۷ ، ۱-سموئیل ۲۱ : ۳-۶ وغیرہ)۔ علیٰ ہذالقیاس آپ نے نکاح ۔ طلاق ۔ مُردوں کی قیامت وغیرہ مسائل پر بحث کرتے وقت صحف مقدسہ کی آیات کی سند پیش کرکے مخالفین کا مُنہ بند کرتے رہے ۔ آپ مختلف اوقات پر کتب مقدسہ کی پیشین گوئیوں کا ذکر فرماتے ہیں جو آپ کے خیالِ اقدس میں حضرت یوحنا بپتسمہ دینے والے کے حق میں اور خود آپ کی ذاتِ پاک کے حق میں پوری ہوئیں (لوقا ۷ : ۲۷ ، متی ۱۱ : ۱۰ ملاکی ۳ : ۱ ، متی ۲۳ : ۴۱-۴۴ ، زبور ۱۱۰ وغیرہ)۔ مقدس لوقا انجیل نویس ہم کو بتلاتے ہیں کہ جب کلمۃ اللہ بعثت کے شروع میں ناصرت کے عبادت خانہ میں گئے اور آپ کتاب مقدس کو پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو یسعیاہ نبی کے صحیفہ کا طومار[1] آپ کے ہاتھ میں

[1] یہ طومار یسعیاہ نبی کے صحیفہ کے اس طومار کا سا تھا جو وادیٔ قمران سے دستیاب ہوا ہے۔ وہ ۲۲ فٹ لمبا ہے اور نہایت اچھی حالت میں محفوظ ہے۔ جن آیات کی کلمۃ اللہ نے تلاوت فرمائی تھی اُن کی عکسی تصویر وادیٔ قمران کے صحیفہ سے لے کر مقابل کے صفحہ پر ناظرین کی واقفیت اور دلچسپی کی خاطر اس کتاب میں شامل کر دی گئی ہے (برکت اللہ)

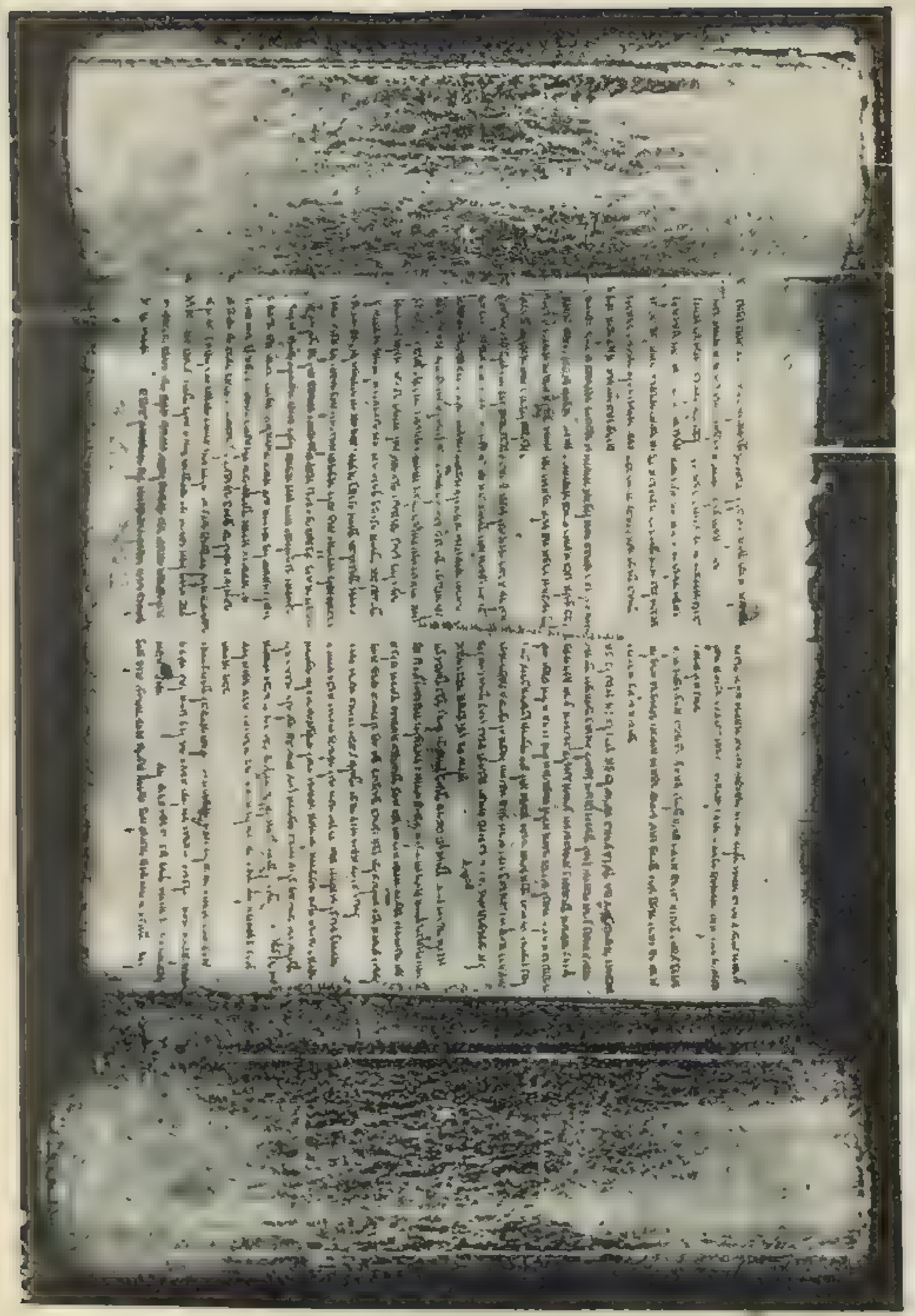

دیا گیا۔ آپ نے صحیفہ مبارک کو کھول کر ۶۱ باب کی پہلی آیات کی تلاوت کی اور فرمایا کہ آج یہ نوشتہ تمہارے سامنے پورا ہوا" (لوقا ۴: ۱۶-۲۱، یسعیاہ ۶۱: ۱-۲)۔

حضرت ابن اللہ کتبِ مقدسہ کے مقامات کو سند قرار دے کر اہلِ یہود کے باطل خیالات کی تصحیح فرمایا کرتے تھے۔ (متی ۲۱: ۴۲۔ الخ، زبور ۱۱۸، مرقس ۱۴: ۴۹ و ۹: ۱۲، متی ۲۶: ۳۱، لوقا ۲۲: ۳۷ وغیرہ)۔ زبور کی کتاب اور دیگر صحائف کی بنا پر ابن اللہ نے خدا کی بادشاہی کے بادشاہ ہونے کا دعویٰ کیا (متی ۲۱: ۱۶، زبور ۸: ۳، متی ۲۶: ۶۴، زبور ۱۱۰: ۱، دانی ایل ۷: ۱۳ وغیرہ)۔ قسی القلب یہود کی سخت دلی کا ذکر آپ انبیائے سلف کی کتب کے الفاظ میں کرتے ہیں (متی ۱۳: ۱۴، یسعیاہ ۶: ۹-۱۰ وغیرہ)۔ یہوداہ غدار کی غداری کے وقت بھی آپ کے مبارک ذہن میں زبور کی کتاب کے الفاظ آئے (یوحنا ۱۳: ۱۸، زبور ۴۱: ۹)۔ آں خداوند اپنی کتبِ مقدسہ کی آیات کے ذریعہ شیطان کی آزمائشوں پر غالب آئے (متی ۴ باب)۔ حتیٰ کہ آخری ایام اور جانکنی کی حالت میں بھی کتبِ سماوی آپ کی حرزِ جان تھیں (مرقس ۹: ۱۲، ۱۴: ۱۹، یوحنا ۱۳: ۱۹، متی ۲۱: ۴۲، ۲۶: ۳۱ و ۵۳-۵۶، لوقا ۲۲: ۳۷، ۳۸ و ۲۴: ۲۶، متی ۲۷: ۴۶، لوقا ۲۳: ۴۳ و ۴۶، یوحنا ۱۹: ۲۸-۳۰ وغیرہ)۔ غرضیکہ حضرت کلمۃ اللہ نے اپنی زندگی کی ہر منزل اور مرحلے میں صحفِ مقدسہ کی سند کو تسلیم کر کے اُن پر اپنی مُہرِ تصدیق ثبت کر دی۔[1]

ہر انجیل خواں اس حقیقت سے واقف ہے کہ انجیل نویسوں نے منجی جہان کے

---

1. C. F. T. Henry. Our Lord's use of Scripture from Revelation and the Bible (London 1959).

صرف چند کلمات کو ہی قلمبند کیا ہے (یوحنا ۲۰: ۳۰، ۲۱: ۲۵ وغیرہ) لیکن یہ ظاہر ہے کہ کلمتہ اللہ نے اپنی ۳۳ سالہ زندگی میں اور بالخصوص آخری تین سالوں میں لاکھوں دفعہ عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کا ذکر کیا ہوگا اور اُن کی صدہا آیات کا ہزاروں مرتبہ اقتباس کیا ہوگا۔ ان میں سے اناجیلِ اربعہ کے لکھنے والوں نے صرف ستر اقتباسات محفوظ رکھے ہیں۔ اناجیل کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ آں خُداوند نے ان اقتباسات کے علاوہ چار صد مرتبہ عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کی جانب اشارہ بھی کیا ہے۔ یہ روشن حقائق ثابت کرتے ہیں کہ حضرت کلمتہ اللہ عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کو جو آپ کے زمانہ میں مروّج تھیں خالص کلامِ الٰہی مانتے تھے جس میں کسی قسم کے تصرّف کو دخل نہیں تھا۔

خُداوند مسیح نے اہلِ یہود کو ہزاروں بار ملامت فرمائی لیکن کبھی اُن پر کُتبِ سماوی کو محرّف کرنے کا الزام نہ لگایا۔ بلکہ اُن کو فرمایا کہ "تم کتابِ مُقدّس میں تلاش کرو، کیونکہ تم سمجھتے ہو کہ اس میں ہمیشہ کی زندگی تم کو ملتی ہے اور یہ وُہ ہے جو میری گواہی دیتی ہے پھر بھی تم زندگی پانے کے لئے میرے پاس آنا نہیں چاہتے" (یوحنا ۵: ۳۹) پس مسیحِ کونین کا اُن کتابوں کی تصدیق کرنا اُن کی صداقت کی دلیل ہے، اور اس بیّن دلیل کے سامنے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہودی کُتبِ مُقدّسہ پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔

فصل ششم

حضرت کلمتہ اللہ کے مُلہم حواریوں کی تصدیق

انجیل جلیل کو پڑھنے والے اِس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ مُنجیِ عالمین کے حواریوں نے بھی انہی کُتبِ مُقدّسہ سے استدلال کیا اَور یُوں اُن کی تصدیق کی۔ ہم جانتے ہیں کہ حوارئین کس طرح اہلِ یہُود کو صلیبی واقعہ کی وجہ سے ملامت کا نشانہ بناتے تھے (اعمال ۲: ۲۳ و ۳: ۱۳-۱۷ و ۴: ۱۰ روم ۲ باب وغیرہ)۔ اہلِ یہُود اِن حواریوں کے جانی دشمن بھی ہو گئے (اعمال ۴: ۲۱ و ۷: ۵۴-۶۰ و ۱۲: ۱-۳ و ۲۱: ۱۷-۳۲ و ۲۳: ۱۲ وغیرہ وغیرہ)۔ لیکن اِن حواریوں نے اپنی تصنیفات میں کبھی اہلِ یہُود پر کُتبِ سماوی کو مُحرّف کرنے کا الزام نہ لگایا۔ بلکہ اُنہوں نے اُن کی کُتب کو ہمیشہ کے لئے مسیحی کلیسیا کی کُتبِ مُقدّسہ قرار دیا اَور انہی کُتبِ مُقدّسہ سے مُنجیِ عالمین کی مسیحیت کا ثبوت دیتے رہے۔ جس سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ ان کی نظر میں یہ کُتبِ مُقدّسہ بجنسہٖ وُہی ہیں جن کو انبیاَ اللہ نے لکھا تھا۔

کُتبِ عہدِ جدید میں تورات، زبُور اَور صحائفِ انبیاء کے دو سَو چھانوے مقامات کے اقتباسات موجُود ہیں جو انجیلِ جلیل کی ۳۵۲ آیات پر مشتمل ہیں بالفاظِ دیگر یہ اقتباسات انجیل کا تقریباً بیسواں (۱/۲۰) حصہ ہیں اَور اوسطاً انجیل کی ۲۲ آیات میں سے ایک آیت میں عہدِ عتیق کی کُتبِ مُقدّسہ کا اقتباس موجُود ہے۔ اِن اقتباسات

کے علاوہ مصنّف یُوجین ہُوہن Eugen Huehn کے شمار کے مطابق تمام انجیلی مجموعہ میں چار ہزار ایک سو پانچ اشارات وکنایات بھی موجود ہیں، جس کا مطلب یہ ہُوا کہ انجیل جلیل کے کُل متن کے دسویں حصّہ سے زیادہ حصّہ عہدِ عتیق کی کُتبِ مُقدّسہ کے اقتباسات، اشارات وکنایات پر مشتمل ہے۔ حضرت ابن اللہ کے کلامِ بلاغت نظام میں بھی جیسا ہم گذشتہ فصل میں بتلا چکے ہیں یہی نسبت موجود ہے۔ بلکہ سچ پُوچھو تو انجیلی مجموعہ کی بعض کُتب مثلاً عبرانیوں کے نام کا خط، مکاشفات کی کتاب وغیرہ تمام کی تمام عہدِ عتیق کی کُتبِ مُقدّسہ کے خیالات، تصوّرات، جذبات اَور الفاظ وفقرات سے معمور ہیں[1]۔ اس تعداد وشمار سے اظہر من الشمس ہے کہ عہد جدید کی کُتب کے مصنّفین کی نظر میں تورات و زبور اَور صحائفِ انبیاء کی سند اَور پایۂ اعتبار نہایت رفیع تھا چہ جائیکہ ان میں کوئی تحریف وفتور واقع ہوا ہو اَور وہ ساقط الاعتبار ہوگئی ہوں۔

بابِ ششم

دَورِ سوم۔ تلمُودی زمانہ

(از سنہ ۷۰ء تا سنہ ۶۰۰ء)

قدیم نسخے یروشلیم کی تباہی کے ساتھ اہلِ یہود کی قومی زندگی کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ اُن کی بیرُونی شان وشوکت، اُن کی

1. See Franklin Johnson, The Quotations of New Testament from the Old, considered in the Light of General Literatu

بادشاہی کے خواب، اُن کا مُقدّس شہر اُن کے خُدا کی ہیکل اَور مُقدّس مقامات رُومی فاتحین کے ہاتھوں پہلی دفعہ وَیس پیسئین Vaspasian کے وقت (۷۰ئ) اَور دُوسری دفعہ قیصر ہیڈرین Hadrian کے وقت (۱۳۵ئ) میں برباد اَور تباہ ہو چکے ہیں تو اُنہوں نے اپنے قدیمی خزانہ کو محفوظ رکھنے کی سرتوڑ کوشش کی۔ اُن کی عبرانی کُتبِ مُقدّسہ ہی اُن کے خزانہ رہ گئے تھے پس اُنہوں نے اپنی تمام توجّہ اَور کوشش کُتبِ مُقدّسہ کے مُطالعہ کی طرف لگا دی۔

بیسویں صدی میں ہم کو اُس زمانہ کے بعض قدیم نُسخے دستیاب ہُوئے ہیں، جن کے ذریعہ ہم عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کے موجُودہ متن کی جانچ پڑتال کر سکتے ہیں۔ یہ نُسخے یُونانی ترجمہ سَبعینیہ (سیپٹواجنٹ) کے ہیں:۔

۱۹۳۱ء میں ایک قبطی قبرستان میں سے بعض قدیم یُونانی نُسخے ملے جو مرتبانوں میں بند تھے۔ کیونکہ پُرانے زمانے میں پپائرس کے نُسخے اکثر مرتبانوں اور بالٹیوں میں رکھے جاتے تھے۔ یہ نُسخے مسٹر اے چیسٹر بیٹی A. Chester Beatty- نے (جن کو مشرق و مغرب کے قدیم نُسخوں کو اکٹھا کرنے کا جنُون ہے) خرید لئے۔ یہ مشہُور و معرُوف صاحب امریکن ہیں، لیکن انگلستان میں مُقیم ہیں۔ اِس ذخیرہ کے کے بعض نُسخے مِچی گن یونیورسٹی Michigan University نے خرید لئے اَور بعض نُسخے دیگر اشخاص کی مِلکیت ہیں۔

اس ذخیرہ میں سے گیارہ نُسخے بائبل شریف کے مُختلف حصّوں کی نقلیں ہیں۔ چنانچہ آٹھ نُسخے عہدِ عتیق کی کتابوں کے ترجمہ سیپٹواجنٹ کے ہیں اَور تین نسخے انجیل

کی کتابوں کی نقلیں ہیں۔ یہ نسخے اس قدر اہم ہیں کہ جس طرح وادیٔ قمران کے نسخوں اور نسخہ سینا کے ملنے کے وقت ادبی دُنیا میں ہل چل مچ گئی تھی اُسی طرح اِن نسخوں کی دستیابی نے نقادوں میں ہلچل پیدا کر دی ہے۔

(۱) عہدِ عتیق کی کُتب میں سے دو نُسخے پیدائش کی کتاب کے ہیں۔ ایک نسخہ تیسری صدی کے اواخر کا اور دُوسرا نسخہ چوتھی صدی کے اوائل کا ہے اور دو نو نُسخے اِکٹھے مل کر پیدائش کی کتاب کے تقریباً تمام ابواب پر حاوی ہے اور یہ نُسخے خاص طور پر قیمتی ہیں کیوں کہ نُسخہ سینا اور نُسخہ ویٹی کن VATICANUS. میں اِس کتاب کا نہایت قلیل حِصّہ موجُود ہے۔ پس اب ہمارے پاس تمام پیدائش کی کتاب کا قدیم ترین یُونانی متن موجُود ہے۔

(۲) ایک نُسخہ گنتی اور استثنا کی کتابوں پر مشتمل ہے جو نہایت خُوش خط ہے اور سنہ ۱۲۰ء اور سنہ ۱۵۰ء کے درمیان کا لکھا ہُوا ہے۔ پس اِس نسخہ میں بھی تورات کی اُن دو کتابوں کے یُونانی ترجمہ کا قدیم ترین متن دستیاب ہو گیا ہے۔ اس کے ملنے سے ہمیں یہ یقین ہو گیا ہے کہ پہلی صدی مسیحی کے سپٹواجنٹ کے اور نسخے انشاء اللہ مستقبل قریب میں ہم کو دستیاب ہو جائیں گے[1]۔ اس نُسخے کے ایک سو آٹھ ورق تھے جن میں پچاس اچھی حالت میں اور باقی صفحوں کے ٹکڑے موجُود ہیں۔

(۳) ایک نُسخہ یسعیاہ نبی کے صحیفہ کا ہے جو پھٹا ہُوا ہے۔ یہ نسخہ صاف اور خُوش خط ہے اور اس کے حاشیہ پر قبطی زبان میں نوٹ لکھے ہُوئے ہیں۔ یہ نسخہ تیسری صدی کے اوائل کا ہے۔

---

[1] ان سطور کے لکھنے کے بعد ہم کو قمران کے عبرانی نُسخے دستیاب ہُوئے ہیں جن کا مفصل ذکر باب دوم میں کیا گیا ہے اور جو خُداوند مسیح سے دو صدیاں پہلے لکھے گئے تھے۔ (برکت اللہ)

(۴) یرمیاہ نبی کے صحیفہ کے چند اوراق جو دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے شروع کے لکھے ہوئے ہیں۔

(۵) ایک نسخہ حزقی ایل، دانی ایل اور آستر کی کتابوں پر مشتمل ہے۔ یہ نسخہ کتابی پے پارس کا ہے جس کو دو کاتبوں نے لکھا ہے۔ حزقی ایل کی کتاب کا کاتب دوسری دو کتابوں کے کاتب سے مختلف ہے۔ اس کے ایک سو اٹھارہ ورق ہیں، جن میں سے ۲۹ مسٹر بیٹی کے پاس ہیں اور ۲۱ پرنسٹن یونیورسٹی کے پاس ہیں جو بہتر حالت میں ہیں۔ یہ نسخہ تیسری صدی کے اوائل کا ہے اور بالخصوص دانی ایل کی کتاب کے یونانی ترجمہ سبعینیہ کے معلوم کرنے میں بے نظیر نسخہ ہے۔

(۶) ایک نسخہ جو ایک پورے ورق اور دوسرے ورق کے ایک حصہ پر مشتمل ہے چوتھی صدی کا ہے۔

ترجمہ سیپٹواجنٹ کی کتب عہد عتیق کے ان نسخوں کے متعلق دو باتیں قابل غور ہیں:۔

اوّل یہ کہ پہلے دو نسخوں کی طفیل ہم کو پیدائش کی کتاب کا قدیم ترین یونانی متن مل گیا ہے۔ نسخہ سینا اور نسخہ ویٹی کن میں (جن کا مفصل ذکر آئندہ کیا جائے گا) پیدائش کی کتاب نہیں تھی۔ اور اب تک اس کتاب کے متن کے لئے ہمارا انحصار نسخہ سکندریہ پر تھا جو پانچویں صدی کا نسخہ ہے۔ لیکن یہ نسخے تیسری صدی کے اواخر اور چوتھی صدی کے شروع کے ہیں پس اب پیدائش کی کتاب کے یونانی متن کے گواہ نہایت قدیم ہیں اور کم از کم ایک صدی پیشتر کے ہیں۔

دوم گنتی اور استثنا کی کتابوں کے یہ یونانی نسخے قدیم ترین ہیں جو تا حال

دستیاب ہوئے ہیں اور جن کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

اپریل ۱۹۴۸ء میں یسعیاہ نبی کے صحیفہ کا ایک یونانی نسخہ دستیاب ہوا ہے جو ارضِ مقدس کی ایک خانقاہ سے ملا ہے۔ یہ نسخہ پہلی صدی مسیحی کا ہے اور اچھی حالت میں محفوظ ہے۔[1]

مذکورہ بالا نسخوں کے علاوہ واشنگٹن کے مجموعہ میں دو اور قابل ذکر یونانی نسخے ہیں۔ ایک نسخہ زبور کی کتاب کا یونانی ترجمہ ہے جو چھٹی صدی کا ہے اور دوسرا نسخہ استثنا اور یشوع کی کتابوں کے ترجمہ سبعینیہ پر مشتمل ہے جو غالباً پانچویں صدی کے اواخر میں لکھا گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ نسخہ لکھا گیا تھا تو اس میں تورات کی پانچوں کتابیں اور قضاۃ اور روت کی کتابیں بھی شامل تھیں۔

جمنیہ کی کونسل

جب رومی افواج نے اہل یہود کی بغاوت کو ۷۰ء میں فرو کر دیا تو جیسا ہم باب پنجم کی فصل دوم میں لکھ چکے ہیں فاتحین نے شہر یروشلیم کو تباہ و برباد کر دیا اور یہود کی مقدس ہیکل کو مسمار کر دیا ایسا کہ ابن اللہ کی پیشین گوئی کے مطابق وہاں "کسی پتھر پر پتھر باقی" نہ رہا (متی ۲۴: ۱-۲ آیات)۔ یہود مختلف ملکوں میں منتشر ہو گئے اور قوم کی زندگی کے ہر شعبہ میں انتشار پیدا ہو گیا۔ اب بنی اسرائیل کے لیڈروں کے پاس صرف ایک واحد شے رہ گئی جو قوم کے پراگندہ افراد کو یکجا جمع کر سکتی تھی اور وہ تھیں ان کی کتب مقدسہ۔ اب ان قومی اور مذہبی لیڈروں

1. Civil and Military Gazette, Lahore, April 14, 1948.

کی تمام کوششیں تورات اور صحفِ انبیا کے مطالعہ پر مرکوز ہو گئیں۔ جس والہانہ عقیدت سے ہیکل کو پہلے دیکھا جاتا تھا، (مرقس ۱۴: ۵۸ و ۱۵: ۲۹ وغیرہ) اب انبیا اللہ کی کُتبِ مُقدسہ کو بیش از بیش اُسی شیفتگی کے ساتھ دیکھا جانے لگا کیونکہ اب یہی واحد قومی ورثہ اُن کے پاس رہ گیا تھا۔

اِن کُتبِ مُقدسہ کی حفاظت کرنا اب اُن کی زندگی کا واحد مقصد ہو گیا۔ ۹۰ء میں یہودی عُلما اور فُضلاء کی مقام جمنیہ میں ایک مجلس منعقد ہوئی جس میں کُتبِ مُقدسہ کے الفاظ کا ایک معیاری متن قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اِس مجلس میں کتابوں کے صفحوں کی سطروں کی تعداد مقرر کی گئی۔ ہر سطر کے الفاظ کی تعداد مقرر ہو گئی۔ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ ایک لفظ کے مختلف حروف کے درمیان اور مختلف الفاظ کے درمیان کس قدر فاصلہ چھوڑا جائے۔ مقدس الفاظ لکھنے کے لئے کس قسم کی اور کس رنگ کی سیاہی ہو۔ اُنہوں نے یہاں تک فیصلہ کیا کہ اِن مُتبرک کتابوں کو لکھنے کے وقت کاتبوں کو کس قسم کے لباس میں ملبوس ہونا چاہیئے۔ کاتبوں کو ہدایت کی گئی کہ ہر لفظ کو نہایت صحت کے ساتھ نقل کریں کیونکہ ہر لفظ کاتبِ ازل کے ہاتھوں نے لکھا تھا (خروج ۱۹: ۱۶ تا ۲۰: ۲۱ وغیرہ)۔

یہودی مدرسے

۱۲۰ء کے قریب اہلِ یہود کے حلقوں میں درس و تدریس کے مدرسے جا بجا کھل گئے جن میں زیادہ مشہور مدرسے لدا، قیصریہ اور طبریاس کے مدرسے تھے۔ اِن مدرسوں میں علم صرف و نحو۔ علم تنقید اور علم تفسیر پڑھائے جاتے تھے۔ مؤخر الذکر یعنی طبریاس کا مدرسہ جھیل کے کنارے واقع تھا اور سب سے زیادہ مشہور اور معروف تھا۔ اس مقام میں نہ کوئی سامری

اور نہ بُت پرست اور نہ کوئی مسیحی رہ سکتا تھا۔ اس جگہ کا مدرسہ تمام یہودی دنیا میں مشہور تھا اور یہ جگہ اہلِ یہود کی گویا دارالعلوم تھی۔ ربی یہوداہ جس کی وفات ۲۲۰ء میں ہوئی اسی دارالعلوم میں اُستاد تھا۔ اور ربی یوحنا۔ اکیولا اور سمکس اسی دارالعلوم میں ربی عقیبہ کے شاگرد رہ چکے تھے۔

جب مسیحیت نے اس یہودی قلعہ کو سر کر لیا تو اس دارالعلوم کے طلباء دیگر ممالک کو نقل مکانی کر گئے اور جہاں گئے انہوں نے وہاں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کر دیا ایسا کہ دریائے فرات کے کنارے بابل کی سرزمین کے یہودی دارالعلوم نے طبریاس کے دارالعلوم کو بھی مات کر دیا۔

تلمود کی تالیف

اِن مدرسوں میں (جو ۲۰۰ء سے ۵۰۰ء تک جاری رہے) صرف یہودی کُتبِ مُقدسہ اور اُن کے متعلقہ مضامین پر ہی درس دیئے جاتے تھے۔ یہودی اُستاد خاص طور پر اپنے آباؤ اجداد کی تفاسیر پر (جو پُشت در پُشت سینہ بسینہ چلی آتی تھیں) اور اُن روایات پر بے حد زور دیتے تھے جن کا تعلق کُتبِ مقدسہ سے تھا۔

ان روایات اور روایتی تفسیروں کو اِن یہودی اُستادوں اور خصوصاً ربی یہوداہ نے ۲۰۰ء کے قریب باقاعدہ طور پر ایک جگہ جمع کیا اور اُس کا نام "مِشنہ" (معنی دُہرانا۔ عربی = مثنیٰ) رکھا۔ کیونکہ اِن روایات کی تعلیم زبانی دُہرا کر دی جاتی تھی۔ بعدہٗ بایں خیال کہ یہ زبانی روایات یا "مشنہ" ضائع نہ ہو جائے، طبریاس کے مدرسہ کے ربی یہوداہ اور دیگر اساتذہ اُن کو احاطۂ تحریر میں لے آئے اور ان روایات کی تفسیرات (جس کا نام "گمیرا"[1] رکھا

1 Gemera, Talmud, Mishna

گیا، بڑھتی گئیں۔ "گیمرا" اُس علم کو کہتے ہیں جو سینہ بسینہ چلا آیا ہو۔ مشنہ اور گیمرا دونو کو یکجا جمع کر دیا گیا اور مجموعہ کا نام "تلمود" (یعنی تعلیم) رکھا گیا۔ یہ مجموعہ سنہ ۵۰۰ قبل مسیح تا سنہ ۵۰۰ سن عیسوی کے یہودی خیالات، روایات اور تفاسیر کا آئینہ ہے، کیونکہ اس کی ابتداء زمانہ اسیری (سنہ ۵۸۶ قبل مسیح) سے ہے لیکن یہ سنہ ۲۰۰ سے سنہ ۵۰۰ میں مکمل ہوا۔ ان کتب کے مطالعہ پر اتنا زور دیا گیا کہ یہودی ربی کہتے تھے کہ "وہ شخص جو کتبِ مقدسہ سے واقف ہے لیکن مشنہ کو نہیں جانتا احمق ہے"۔ مشنہ کو شریعت کی حفاظت کی باڑ سمجھا جاتا تھا۔ یہ مجموعہ یہودی ربیوں کی نظر میں اس قدر واجب الاحترام تھا کہ وہ مبالغہ سے کام لے کر کہتے تھے کہ "موسیٰ کو شریعت دن کو دی گئی اور مشنہ رات کو"۔ "توراۃ نمک کی طرح ہے، لیکن مشنہ مرچ اور گیمرا خوشبودار مصالحہ کی طرح ہے"۔ مشنہ دوسری صدی مسیحی میں اور گیمرا چوتھی صدی مسیحی میں لکھے گئے تھے۔

یہ ظاہر ہے کہ تلمود، مشنہ اور گیمرا میں کتبِ مقدسہ کے اقتباسات موجود ہیں کیونکہ تلمود درحقیقت کتبِ مقدسہ کی تفسیر ہی کا نام ہے۔ یہ اقتباسات تقریباً حرف بحرف موجودہ عبرانی متن کے مطابق ہیں۔ تلمودی زمانہ میں کتابِ مقدس کی نقل کرنے کے لئے فقیہوں کو نہایت مفصل ہدایات دی جاتی تھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کتبِ مقدسہ کو نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ نقل کیا کرتے تھے۔

کُتبِ "تَرجُم"

اس سلسلہ میں تلمود کے علاوہ کُتبِ تَرجُم[1] کا ذکر کرنا بھی مناسب معلُوم ہوتا ہے۔ اُوپر ذکر ہو چُکا ہے، کہ جب بنی اسرائیل اسیری سے واپس آئے تو عزرا فقیہہ نے شریعت کا عبرانی نُسخہ اُن کے سامنے پڑھا تھا۔ لیکن چُونکہ عوام النّاس عبرانی سے ناواقف تھے اور ارامی زبان ہی جانتے تھے لہٰذا لاوی اُن کے معنی بتاتے "اور اُن پڑھی ہُوئی باتوں کی عبارت اُن کو سمجھاتے تھے"۔ (نحمیاہ ۸: ۱تا۸) مابعد کے زمانہ میں یہ بات عدہ دستُور بن گیا اور چُونکہ عوام النّاس عبرانی سے ناواقف تھے، لہٰذا عبادت خانوں میں پہلے عبرانی نُسخہ کی ایک ایک آیت پڑھی جاتی تھی، پھر ایک اور شخص جو "ترجمان" کہلاتا تھا اِس آیت کا ارامی زبان میں ترجمہ کرکے اپنے الفاظ میں اہلِ یہُود کے خصُوصی عقائد کے مُطابق اس عبارت کو سمجھاتا تھا۔ مُترجم کو حُکم تھا کہ وُہ کوئی کتاب استعمال نہ کرے تاکہ لوگ الہامی عبرانی عبارت میں (جو کتاب میں لکھی ہوتی تھی) اور زبانی ترجمہ کے الفاظ میں تمیز کر سکیں۔ اِس ترجمہ شُدہ توضیحی ارامی عبارت کا نام یہُودی اصطلاح میں "تَرجُم" (یعنی مفصّل ترجمہ) ہے۔ بعد میں یہ توضیحی تشریحیں احاطۂ تحریر میں آئیں جو کنعان و بابل کے مدرسوں کے اُستادوں نے لکھیں۔ ان میں زیادہ مشہُور اُونکیلُوس یا اکوِلا Ankelos or Aquila کا "بابلی تَرجُم" (از ۲۰۰ء تا ۳۰۰ء) ہے جو زیادہ تر تورات کے اُس متن کا لفظی ترجمہ ہے جو بابل کے دارالعلوم میں مستعمل تھا۔

---

[1] عبرانی میں یہ لفظ "تارگم" Taragum ہے لیکن ہم نے اُردو خوانوں کی خاطر اس کو "تَرجُم" لکھا ہے کیونکہ وُہ الفاظ ترجمہ اور تراجم سے واقف ہیں (برکت اللہ)

اونقلوس کے "ترجمہ" کے علاوہ "کنعانی تراجم" بہت مشہور ہیں جو اوّل الذکر سے زیادہ تفسیری "تراجم" ہیں۔ مثلاً "یونتن کے ترجمہ" میں یسعیاہ ۵۲: ۱۳ تا ۵۳: ۱۲ میں خادمِ یہوواہ کو مسیح موعود کہا گیا ہے لیکن باقی آیات میں "خادم" کے دکھوں کو یا تو بنی اسرائیل کی طرف اور یا قومِ اسرائیل کے دشمنوں کی جانب اُن کو منسوب کیا گیا ہے۔ انجیل جلیل کے ناظرین سے مخفی نہیں کہ انجیل میں "خادمِ یہوواہ" نہ صرف مسیح موعود ہے بلکہ خادم کے دکھوں کو بھی مسیح موعود کے دکھوں کی تفصیل بتلائی گئی ہے۔

وادیٔ قمران کے غار ۱۱ سے ایوب کی کتاب کا "ترجمہ" دستیاب ہوا ہے۔ یہ "تراجم" جیسا ہم اوپر بتلا چکے ہیں عہدِ عتیق کی کسی کتاب کا مفہوم عوام کو سمجھانے کے لئے تفسیری ترجمے تھے۔ قمران کے طومار ثابت کر دیتے ہیں کہ خداوند مسیح کے زمانہ کے خواص اور ربی عبرانی سے بخوبی واقف تھے۔ اُن کے لئے عبرانی مُردہ زبان نہ تھی۔ ہم اپنی کتاب "قدامت و اصلیت اناجیل اربعہ" میں اس حقیقت کی وضاحت کر آئے ہیں اور یہ بھی بتلا چکے ہیں کہ حضرت کلمۃ اللہ بھی اپنی مادری زبان ارامی میں عوام کو پند و نصائح سے مستفیض فرماتے تھے اور یہودی ربیوں سے عبرانی میں بحث کیا کرتے تھے اور کہ آپ کے مواعظ عبرانی زبان کی مختلف اقسام کی صنعتوں سے معمور ہیں (دیکھو جلد دوم حصہ پنجم باب اوّل و دوم)

قدیم قاہرہ میں ایک عمارت ہے جس کو کسی زمانہ میں مقدس میکائیل کا گرجا کہتے تھے۔ یہ گرجا ۸۸۲ء میں یہودی عبادت خانہ بن گیا۔ اس جگہ سے کتبِ

عہدِ عتیق کے قدیم نسخہ جات برآمد ہوئے ہیں۔ جو صدیوں سے اُس میں رکھے پڑھے تھے۔ ان نُسخہ جات کے حالات کو پروفیسر کیلے Prof. E Kahle نے ایک کتاب میں لکھا ہے جس کا نام "قاہرہ کے گینی زے" The Cairo Geniza ہے۔ جس کو حال ہی میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں پروفیسر مذکور نے عبرانی بائبل کے متعلق گذشتہ نصف صدی کی معلومات کا ذکر کیا ہے اور عبرانی متن کی صحت پر بحث کی ہے۔ اب سے پہلے علمار کا یہ خیال تھا کہ یہودی "ترجم" پانچویں صدی مسیحی سے پہلے موجود نہ تھے۔ لیکن اب ثابت ہوگیا ہے کہ وہ ابن اللہ کی پیدائش سے قبل موجود تھے۔ پروفیسر مذکور کہتے ہیں کہ "یہ یہودی روایت درست معلوم دیتی ہے کہ "ترجم" حضرت عزرا کے زمانہ میں شروع ہوئے اور ان کی ابتدا تب سے ہے۔" اس کتاب سے ہم کو یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ آنخداوند اور آپ کے ہم عصر کس قسم کی ارامی زبان بولا کرتے تھے۔

اگر تلمود اور ترجم دونو کا مقابلہ موجودہ عبرانی کُتبِ مقدسہ کے الفاظ سے کیا جائے تو ان کے الفاظ کی صحت کے مسئلہ پر بہت روشنی پڑ سکتی ہے۔ ان یہودی مدرسوں کے اُستادوں نے مختلف قرأتوں کو اکٹھا کیا جب وہ نسخہ میں کوئی غلطی دیکھتے تھے تو وہ متن کو درست نہیں کرتے تھے، بلکہ صحیح لفظ کو حاشیہ پر لکھ دیتے تھے۔ نسخوں کو نقل کرنے کے لئے اُنہوں نے بتفصیل ہدایات لکھیں اور مشابہ حروف کی کتابت کی نسبت اُنہوں نے اپنے شاگردوں کو خبردار اور آگاہ کیا۔ اُنہوں نے کُتبِ مقدسہ کی ہر ایک کتاب کی آیات

اور الفاظ تک کا شمار کیا تاکہ نقل کرتے وقت کسی قسم کی غلطی نسخوں میں داخل نہ ہو جائے۔ انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی روایات کو (جو متن کے الفاظ سے متعلق سینکڑوں برس سے سینہ بسینہ چلی آتی تھیں) لکھ کر اپنے شاگردوں کو دیں۔

یہ ظاہر ہے کہ اہلِ یہود کے دارالعلوم میں عبرانی کتب مقدسہ کے بہترین نسخے موجود تھے کیونکہ پہلی صدی مسیحی کے اختتام سے پیشتر صحیح متن کے نسخے تیار کئے گئے تھے۔ کتب عہدِ جدید سے ہم کو پتہ چلتا ہے کہ اہلِ یہود اپنی کتبِ مقدسہ کے الفاظ اور حروف تک کو کس وقعت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وہ ان کے الفاظ کی صحت پر زور دے کر ان سے استدلال کیا کرتے تھے۔ ان "لفظ پرست" فاضل احبار اور فقہا کے حلقہ نے اس دارالعلوم میں ۹۰ء اور ۱۱۸ء کی کونسلوں میں نہایت مستند اور بہترین نسخوں سے صحیح متن تیار کیا۔ غرضیکہ وہ اپنی کتبِ مقدسہ کے الفاظ اور حروف کو محفوظ رکھنے کے لئے جو کچھ بھی کر سکتے تھے اپنے علم اور لیاقت کے موافق کرتے رہے۔ ان کی نظر میں ان کی کتب کا ایک ایک شوشہ پاک اور واجب الاحترام تھا۔ (متی ۵: ۱۸)۔ لہٰذا انہوں نے حتی المقدور ان الفاظ کو بصحتِ تمام محفوظ رکھنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ جب ہم اس متن کا مقابلہ مروجہ عبرانی متن سے کرتے ہیں تو دونوں کو لفظ بلفظ تقریباً متفق پاتے ہیں۔

جب ہم تلمود اور ترجم کا مقابلہ عبرانی کتبِ مقدسہ سے کرتے ہیں تو ہم پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں کہیں ان کتب میں الہامی الفاظ کا صحیح اقتباس

کیا گیا ہے وُہ لفظ بلفظ موجُودہ عبرانی عبارت کے ساتھ ملتا ہے۔ پس ہم وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو عبرانی کُتبِ مُقدّسہ ہمارے ہاتھوں میں ہیں وُہ درحقیقت وُہی ہیں جو اُس زمانہ میں موجُود تھیں اَور ان میں کوئی ایسی تحریف واقع نہیں ہُوئی جس کی وجہ سے وُہ ساقط الاعتبار قرار دی جائیں۔

عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کے دیگر یُونانی ترجمے

اِسی زمانہ میں عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کے تین اَور یُونانی ترجمے بھی کئے گئے جو دُوسری صدی مسیحی میں ہُوئے تھے۔ ان کے مترجم یہُودی علمائے تھے جو اپنے زمانہ کے یکتا عالم تھے۔ ان کے نام اَکوِلا اَور سِمیاکس اَور تھیوڈوشن تھے۔

ان تراجم کی تاریخ نہایت دلچسپ ہے لیکن ہم یہاں بغرضِ اختصار صرف اَکوِلا کے ترجمہ کی کیفیت درج کرتے ہیں۔ اَکوِلا ایک رُومی بُت پرست تھا، جو حلقہء اُمرا میں سے تھا اَور قیصر رُوم کے خاندان کے ساتھ ناطہ رکھتا تھا۔ ایک دفعہ وُہ قیصر کے حُکم سے سرکاری کام پر یروشلیم گیا جہاں وُہ مسیحی ہوگیا۔ لیکن چُونکہ اُس کی زِندگی مسیحی چال چلن کے مطابق نہ تھی اَور وُہ شرک اَور اوہام پرستی میں مُبتلا رہتا تھا للذا یروشلیم کی چھوٹی سی مگر دلیر مسیحی کلیسیا نے اس کو علانیہ ملامت کی۔ اَکوِلا اپنی زِندگی کو سُدھارنے کی بجائے غُصّہ سے بھر گیا اُس نے مسیحیت کو ترک کرکے یہُودی مذہب اختیار کر لیا اَور مُوسوی شریعت و رسُوم کا جوشیلا مُبلّغ بن گیا۔ اُس نے طبریاس کے یہُودی دارالعلوم میں مشہور عالم اَور مسیحیت کے جانی دُشمن ربّی عقیبہ کے قدموں میں بیٹھ کر یہُودی

Aquila, Symmachus, Theodotion

علومِ دین کی تعلیم پائی۔

اُنہی دنوں میں یہودیوں اور مسیحیوں کے درمیان خداوند مسیح کی آمد کی پیشینگوئیوں کی نسبت بحث ہوا کرتی تھی۔ مسیحی یونانی ترجمہ سبعینیہ (سپٹواجنٹ) کو اپنی حجت ثابت کرنے کے لئے پیش کیا کرتے تھے۔ انجیل کی اشاعت سے پیشتر سوائے اہلِ یہود کے کوئی دوسرا اُن کی کُتبِ مُقدسہ کا یونانی ترجمہ نہیں پڑھتا تھا لیکن اب مسیحی اُنہی کی کتاب کو اپنے عقائد کے ثبوت میں پیش کرنے لگے۔ لہٰذا یہودی ربیوں نے اس ترجمہ کا نام "مسیحی بائبل" رکھ دیا اور اہلِ یہود کو اُس کے پڑھنے سے منع کر دیا بلکہ ایک یہودی ربی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اس ترجمہ کو معرضِ وجود میں لانے کے گناہ کے لئے تمام یہودی قوم کو سال میں ایک مرتبہ روزہ رکھنا چاہئیے۔ پس اب اُن کو یہ ضرورت پیش آئی کہ اہلِ یہود کے لئے ایک نیا ترجمہ یونانی زبان میں کیا جائے، کیونکہ عوام عبرانی زبان سے ناواقف تھے۔ مرتد اکولا نے ۱۳۰ء کے قریب اس کام کو سرانجام دیا۔

یہ ترجمہ عبرانی کا لفظی ترجمہ ہے، جیسا قرآن کا ترجمہ شاہ رفیع اللہ نے کیا ہے۔ اس میں عبرانی الفاظ کے ترجمہ کرنے میں یونانی قواعد صرف و نحو اور یونانی زبان کے محاورہ کی مطلقاً پروا نہیں کی گئی بلکہ عبرانی الفاظ کا لفظ بلفظ یونانی میں ترجمہ کیا گیا ہے حتیٰ کہ عبرانی مصدر کے مشتق الفاظ کا اُن کے مطابق کے مشتق الفاظ سے ترجمہ کیا گیا، جس کی وجہ سے یہ ترجمہ اکثر اوقات مضحکہ خیز اور بے معنی ہو جاتا ہے۔ یہ ترجمہ اہلِ یہود میں مستند سمجھا جانے لگا۔

چونکہ یہ ترجمہ اصل عبرانی زبان کا لفظی ترجمہ ہے، پس اُس زمانہ کے اصل عبرانی

متن کے الفاظ معلوم کرنے کے لئے اِن دونوں پہلوؤں سے نہایت بیش قیمت ہے اور جب ہم اِس بات کو مدِنظر رکھتے ہیں کہ اکیولا طبریاس کے یہودی دارالعلوم میں طالب علم رہ چکا تھا اور بہترین کنعانی متن سے واقف تھا تو یہ ترجمہ اُس زمانہ کے مستند عبرانی متن کو معلوم کرنے کے لئے نہایت گرانقدر ہوجاتا ہے۔ جب ہم اس لفظی ترجمہ کا مقابلہ موجودہ عبرانی متن سے کرتے ہیں تو دونوں میں حیرت انگیز اتفاق پاتے ہیں کیونکہ دونوں میں بمشکل اختلافات نظر آتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ عبرانی متن لفظ بلفظ تقریباً وہی متن ہے جو اس مترجم کے سامنے تھا۔

اکیولا کا یونانی ترجمہ لفظی ترجمہ تھا۔ لیکن سمیکس کا ترجمہ (۱۷۵ء کے قریب) بامحاورہ ترجمہ تھا جو زبان کے لحاظ سے یونانی ترجموں میں بے نظیر اور یکتا تھا۔ یہ مترجم نسل کا سامری تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے یہ ترجمہ جو اُس کی جینِ حیات میں دوبار شائع ہوا، غالباً سامریوں کے لئے یونانی زبان میں کیا تھا۔

تیسرے مترجم مسیحی عالم تھیوڈوشن (۱۸۵ء کے قریب) کا مقصد یہ تھا کہ یونانی ترجمہ سبعینیہ (سپٹواجنٹ) کی مروجہ عبرانی متن کے ذریعہ نظرِ ثانی کرے۔ جس طرح اکیولا کے ترجمہ نے اہلِ یہود کے دلوں میں گھر کر لیا اُسی طرح اس ترجمہ نے مسیحی کلیسیا میں عام مقبولیت حاصل کر لی۔

ہر سہ تراجم مختلف پہلوؤں سے اُس زمانہ (دوسری صدی) کے عبرانی متن کے الفاظ کو معلوم کرنے کے لئے نہایت کارآمد ہیں۔ جب ہم موجودہ عبرانی متن

کا ہر سہ تراجم سے مقابلہ کرتے ہیں تو امر پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ موجودہ عبرانی متن باستثنائے معدودے چند الفاظ و فقرات وہی عبرانی متن ہے جو طبریاس کے دارالعلوم میں مستند مانا جاتا تھا کیونکہ ان ترجموں کے الفاظ تورات سامری اور ترجمۂ یونانی سپٹواجنٹ سے بھی کہیں زیادہ موجودہ عبرانی متن کے الفاظ سے ملتے ہیں۔

عبرانی کتب مقدسہ کا سُریانی ترجمہ

ملک شام کی مسیحی کلیسیا نے بھی اسی زمانہ میں یہودی کتب مقدسہ کا سُریانی زبان میں ترجمہ کیا جس کا مفصل ذکر اسی رسالہ کے حصہ دوم میں آئیگا۔ یہ ترجمہ غالباً پہلی صدی میں ہی کیا گیا تھا۔

خاندان ادیابین کے بادشاہ نے سنہ ۳ء کے قریب یہودی مذہب اختیار کر لیا۔ اب شاہی خاندان کے بچے تعلیم حاصل کرنے کے لئے یروشلم بھیجے جانے لگے۔ پس یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ کتب مقدسہ کا ترجمہ سُریانی زبان میں کیا جائے اور پہلی صدی مسیحی کے نصف میں تورات اور چند دیگر کتب کا اور کتب کے حصوں کا ترجمہ سُریانی زبان میں کیا گیا۔ لیکن جب شام کے ملک میں کلیسیا کی اشاعت ہوئی تو بزرگانِ کلیسیا نے اس کو ناکافی سمجھ کر عبرانی زبان سے سیکھ۔ سُریانی زبان میں خود ترجمہ کیا۔ شامی کلیسیا (جیسا ہم اپنی کتاب "مقدس توما رسول اور ہند" میں بتلا آئے ہیں) پہلی صدی کے اواخر میں ادیابین کے دارالسلطنت میں قیام پذیر تھی، اور دوسری صدی سے اڈیسہ جو بالائی فرات کے مشرق کی جانب تھا۔ تمام مسوپوتامیہ کی مسیحی کلیسیاؤں کا مرکز ہو گیا تھا۔

ترجمۂ سبعینیہ کے بعد کتبِ مقدسہ کا یہ سُریانی ترجمہ نہ صرف قدیم ترین ترجمہ ہے بلکہ سب سے زیادہ اہم شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے متن کی نسبت مشہور نقاد ایس۔ آر۔ ڈرائیور کہتا ہے کہ یہ ترجمہ ثابت کر دیتا ہے کہ اس کا اصل متن وہی تھا، جو ماسوراہی متن کہلاتا ہے۔

یہ ترجمہ لفظی ترجمہ نہیں ہے بلکہ بامحاورہ سلیس اور سادہ سُریانی زبان میں کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ کم از کم ۱۵۰ء تک رائج ہو گیا تھا۔ یہ مسیحی کلیسیا کا قدیم ترین ترجمہ پشیتہ[1] (یعنی سادہ) ہے اور عبرانی زبان سے سیدھا سُریانی زبان میں کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ ترجمہ بڑے اعلیٰ پایہ کا ہے لہٰذا پہلی صدی مسیحی کے عبرانی متن کے الفاظ کو معلوم کرنے کے لئے نہایت کارآمد ہے۔ جب ہم اس مسیحی ترجمہ کے عبرانی متن کا موجودہ یہودی کتبِ مقدسہ سے عبرانی متن سے مقابلہ کرتے ہیں تو باستثنائے چند الفاظ و آیات دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ لفظاً بلفظ متفق پاتے ہیں، جس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ موجودہ عبرانی متن وہی ہے جو منجی عالمین خداوند یسوع مسیح کے دنوں میں رائج تھا۔

اوریجن کا ترجمہ

اوریجن مسیحی کلیسیا میں ایک نہایت زبردست اور جید عالم گذرا ہے۔ کتبِ مقدسہ کے علم میں وہ یکتائے زمانہ اور وحید العصر تھا۔ اُس نے ۲۴۰ء میں مروجہ عبرانی متن اور سپٹواجنٹ کے ترجمہ اور اکولا۔ سیمکس اور تھیوڈ وشن کے تراجم کو اور اپنے ترجمہ کو (جس میں اُس نے سپٹواجنٹ ترجمہ کی نظرِثانی کی تھی)، ایک ہی صفحہ میں ایک دوسرے کے مقابل سطور میں ترتیب وار لکھا۔ ایسا کہ پہلی قطار میں اُس نے عبرانی متن کو نقل کیا۔ اُس کے مقابل دوسری قطار میں اُسی عبرانی متن کو یونانی حروفِ تہجی میں

1. The Peshitta

منتقل کیا۔ تیسری قطار میں اکولا کے ترجمہ کو اور چوتھی قطار میں سمیکس کے ترجمہ کو نقل کیا۔ پانچویں قطار میں اُس نے ترجمہ سبعینیہ کی نظر ثانی کر کے اُس کو نقل کیا۔ چھٹی اور آخری قطار میں اُس نے تھیوڈوشن کا ترجمہ نقل کیا۔ یہ عظیم الشان کام ۲۴۵ء میں ختم ہوا۔ یہ ضخیم نسخہ ارضِ مقدس کے شہر قیصریہ میں رکھا گیا جہاں مقدس جیروم نے اس کا مطالعہ کیا تھا۔ جب عرب نے ۶۳۰ء میں ارضِ مقدس کو فتح کیا تو اُس کے بعد یہ قلمی نسخہ لاپتہ ہو گیا۔

اوریجن نے ان مختلف تراجم کو مقابل سطور میں لکھا تاکہ اِن کا مقابلہ کر کے اُن کے اختلافات کو جانچے۔ اِس کتاب کا نام ہکسپلا[ے] ہے۔ یہ زبردست عالم اس نتیجہ پر پہنچا کہ باستثنائے چند الفاظ و آیات اِن چاروں یونانی ترجموں کے عبرانی اصل میں اور اُس کے زمانہ کے عبرانی متن میں فرق نہیں تھا۔ ناظرین اس یگانہ عالم کی محنت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ وہ ہم کو یہ بھی بتاتا ہے کہ اُس کے اپنے زمانہ کے تمام عبرانی نسخہ جات قریباً لفظاً بلفظاً ایک دوسرے سے متفق تھے جس سے ہم پر یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ اہلِ یہود کس احتیاط سے نسخوں کو نقل کرتے تھے۔

قدیم لاطینی ترجمہ

کتبِ عہدِ عتیق کا ایک ترجمہ یونانی سے لاطینی میں کیا گیا، جو اوریجن کے نسخہ سے بھی زیادہ قدیم تھا۔ اس کی قدامت کی وجہ سے اِس کو "قدیم" لاطینی ترجمہ کہتے ہیں۔ اس کا مفصل ذکر ہم اِس رسالہ کے حصہ دوم میں کریں گے۔ موجودہ زمانہ کے نسخوں میں یہ ترجمہ تمام کا تمام

ے Hexapla by Origen

موجود نہیں ہے۔ گو اس کے متعدد حصے موجود ہیں۔ یہ ترجمہ ۲۵۰ء کے قریب مسیحی کلیسیا میں مروج تھا اور سپرین[1] اِس کا بہت استعمال کرکے اس کے متعدد حصوں کے اقتباسات کرتا ہے۔ جب ہم اِن متعدد حصوں اور مقدس سپرین کے اقتباسات کا مقابلہ مروجہ عبرانی متن کے ساتھ کرتے ہیں تو ہم پر دونوں کی موافقت ظاہر ہو جاتی ہے۔

مُقدس جیروم کا لاطینی ترجمہ

مسیحی عالم جیروم[2] نے یہودی کتب مقدسہ کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا۔ یہ شخص عبرانی کا شہرۂ آفاق عالم تھا اور اس کے اُستاد سرزمین کنعان کے یہودی مدرسوں میں تعلیم پا چکے تھے۔ پس ۳۸۲ء میں پوپ ڈیمے سس[3] نے اُس کو حکم دیا کہ کتب مقدسہ کا ترجمہ عبرانی سے لاطینی زبان میں کرے۔ جیروم کا ایک اُستاد طبریاس کے مدرسہ کا عالم تھا جس نے عبرانی سے لاطینی میں ترجمہ کرنے میں اُس کو مدد دی۔ پس مقدس جیروم کو مستند کنعانی متن کے نسخے جو نا لبا خداوند مسیح کے زمانہ سے سینکڑوں برس پہلے کے تھے دستیاب بھی ہو سکتے تھے۔ یہ مسیحی عالم ترجمہ سبعینیہ (سپٹواجنٹ) میں چند غلطیاں نکالتا ہے اور بتاتا ہے کہ فلاں فلاں جگہ یہ ترجمہ اصل عبرانی سے مختلف ہے اور جب ہم اُس کے اصل عبرانی کے اقتباسات کو ملاحظہ کرتے ہیں تو اُن کو موجودہ عبرانی متن کے موافق پاتے ہیں۔ وہ چند ایک عبرانی آیات کو لاطینی حروف میں نقل بھی کرتا ہے جس سے ہم پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ اُس زمانہ کا تلفظ موجودہ اِعراب کے مطابق تھا۔ اگرچہ

1. Cyprain 2. Jerome 3. Pope Damasus

اُس زمانہ کے عبرانی نسخوں میں اعراب کا وجود بھی نہ تھا۔ یہ ترجمہ ۳۹۲ء
میں شروع ہوا اور ۴۰۵ء میں اختتام کو پہنچا۔

مقدس جیروم کا لاطینی ترجمہ[1] (وُلگیٹ) صدیوں سے نہایت اعلیٰ اور مستند ترجمہ مانا گیا ہے اور چونکہ وہ کسی ترجمہ کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ سُریانی ترجمہ کی طرح سیدھا اصل عبرانی سے ترجمہ کیا گیا ہے، لہٰذا نہایت اعلیٰ پایہ کا ہے یہاں تک کہ مقدس اگسٹین[2] جیسا عالم بھی اپنے آخری دنوں میں اسی ترجمہ کو مستند مان کر استعمال کرنے لگ گیا تھا۔ اس ترجمہ کو قرونِ وسطیٰ میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا یہاں تک کہ بعض اشخاص سیپٹواجنٹ کی طرح اس ترجمہ کو بھی الہامی سمجھنے لگ گئے تھے۔ دورِ حاضرہ میں بھی یہ ترجمہ رُومی کلیسیا کی نظر میں نہایت مستند اور معتبر ترین ترجمہ ہے۔ اس کلیسیا نے دُنیا کی مختلف زبانوں میں اس ترجمہ کا ترجمہ کر دیا ہے اور صرف اسی کے ترجموں کو مستند قرار دیا ہے۔ جب ہم اس لاطینی ترجمہ کا مقابلہ موجودہ عبرانی متن سے کرتے ہیں تو ہم پر یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ مستند کنعانی متن جس کا یہ ترجمہ ہے باستثنائے چند الفاظ و فقرات و آیات موجودہ عبرانی متن سے حرف بحرف متفق ہے۔

کنعانی متن کے مستند ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ صدیوں سے ارضِ مقدس کنعان کے ربیوں اور فقیہوں کا مستند متن تھا جو نہایت احتیاط سے صحت کے ساتھ نقل کیا کرتے تھے۔ ان کو حکم تھا کہ نقل کرتے وقت نہ کسی حرف کو گھٹائیں اور نہ بڑھائیں۔ یہودی مؤرخ یوسیفس بڑے فخر سے کہتا ہے کہ "یہ

1. Vulgate 2. Augustine

متنِ انبیا مستند ہے کہ تمام صدیوں میں کسی شخص کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ کتبِ مقدسہ میں الفاظ کو کم و بیش کرے یا تبدیل کر دے۔ خواہ ان نقیہوں کو مجنوں اور دیوانہ ہو خواہ لفظ پرست کہو۔ خواہ اُن کے عقیدہ کو رجزاہل اسلام کا سا ہے، کہ اُن کی کتبِ مقدسہ کے ہر شوشہ میں پوشیدہ مطالب نہاں ہیں عقل کے خلاف قرار دو۔ لیکن اُن کے اِن جذبات و خیالات نے یہودی کتبِ مقدسہ کے اصل متن کو نہایت صحت کے ساتھ محفوظ رکھا ہے۔ اور ہم وثوق کے ساتھ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ موجودہ عبرانی متن باستثنائے چند الفاظ و فقرات و آیات بجنسہ وہی ہے جو ہزار ہا سال پہلے موجود تھا۔

سیپٹواجنٹ کے نسخے

وادیٔ قمران سے بعض دُوسری اور تیسری صدی کے پارے دستیاب ہوئے ہیں جو یونانی ترجمہ سبعینیہ کے قدیم ترین نسخوں کے پارے ہیں۔ یہ پارے حضرت میکاہ۔ یوناہ۔ ناحوم حبقوق۔ صفنیاہ اور زکریاہ انبیا نے سلف کی کتب کے پارے ہیں۔ علما نے اِن قدیم ترین یونانی نسخوں کے پاروں کے متن کا موجودہ سیپٹواجنٹ کے متن سے مقابلہ کر کے دونوں کے متنوں میں حیرت انگیز مطابقت پائی ہے۔ ان پاروں کی دستیابی سے بھی یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ترجمہ سبعینیہ نہ صرف قبل از مسیح اور خداوند مسیح کے زمانوں میں اہلِ یہود میں مروج تھا بلکہ خداوند کی ظفریاب قیامت کے بعد بھی ایک صدی سے زائد عرصہ تک قومِ یہود میں مستعمل ہوتا رہا تھا اور کہ اس کا متن صدیوں تک یہودی حلقوں کے اندر اور باہر دقعت اور احترام سے دیکھا جاتا تھا۔ اہلِ یہود اس ترجمہ سبعینیہ کے اس قدر عاشق تھے اور اُن کی اس ترجمہ سے اس قدر لگن اور عقیدت

تھی کہ ان میں یہ روایت جاری ہو گئی کہ اس کے مترجمین مُلہم اشخاص تھے اور ترجمہ کے الفاظ الہام کئے گئے تھے لیکن جب مسیحی عُلماء نے اس ترجمہ کی بنا پر اپنے دلائل مبنی کر کے یہودی فضلاء کا ناک میں دم کر دیا تو اُنہوں نے مصداق "تنگ آمد بجنگ آمد" اِس ترجمہ کے خلاف پراپگنڈا کیا اور اکیولا اور سمیکس کے ترجموں کو ترجیح دینے لگے۔

وادیٔ قمران کے مذکورہ بالا نسخوں کے علاوہ ترجمہ سبعینیہ (سپٹواجنٹ) کے نُسخے جو تیسری، چوتھی اور پانچویں صدی مسیحی (یعنی از ۲۰۰ء تا ۴۰۰ء) کے ہیں ہم کو دستیاب ہوئے ہیں۔ ان یونانی نسخوں کا ذکر مفصل طور پر عہدِ جدید کی کُتب کی صحت کے تذکرہ میں کیا جائے گا۔ یہ نُسخے نہایت معتبر اور اعلیٰ درجہ کے مستند نسخے ہیں۔ حوادثِ زمانہ کے ہاتھوں عہدِ عتیق کی کُتب کے بعض حصص ان نسخوں میں ضائع ہو گئے ہیں، لیکن جو موجود ہیں وہ اس امر کو ثابت کر دیتے ہیں کہ موجودہ عبرانی متن سوائے چند ایک اختلافات کے وہی ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے۔ مثلاً کوڈ سینا کے نُسخہ کے بہت سے اوراق ضائع ہو گئے ہیں، لیکن نُسخہ سکندریہ میں عہدِ عتیق کی تمام کُتب محفوظ ہیں۔ نُسخہ ویٹی کن میں سے پیدائش کی کتاب کے پہلے چھیالیس باب اور زبور ۱۰۵ تا ۱۳۷ نہیں ہیں۔ لیکن باقی حصص من و عن محفوظ ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس دیگر نسخوں مثلاً افرائیمی سے بھی عہدِ عتیق کی کُتب کے بہت سے حصص ضائع ہو گئے ہیں لیکن باقیماندہ حصص کا موجودہ عبرانی متن سے جب مقابلہ کیا جاتا ہے تو یہ امر ہر محقق پر روشن ہو جاتا ہے کہ کُتب عہدِ عتیق میں کسی شخص نے عمداً تحریف کرنے کا ارتکاب نہیں کیا۔

مذکورہ بالا تین مشہور و معروف نسخوں کے علاوہ گذشتہ چند سالوں میں چند قدیم نُسخے دستیاب ہوئے ہیں جو سپٹواجنٹ کے جزو اور پارے ہیں۔ یہ پارے دوسری

اور تیسری صدی مسیحی کے ہیں۔ ان دریافتوں نے یونانی ترجمہ سپٹواجنٹ کا تواتر اور تسلسل قائم کر کے اُس وقفہ کو مٹا دیا ہے جو اصل مترجمین سپٹواجنٹ اور نسخۂ سینا کے درمیان واقع تھا۔

ترجمہ پشیتہ کے علاوہ ایک اور سریانی ترجمہ کیا گیا تھا جو عبرانی متن کا ترجمہ نہیں تھا۔ بلکہ یونانی ترجمہ سبعینیہ کا ترجمہ تھا۔ ان تراجم کے علاوہ قبطی۔ افریقی۔ گاتھک۔ آرمینی اور عربی زبانوں میں بھی عہد عتیق کی کتب کا ترجمہ کیا گیا تھا۔ ان مختلف تراجم کا احوال ہم شرح اور بسط کے ساتھ اس رسالہ کے حصہ دوم میں کریں گے۔ یہاں یہ عرض کر دینا کافی ہے کہ محققین اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ ان تراجم اور موجودہ عبرانی متن میں ایسا اتفاق ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ خدا نے اپنی کتب سماوی کو کس طرح محفوظ رکھا ہے۔

قرآن کی شہادت

یہودی زمانہ کے آخر میں عبرانی کتب مقدسہ کے متن کی صحت کی شہادت ہمیں ایک ایسی جانب سے ملتی ہے جس کی ہم کو توقع نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ اہلِ یہود کے دشمنوں نے دی ہے۔ لہذا یہ شہادت بڑی زبردست شہادت ہے۔ اس شہادت کے سامنے صدیوں سے کروڑوں شخص سربسجود رہے ہیں۔ ہمارا مطلب رسولِ عربی کی شہادت سے ہے جو قرآن میں مندرج ہے۔ اہلِ یہود رسولِ عربی کے سخت دشمن تھے۔ یہودی ہمیشہ آپ کو ستاتے رہے۔ قرآن میں کئی دفعہ اہلِ یہود کو باغی اور سرکش کہا گیا ہے لیکن رسولِ عربی کی خدا ترسی اور راست روی نے ان کی کتبِ مقدسہ کو ہمیشہ تعظیم اور احترام کی نظر سے دیکھا۔ آپ ان کے تمام انبیا کے قائل رہے اور ان کی کتبِ مقدسہ کی شان میں بہترین اور پاک ترین الفاظ کو ہی استعمال کرتے رہے۔ مشتے نمونہ از خروارے مثال کے طور پر ذیل کی

چند آیات ملاحظہ ہوں :-

"کتاب موسیٰ امام اور رحمت ہے" (احقاف)۔ اس میں "صاف نشانیاں موجود" ہیں۔ وہ "نور دینے والی کتاب" ہے (فاطر)۔ وہ "کتاب راہ دکھانے والی اور سمجھ والوں کو یاد دلانے والی ہے (مومن)۔ وہ "کتاب جو موسیٰ لایا لوگوں کی روشنی اور ہدایت ہے (انعام)۔ وہ "احسن بات پر کامل ہے اور ہر شے کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت ہے" (انعام)۔ "وہ بنی نوع انسان کے لئے بصیرت اور ہدایت اور رحمت ہے" (قصص)۔ "موسیٰ اور ہارون کے فرقان میں روشنی اور نصیحت خدا پرستوں کے واسطے ہے" (انبیاء)۔ وغیرہ وغیرہ۔ تفصیل کے لئے ناظرین ضمیمہ ملاحظہ کریں۔

عبرانی کتب مقدسہ کے متن کے نقل کرنے والوں اور استادوں کی نسبت بھی قرآن عربی ذیل کے الفاظ استعمال کرتا ہے "بیشک ہم ہی نے توریت نازل کی جس میں (ہر طرح کی) ہدایت اور نور (ایمان) ہے۔ خدا کے فرمانبردار (بندے) انبیاء (بنی اسرائیل) اسی کے مطابق یہودیوں کو حکم دیتے چلے آئے ہیں اور (انبیاء کے علاوہ یہودیوں کے) ربی (یعنی مشائخ) اور علماء بھی، کیونکہ کتاب اللہ کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے اور وہ اس کی محافظت کرتے بھی رہے" (مائدہ ترجمہ نذیر احمد)۔ اس آیت کے متعلق بیضاوی لکھتا ہے۔ ومھیمنا علیہ، ورقیباً علی سائر الکتب یحفظہ عن التغیر ویشھد لھا بالصحۃ والثبات یعنی اور اس پر محافظ کل کتب ربانی کا جو محفوظ رکھتا ہے ان کو تغیر سے اور شہادت دیتا ہے ان کی صحت اور ثبات پر"۔

قرآن عربی میں دو جگہ عبرانی کُتبِ مُقدّسہ کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔ اوّل "ہم نے زبور میں لکھا ہے کہ میرے بندگانِ صالح زمین کے وارث ہونگے" (انبیا) اور دوم۔ "اور ہم نے توراۃ میں یہود کو تحریری حُکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ" (مائدہ) جب ہم ان دو آیات کا مقابلہ زبور ۳۷ : ۲۹ اور خرُوج ۲۱ : ۲۴۔ احبار ۲۴ : ۱۰۔ استثنا ۱۹ : ۲۱ اور متی ۵ : ۳۸ سے کرتے ہیں تو ان کُتبِ مُقدّسہ کی صحت میں چُون وچرا کی مُطلق گنجائش ہی نہیں رہتی۔

اتقان نوع ۱۹ میں لکھا ہے "ابن ابی حاتم نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے کہا کہ ہم یہ کہا کرتے تھے کہ زبور میں ایک سو پچاس سُورتیں ہیں۔ جو سب کی سب مواعظ اور ثنا میں ہیں اور ان میں حلال وحرام اور فرائض اور حدُود (یعنی سزاؤں) کا کہیں ذکر بھی نہیں اور لوگوں نے بیان کیا کہ ایک سُورت کا نام سورۃ الامثال ہے"۔ کیا یہ بیان کتاب زبور کے مضامین اور امثال پر بلفظہٖ صادق نہیں آتا۔ پس قرآن وحدیث کُتبِ عہدِ عتیق وجدید کی صحت کے شاہد ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ قرآن خُود اپنی صداقت کی تائید میں ان کُتب کے مصدق ہونے کا بار بار دعویٰ کرتا ہے۔ اہلِ کتاب کے لئے قرآن اور رسُولِ عربی کے پاس صرف یہی ایک دلیل تھی اور یہی وجہ تھی کہ رسُولِ عربی اپنی اُمت کو حُکم دیتے ہیں کہ (مسلمانو، تم یہود اور نصاریٰ کو یہ) کہو کہ ہم تو اللہ پر ایمان لائے ہیں اور قرآن، جو ہم پر اُترا۔ اور (صحیفے) جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولادِ یعقوب پر اُترے (اُن پر)۔ اور مُوسےٰ اور عیسےٰ کو جو (کتاب) ملی (اس پر)۔ اور جو (دُوسرے)

پیغمبروں کو اُن کے پروردگار کی طرف سے ملا، اُس پر۔ ہم اِن پیغمبروں میں سے کسی ایک میں بھی کسی طرح کی جُدائی نہیں سمجھتے اور ہم اُسی (ایک خدا) کے فرمانبردار ہیں" (البقرہ۔ ترجمہ نذیر احمد)۔ اور رسولِ عربی نے اپنی اُمت کو تنبیہ کی اور کہا "مسلمانو! اللہ پر ایمان لاؤ اور اُس کے رسول (محمد) پر اور اس کتاب (قرآن) پر جو اُس نے اپنے رسول (محمد) پر اُتاری ہے اور اُن کتابوں پر جو (قرآن سے) پہلے (دوسرے پیغمبروں پر) اُتاریں۔ اور جو شخص اللہ کا منکر ہوا اور اُس کے فرشتوں کا اور اُس کی کتابوں کا اور اُس کے رسولوں کا اور روزِ آخرت کا تو وہ راہِ راست سے بہک کر دُور جا بھٹک گیا" (نساء۔ ترجمہ نذیر احمد)

رسولِ عربی یہودی ربیوں اور فقیہوں کو ایسا ثقہ راوی خیال کرتے تھے، کہ حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے اپنی اُمت کو حکم دیا تھا کہ جو یہودی ربی اور اُستاد تعلیم دیں اور روایت کریں اُن کو نقل کریں اور دوسروں تک پہنچائیں۔

(مشارق الانوار ۱۸۹۶ء)

کہاں قرآن شریف کی یہ شہادت اور حضرت رسولِ عربی کا یہ قول اور کہاں علمائے اسلام کا بے بنیاد اور خلافِ واقعہ قول کہ "تورات یہودیوں کی عدم احتیاط، اغراضِ ذاتی اور زمانہ کے انقلابات سے سرتاپا مسخ ہو گئی ہے" اور خصوصاً پیغمبرِ خاتم کے متعلق اُس میں جو تصریحات اور تلمیحات تھیں، یہود کے دستِ تصرف نے اُن کو پامال برباد کر دیا ہے (شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۱۲۰)

ع ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

مسئلہ تحریف کے موضوع کو مکمل کرنے کی خاطر ہم نے اِس کتاب کے ضمیمہ میں

قرآنی زاویۂ نگاہ سے اس خار دار سوال پر مرحوم مسٹر اکبر مسیح کی مفصل بحث درج کی ہے۔ لہٰذا ہم یہاں ناظرین کی توجہ اس ضمیمہ کی جانب مبذول کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

نتیجہ پس مختلف جوانب سے یعنی یہودی مدرسوں۔ مسیحی مصنفوں اور اسلامی کتب سے بھی ایک صدا سنائی دیتی ہے کہ عبرانی کتب مقدس درحقیقت وہی ہیں جو انبیاء اللہ پر نازل ہوئی تھیں اور مختلف ادوار میں نہایت صحت کے ساتھ نقل ہوتی چلی آئی ہیں۔

باب ہفتم

دورِ چہارم

مسوراہی زمانہ

(از ۶۰۰ء تا ۱۵۰۰ء)

مسورہ ہم نے مسور بالا میں دیکھا ہے کہ حضرت عزرا کے زمانہ اور تلمودی زمانہ میں صحیح قرأتوں کی نسبت ایسی روایت موجود تھیں جو یہودی ربیوں اور فقیہوں میں پشت در پشت اور سینہ بسینہ چلی آتی تھیں۔ تلمودی زمانہ کے آخر

میں اہل یہود کے قومی اور ملی حالات نے ان کو مجبور کیا کہ ان روایات کو احاطہ تحریر میں لے آئیں۔ یوں تحریری "مسورہ"[1] (یعنی روایت) کی ابتدا ہوئی۔ جن اشخاص نے ان صحیح قراتوں کو جمع اور ترتیب دے کر لکھا اُن کو "مسوراہی" یعنی رُوات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور اُن کے صحیح متن کا نام "مسوراہی متن" ہے۔ یہ وہی عالم اور فاضل اشخاص تھے جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے۔ والربانیون والاحبار بما استحفظوا من کتاب اللہ وکانوا علیہ شہداء۔ یعنی ربی اور علماء، جو کتاب اللہ کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے اور وہ اس کی محافظت کرتے بھی رہے (سورہ مائدہ ع ۷)۔ ان مسوراہی علماء اور فقیہوں نے قدیم زمانہ کے مختلف نسخہ جات کو فراہم کر کے ان کا باریک اور تنقیدی نگاہ سے مطالعہ کیا۔ اور اس فن کو کمال تک پہنچا دیا۔ وہ عبرانی زبان اور اس کی صرف ونحو۔ اور عبرانی کتب مقدسہ اور ان کے علم تفسیر کے ماہر تھے۔ انہی فقہا نے عبرانی زبان کے اعراب ایجاد کیئے اور مستند تلفظ کے مطابق حروف کی حرکات وسکنات کو مقرر کیا۔

مسوراہی علماء "سوفریم"[2] کے جانشین تھے اور کتب مقدسہ کے متن کی ایک ہزار سال تک حفاظت کرتے رہے۔ وہ گویا "موسیٰ کی گدی" پر بیٹھ کر ان کتب کے ایک ایک "نقطہ اور شوشہ" (متی ۵: ۱۸) کی دیکھ بھال میں دن رات مصروف رہتے تھے۔ ان علماء میں سب سے زیادہ ہارون بن آشر کا نام ہے جو ۹۲۵ء میں تھا۔ اس عالم کا خاندان اُس سے پہلے پانچ پشتوں سے عبرانی متن کے ایک ایک حرف کا

[1] Massora

[2] اہل یہود کی کتاب تلمود میں لکھا ہے کہ کتب مقدسہ کے کاتبوں کو "سوفریم" کا نام دیا گیا تھا کیونکہ وہ تورات شریف کے ایک ایک حرف کا شمار کیا کرتے تھے (Qiddushin 30a)

قدیم نسخوں کے متن کا غور و تدبر کے ساتھ نہایت جانفشانی سے غائر مطالعہ کرتا چلا آیا تھا تاکہ صحیح ترین متن کو جس کا ایک ایک نقطہ اور شوشہ صحیح ہو تلاش کر کے لکھا جائے۔ چھ پشتوں کے مطالعہ کے بعد ہارون کے زمانہ میں یہ مبارک کام سرانجام پایا۔ اِن چھ پشتوں کی مساعیٔ جمیلہ کا متن اب ملک اسرائیل میں محفوظ ہے۔

یہ معیاری متن نہایت کاوش کے بعد قائم کیا گیا۔ اس متن کی صحت ایسی بے مثال ہے کہ اب جو وادیٔ قمران کے طومار دستیاب ہوئے ہیں (جو ہارون بن آشر سے صدیوں پیشتر زیر زمین مدفون پڑے تھے) اور جن کا گہرا مطالعہ کیا گیا ہے، اس لئے یہ حقیقت آفتابِ نصف النہار کی طرح روشن ہو گئی ہے کہ ان مسوراہی علما کے متن میں وادیٔ قمران کے نسخوں کے متن میں کلی مطابقت پائی جاتی ہے۔

مسوراہی علماء کے دو بڑے فریق تھے۔ ایک فریق بابلون میں تھا جو صدیوں سے یہودی علم و فضل کا مرکز تھا۔ دوسرا فریق کنعان میں تھا جس کا مرکز طبریاس تھا جہاں مسورہ کا مطالعہ صدیوں تک جاری رہا۔ عبرانی کتبِ مقدسہ کے مطالعہ میں دونوں فریق ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ دونوں کی قراءتوں میں چند ایک اختلافات تھے جو نہایت باریک تھے، اور جو "شرقی" اور "مغربی" قرائتیں کہلاتی ہیں لیکن یہ اختلافات ایسے معمولی قسم کے تھے کہ اُن سے کسی لفظ کے معنی میں فرق نہیں پڑتا تھا ناظرین خود ہی دیکھ سکتے ہیں کہ جب یہ علماء خفیف سے خفیف اختلافات پر (جن سے کسی لفظ کے معنے میں فرق نہیں پڑتا تھا) اِس قدر زور دیتے تھے تو وہ بھلا عبرانی کتبِ مقدسہ کے متن کی صحت کے کس قدر عاشق اور دلدادہ نہ ہوں گے؟ ربی عقیبہ کا قول ہے کہ "مسوراہ کتبِ مقدسہ کی صحت کی محافظ ہے" اور یہی قرآن کا قول بھی ہے جو

ہم سورۂ مائدہ ع ۷ سے اُوپر نقل کر آئے ہیں۔

مسوراہی عُلما مختلف عبرانی کُتبِ سماوی کے ابواب ۔آیات ۔الفاظ ۔ حرُوف ۔ اِعراب وغیرہ پر نہایت مبسوط طور پر نظر کرتے تھے مثلاً اِن فقہا نے شریعت کے تمام احکام کا شمار کر کے بتلایا ہے کہ وُہ تعداد میں چھ سَو تیرہ ہیں۔ اُنہوں نے مختلف نُسخہ جات کا مقابلہ کر کے جہاں کہیں کتابت کی غلطیاں دیکھیں دُرست کر دیں، اَور جہاں کہیں الفاظ کا اَدل بدل پایا، یا غیر معمولی الفاظ کو دیکھا تو اُن کو قلم بند کر کے اُن کا خاص لحاظ رکھا۔ اُنہوں نے اختلافِ قِرأت کا خیال رکھ کر اُس کو بھی قلم بند کیا، لیکن خاص عبرانی متن میں کسی دُوسری قِرأت کو جگہ نہ دی۔ بلکہ جس قرأت کو وُہ دُرست یا بہتر خیال کرتے تھے، وُہ اُس کو حاشیہ میں لکھ دیتے تھے۔ اِس حاشیہ کی قِرأت کو وُہ ''قری'' (یعنی پڑھنا) کہتے تھے، اَور متن کی قِرأت کو ''کُتب'' (یعنی لکھی ہُوئی) کہتے تھے۔ یُوں قرأتوں کو الگ رکھ کر، پڑھتے وقت وُہ حاشیہ کی قِرأت پڑھتے تھے۔ لیکن نقل کرتے وقت وُہ صرف متن کی قِرأت کو ہی متن میں جگہ دیتے تھے۔ اِن مسوراہی فقہا نے اِس کام کو ایسی تن دہی جاں نشانی اَور عرق ریزی سے سر انجام دیا کہ اُنہوں نے عبرانی کُتبِ مُقدسہ کی مختلف کتابوں اَور اُن کتابوں کے مختلف حِصّوں کی آیات اَور الفاظ کی تعداد شمار کرنے پر ہی قناعت نہ کی بلکہ ہر ایک کتاب کے حرُوف تک گِن ڈالے اَور اِن اعداد کو حِفظ کرنے کے لئے اشعار بنائے جن کو وُہ زبانی یاد کر لیتے تھے۔ وُہ یہ بتا سکتے تھے کہ فلاں لفظ کتنی مرتبہ کس کس کتاب کی آیات کے شروع درمیان یا آخر میں مستعمل ہُوا ہے۔ وُہ مختلف کتابوں کی درمیانی آیت، درمیانی لفظ اَور درمیانی حرف تک کا حساب رکھتے تھے۔

ابتدا میں مسوراہ علیحدہ کتابوں میں تحریر کیا جاتا اور فقہا ان کتابوں کا استعمال درس کے وقت کیا کرتے تھے لیکن بعد میں وہ عہدِ عتیق کے نسخوں کے حاشیہ میں ذیلی حواشی کے طور پر لکھا جاتا تھا۔ مسوراہی فقہا بالخصوص دو امور کا خیال رکھتے تھے۔ اوّل یہ کہ نسخوں کی کتابت میں کیا لکھا ہے۔ دوم یہ کہ صحیح قرأت کیا ہونی چاہیئے۔

مسوراہی فقہا اُن الفاظ اور حروف کا جو کُتبِ مقدسہ میں تھے خاص طور پر لحاظ رکھتے تھے، کیونکہ اُن کے خیال میں کُتبِ مقدسہ کا ایک ایک حرف اور شوشہ پاک اور نہانی اسرار سے پُر تھا۔ اُنہوں نے بڑی محنت اور کاوش سے ایک ایک حرف گنا اور یُوں یہ معلوم کیا کہ احبار ۱۱: ۴۲ کے عبرانی لفظ کا واؤ توراتِ شریف کے تمام حروف کا درمیانی حرف ہے اور احبار ۱۰: ۱۶ کا عبرانی لفظ جس کا اُردو ترجمہ "بُہت تلاش کیا" ہے توراتِ شریف کا درمیانی لفظ ہے۔ احبار ۱۳: ۳۳ توراتِ شریف کی درمیانی آیت ہے۔ زبور ۷۸: ۳۸ کتابِ زبور کی درمیانی آیت ہے اور زبور ۸۰: ۱۴ کا حرف عین اس کتاب کا درمیانی حرف ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اُنہوں نے تمام کُتب کے الفاظ حروف اور آیات کو شمار کر کے اُن کے لئے علامات اور نشانات مقرر کئے۔ مثلاً پیدائش کی کتاب کے حصّہ "بریشیتھ" میں ۱۴۶ آیات ہیں۔ لہٰذا اُنہوں نے اس حصّہ کا نام "عمزیاہ" رکھا کیونکہ ان حروف کی تعداد ابجد کے لحاظ سے ۱۴۶ ہوتی ہے۔

اِن مسوراہی فقہا نے عبرانی کُتبِ مقدسہ کے حروف کو شمار کر کے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ فلاں حرف کتنی دفعہ تمام کُتبِ مقدسہ میں استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً حرف "الف" بیالیس ہزار تین سَو ستتر (۴۲۳۷۷) مرتبہ اور حرف "ب" پینتیس

ہزار دو سو اٹھارہ (۴۵۲۱۸) مرتبہ کتبِ مقدسہ میں مستعمل ہوا ہے اور اس بات کو یاد کرنے کے لئے کہ فلاں حرف کتنی مرتبہ مستعمل ہوا ہے انہوں نے اشعار بنائے اور اُن کو حفظ کیا۔ مثلاً اس بات کو یاد کرنے کے لئے کہ حرف "الف" ۴۲۳۰۰ دفعہ کتبِ مقدسہ میں لکھا ہوا ہے۔ انہوں نے عبرانی میں شعر بنائے جن کے ابتدائی حروف کی میزان بحساب ابجد ۴۲۳۷۷ ہوتے ہیں اور مبادا شعر کسی کو فراموش ہو جائے۔ انہوں نے یاد دہانی کی خاطر اس شعر کے ساتھ ہی دو آیات بھی لکھ دیں۔ یعنی نحمیاہ ۷: ۶۶ اور گنتی ۷: ۱۷ جو حسبِ ذیل ہیں "ساری جماعت کے لوگ سب کے سب مل کے بیالیس ہزار تین سو ساٹھ تھے" اور "سلامتی کی قربانی کے لئے دو بیل۔ پانچ مینڈھے۔ پانچ بکرے۔ پانچ برّے"۔ ان دونوں آیات کے اعداد کو جمع کریں تو میزان ۴۲۳۷۷ ہوتی ہے۔ اسی طرح عبرانی حروفِ تہجی کے ہر حرف کے لئے اشعار اور آیات مقرر تھیں۔ اس طریقہ سے ان مسورابی فقہا نے کتبِ مقدسہ کے الفاظ اور حروف کو محفوظ رکھا اور عبرانی متن کو حتی المقدور غلطیوں سے اور ہر قسم کی لغزشوں سے پاک رکھا۔

علاوہ ازیں یہ مسورابی فقہا بعض الفاظ پر علامات اور نشانات لگا کر حاشیہ میں اُن پر نوٹ لکھ دیا کرتے تھے مثلاً اگر کوئی لفظ صرف ایک ہی جگہ کتبِ مقدسہ میں مستعمل ہوتا تو وہ نوٹ میں "الفاظ" اور کہیں پایا نہیں جاتا" درج کر دیتے تھے۔ اگر وہ سات مرتبہ مستعمل ہوتا تو وہ "الفاظ" یہ لفظ سات مرتبہ وارد ہوا ہے" تحریر کر کے ساتھ ہی حوالے بھی لکھ دیتے تھے۔ اُن کے چند ایک نوٹ ملاحظہ ہوں۔ "تورات شریف میں دو آیات حرف "م" سے شروع ہوتی ہیں"۔ "تورات

شریف میں گیارہ آیات حرف "ن" سے شروع اور ختم ہوتی ہیں۔" آٹھ الفاظ جن کے آخر میں واؤ ہے حرف ہ کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں۔ چودہ الفاظ جن کے آخر میں ہ ہے واؤ کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ بخوفِ طوالت ہم زیادہ مثالیں دینے سے معذور ہیں۔ لیکن ان کی باریک بین نظر ہم کو یہ بھی بتاتی ہے کہ فلاں فلاں فعل فلاں فلاں اِسم کے ساتھ متعلق ہے۔ فلاں فلاں لفظ کے فلاں جگہ پر فلاں معنی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ہم اِن فُقہاَ کے نوٹ کی ایک اَور مثال دیتے ہیں تاکہ ناظرین مسئلہ تحریف کا خُود فیصلہ کر لیں اَور معلُوم کر سکیں کہ فُقہا کیسی ایمانداری، خلوصِ نیت، محنت، جانفشانی اور خُداترسی سے اپنی کُتبِ مُقدّسہ کی صحت کے ساتھ نقل کرتے تھے۔ یشوُع ۹: ۱ میں ہے "جب ان سب بادشاہوں نے جو یردن کے اُس پار (یعنی؛ حِتّی اَور عموری۔ کنعانی۔ فرزی۔ حوّی اَور یبوسی تھے سُنا۔" اس آیہ شریفہ میں چھ بادشاہوں کے نام ہیں، لیکن حرفِ عطف "اَور" صرف دو جگہ یعنی دُوسرے اَور چھٹے بادشاہ کے نام کے پہلے آیا ہے۔ اَب اِن فُقہا کے دِل میں یہ خیال آیا کہ شاید کوئی کاتب نقل کرتے وقت حرفِ عطف کو دو جگہوں سے زیادہ یا کم میں لکھ دے لہٰذا اُنہوں نے اِس غلطی کے امکان کو رفع کرنے کے لئے حاشیہ میں الفاظ "بادشاہوں کے لئے مرنا" لکھ دیئے اَور گنتی ۳۱ : ۲۲ کا حوالہ دے دیا۔ جہاں یہ لکھا ہے "فقط سونا اَور رُوپا۔ پیتل۔ لوہا۔ رانگا اَور سیسہ" یہاں بھی چھ نام ہیں اَور حرفِ عطف "اَور" صرف دو جگہ یعنی دُوسرے اَور چھٹے نام سے پہلے واقع ہُوا ہے۔ لہٰذا کاتب اِس آیت کو دیکھ کر حرفِ عطف کی ٹھیک جگہ کو

معلوم کر سکتا تھا اور یُوں لغزش سے بچ سکتا تھا۔

ہم یہاں ایک اور مثال دیتے ہیں جس سے ناظرین پر واضح ہو جائے گا کہ عبرانی کُتبِ مُقدسہ کے نقل کرنے میں یہ فقہا کس قدر احتیاط کو کام میں لاتے تھے۔ عبادت خانوں کے نُسخے خاص احتیاط کے ساتھ نقل کئے جاتے تھے۔ نقل کرنے والوں کو حُکم تھا کہ وُہ قدیم اور صحیح ترین نُسخوں سے نقل کریں اور صرف خالص سیاہ روشنائی کا استعمال کریں جو شہد، کوئلہ اور کاجل سے بنی ہوتی تھی۔ یہ نُسخے صرف ایسے حیوانات کے چمڑوں پر لکھے جاتے تھے جو حلال اور پاکیزہ تھے۔ نقل کرنے والوں کو حافظہ سے کسی ایک لفظ، حرف یا شوشہ کو نقل کرنے کی سخت ممانعت تھی۔ اُن کو ہدایت تھی کہ ایک ایک لفظ کو دیکھ کر لکھیں اور لکھنے سے پہلے اُس کو پڑھیں جب خُدا کے نام لکھنے لگیں تو پہلے دُعا مانگیں اور ان ناموں کو لکھنے سے پہلے اپنے قلم کو دھو کر خُوب صاف کریں۔ بالخصوص یہوواہ جو اہل یہود کی نظر میں خُدا کا خاص نام تھا، لکھنے سے پہلے وُہ غسل کریں ؎

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو بُردن کمال بے ادبی است

یہ حُکم تھا کہ حروف کے درمیان نقل کرنے والے صرف بال برابر جگہ چھوڑیں اور الفاظ کے درمیان ایک چھوٹے حرف کے برابر جگہ چھوڑیں۔ ہر پیراگراف کے بعد نَو حروف کی جگہ چھوڑ کر نیا پیراگراف لکھیں۔ ہر کتاب کے خاتمہ کے بعد تین سطریں چھوڑ دی جائیں اور پھر دُوسری کتاب لکھنی شروع کی جائے۔ جب تورات شریف کی آخری کتاب اِستثنا کی نقل ختم ہونے پر آئے تو اِس کے آخری الفاظ اِس طور

پر نقل کئے جائیں کہ آخری سطر ختم ہو جائے۔ نقل کرنے والا کاتب پُورا یہودی لباس زیبِ تن کر کے نقل کرے۔ ہر نُسخہ کی جانچ پڑتال لکھے جانے کے تیرہ دن کے اندر اندر اچھی طرح سے کی جائے اور اگر کسی نُسخہ میں دو سے زیادہ غلطیاں ہوں تو اُس نُسخہ کو زیرِ زمین دفن کر دیا جائے۔ اِسی قسم کے بیسیوں دیگر احکام تھے جن کو ہم بخوفِ طوالت نقل نہیں کرتے۔ اِن تمام احکام (اور بالخصوص آخری حکم) کا نتیجہ یہ ہُوا کہ عبرانی کُتبِ مُقدسہ کے نُسخے مقابلتہً کم دستیاب ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا فائدہ یہ ہُوا کہ اِن کتابوں کے الفاظ اور حرُوف نہایت صحت اور احتیاط کے ساتھ نقل ہوتے تھے۔

اِن چند مثالوں سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس محنت، عرقریزی اور خُدا ترسی سے اِن مشہور یہودی فُقہا نے اپنی کُتبِ مُقدسہ کے الفاظ اور حرُوف کو محفُوظ رکھا۔ بعض اوقات اُنھوں نے اپنے نُسخوں میں نقل کرنے والوں کی کتابت کی غلطیاں بھی پائیں لیکن وُہ ایسے خُداترس واقع ہُوئے تھے اور کُتبِ سماوی کے مقدس حرُوف کے لئے اُن کے دِل میں اِتنی عزت تھی کہ غلطیاں معلوم کرنے پر بھی اُنھوں نے متن کے غلط الفاظ کو صحیح نہ کیا، بلکہ صرف حاشیہ میں ذیلی حواشی کے طور پر صحیح الفاظ تحریر کر کے صحیح قرأت کو بحال کر دیا۔ مثلاً بعض اوقات نقل کرتے وقت ایک ہی لفظ غلطی سے دوبارہ لکھا جاتا ہے۔ اِس غلطی کو رفع کرنے کے لئے یہ فُقہا اُس لفظ پر نشان لگا کر حاشیہ میں ذیل کے الفاظ لکھ دیتے تھے "کتابت میں آیا ہے لیکن قرأت میں نہیں" یعنی اگرچہ یہ لفظ لکھا گیا ہے تاہم اِس کو پڑھنا نہیں چاہیئے۔ مثلاً یرمیاہ ۵۱ : ۳ میں الفاظ "جو کمان کھینچتا" عبرانی متن میں

دو بار لکھے گئے اور اِس عبرانی لفظ پر مسوراہی فُقہا نے ذیل کا نوٹ دیا ہے "کتابت میں آیا ہے لیکن قرأت میں نہیں" یہ فُقہا ہمیں یہ بھی بتاتے ہیں کہ کُتب مُقدسہ میں کُل آٹھ ایسے الفاظ ہیں جو دوبارہ لکھے گئے ہیں اور وُہ اُن کے حوالے بھی دیتے ہیں۔

عبرانی کُتبِ مُقدسہ کے نقل کرنے والے کاتب اِس قدر کاوش دیانت اور ایمان داری سے نقل کرتے تھے کہ اگر اِن کے پیشِ نظر نُسخہ میں کسی لفظ کا کوئی حرف بڑا اور باقی حُروف چھوٹے لکھے ہوتے تو وُہ اُن کو بجنسہٖ نقل کر دیتے تھے یا اگر کسی لفظ کا کوئی حرف نُسخہ میں سطر سے باہر لکھا ہوتا تو وُہ نقل کرتے وقت اُس سطر کے الفاظ کو اِس طرح لکھتے کہ وُہ خاص حرف سطر سے اُتنا ہی باہر لکھا جاتا جتنا اُن کے پیشِ نظر نُسخہ میں ہوتا تھا۔ اگر کسی نُسخہ میں اُن کو تحریر کی کوئی اَور بے قاعدگی نظر آتی تو وُہ اس کو دُرست کرنے کی بجائے بجنسہٖ ویسا ہی لکھ دیا کرتے تھے۔

بعض اوقات نقل کرتے وقت کاتبوں سے کوئی لفظ رہ جاتا ہے۔ ایسے موقعوں پر اِن فُقہا کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ اِس لفظ کو متن میں درج کریں۔ لہٰذا اُنہوں نے متن میں اِس لفظ کی جگہ خالی چھوڑ کر اِس کو حاشیہ میں لکھ دیا اور ذیل کا نوٹ دے دیا۔ "قرأت میں آیا ہے کتابت میں نہیں" یعنی کہ یہ لفظ لکھا نہیں گیا لیکن اِس کو پڑھنا چاہیئے۔ مثلاً ۲۔ سموئیل ۸: ۳ میں لفظ "فرات" کاتب کی غلطی سے رہ گیا تھا۔ اِن کاتبوں کی دیانت داری اور حزم و احتیاط کی یہ ادنیٰ مثال ہے کہ اُنہوں نے اِس آیت کو نقل کرتے وقت لفظ "نہر" کے بعد لفظ "فرات" نقل نہ کیا بلکہ لفظ "نہر" کے بعد لفظ "فرات" کی جگہ خالی چھوڑ کر اُس کو حاشیہ میں لکھ دیا اور ساتھ ہی نوٹ دے دیا یہ "قرأت

میں آیا ہے لیکن کتابت میں نہیں۔ یہ فقہا ہم کو بتاتے ہیں کہ کتبِ عہدِ عتیق میں کُل دس ایسے الفاظ ہیں اور اُن کے حوالے بھی دیتے ہیں۔

پس ان مسورہ ہی فقہا نے نہ صرف متن کے الفاظ کی ہی نگہداشت کی اور اُن کو صحت کے ساتھ نقل کیا بلکہ صحیح قراتوں کو بھی مختلف اور قدیم نسخوں کا مقابلہ کر کے بہم پہنچایا اور ساتھ ہی اُنہوں نے یہ دانشمندی کی کہ اُن الفاظ کو جو اُن کے خیال میں صحیح تھے متن میں جگہ نہ دی بلکہ حاشیہ تک ہی محدود رکھا۔ انگریزی ترجمہ کی نظرِ ثانی کرنے والوں نے عموماً ان الفاظ کو جو حاشیہ میں تھے صحیح قرات ہونے کی بجائے غلط قرار دیا ہے اور متن کے الفاظ کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ گو بعض اوقات ان حاشیہ کی قراتوں کو اُنہوں نے صحیح بھی مانا ہے۔ اُردو ترجمہ کی نظرِ ثانی کرنے والوں کا (جن میں اِس کتاب کا مؤلف بھی شامل تھا) بھی یہی طریقِ عمل تھا۔ وہ بھی یہ خیال کرتے تھے کہ عموماً متن کے الفاظ حاشیہ کے الفاظ کی نسبت زیادہ صحیح ہیں۔

اِعراب کی ایجاد

مسیحی کلیسیا کی دیکھا دیکھی مسورہ ہی فقہا نے چھٹی اور آٹھویں صدی کے درمیان شامی
مسیحی کلیسیا کی دیکھا دیکھی حروفِ علت و حرکات اور صوت اور چھوٹے بڑے اعراب کو ایجاد کر کے عبرانی کتبِ سماوی کے الفاظ کے اُس تلفظ کو جو قدیم زمانہ سے اہلِ یہود میں سینہ بسینہ چلا آتا تھا ہمیشہ کے لئے قائم اور برقرار کر دیا۔ یہی اعراب اِس زمانہ کے تمام نسخوں میں موجود ہیں۔ اِن اعراب کے وجود کی وجہ سے ہم عبرانی کے مختلف الفاظ اور ہم شکل الفاظ کے تلفظ اور ہم آواز الفاظ کے معانی میں تمیز کر سکتے ہیں۔ اِن فقہا نے مختلف الفاظ پر

وقف اور لہجہ کی علامات بھی لگائیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم عبرانی الفاظ کا تلفظ اہل یہود کی اُس قدیم طرز پر کر سکتے ہیں جو خداوند مسیح سے صدیوں پہلے علمائے اسرائیل میں رائج تھی اور عبارت کو اُسی لب ولہجہ اور ترقت کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں جس طرح قدیم فقہا پڑھا کرتے تھے۔ اِن مسوراہی علماء کی اَن تھک کوششوں کا نتیجہ یہ ہے کہ موجودہ چھپے ہوئے عبرانی نسخوں میں وہ متن محفوظ ہے جو ہمارے مبارک خداوند کے زمانہ میں مروج تھا۔ ایک مستند مصنف[1] لکھتا ہے کہ جو موجودہ عبرانی نسخے ہمارے ہاتھوں میں ہیں وہ اُس نسخہ کی نقل ہیں جو قیصر ہیڈرین Hadrian (از ۱۱۷ء تا ۱۳۸ء) کے زمانہ میں لکھا گیا تھا جب اُس نے اہل یہود کو ایذائیں دی تھیں۔ علماء کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ مسوراہی متن کم از کم اُس زمانہ سے متعلق ہے۔

مسوراہی کوششوں کے نتائج

بالآخر اہل اسلام اور قبائل عرب کے حملوں نے اہل یہود کو ارض پاک کنعان سے نکال دیا اور اُن کے ملک بدر ہونے سے اِس مسوراہی زمانہ کا اختتام ہوگیا۔ اِس زمانہ کے اختتام کے وقت فقیہہ اعظم ہارون بن آشر تبریاس کے یہودی دارالعلوم کا پرنسپل تھا اور یعقوب بن نفتالی بابل کے یہودی مدرسہ کا پرنسپل تھا۔ ان دونوں مسلم الثبوت اُستادوں نے حتی المقدور کوشش کی کہ اُن کے مدرسہ کے نسخہ جات ہر قسم کی غلطیوں اور لغزشوں سے پاک ہوں اور اِنہی نسخہ جات (۹۸۵ء) سے موجودہ عبرانی متن نقل کیا گیا ہے اور یہ موجودہ نسخہ جات ایک ایک حرف شوشہ اور نقطہ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے متفق ہیں۔ گویا

1. Renyon, Our Bible and Ancient Manuscripts P.36

کوئی سلیم الطبع شخص اس سے زیادہ صحت کی توقع کر سکتا ہے۔

پس ثابت ہو گیا کہ یہودی فقہا کتبِ سماوی کو نقل کرتے وقت ہر طرح کی احتیاط کو کام میں لاتے تھے۔ جہاں تک اُن سے بن پڑا اُنہوں نے ابتدائی زمانہ سے ہی حتی المقدور یہ کوشش کی کہ اُن کی کتبِ سماوی ہر طرح کی انسانی آلائش اور لغزش اور سہو سے پاک رہے۔ مثل مشہور ہے کہ لیس للانسان الّا ما سعیٰ۔ ان کتب کی قدامت اور ضخامت کے سبب متعدد الفاظ، فقرات اور آیات کا اختلاف اِن میں باقی رہا ہے۔ لیکن یہ اختلافات نہایت معمولی قسم کے ہیں اور ایسے اہم نہیں کہ کوئی صحیح العقل شخص ان کی وجہ سے عبرانی کتبِ سماوی کو محرّف گردان سکے یا اُن کو پایۂ اعتبار سے ساقط خیال کر سکے۔ علاوہ ازیں مختلف زمانوں اور مُلکوں کے نسخہ جات اور مختلف زبانوں کے تراجم کی مدد سے ہم اصولِ تنقید کے ذریعے آسانی سے یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ ان مختلف قراتوں میں سے جو مختلف نسخوں میں ہم کو ملتی ہیں کونسی قرأت صحیح ہے۔ اِس مطلب کے لئے تمام تراجم اور بالخصوص وہ تراجم جو قدیم ترین ہیں نہایت کار آمد ہیں۔ ہم مختلف نسخوں کے اختلافات کا یونانی ترجمۂ سبعینیہ اور سُریانی ترجمہ پشیتہ اور لاطینی ترجمہ ولگیٹ کی عبارتوں سے مقابلہ کر کے معلوم کر سکتے ہیں کہ کونسی قرأت قدیم اور صحیح ہے۔ اس کام کے لئے ہمارے پاس ان ترجموں اور نسخوں کی کافی سے زیادہ تعداد موجود ہے اور اب جو نیا ترجمہ اردو میں کیا گیا ہے، اُس میں ان تراجم اور نسخہ جات کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔ غلطی اور خطا سے تو صرف خدا کی ذات ہی مُبرّا ہے، لیکن جہاں تک انسانی طاقت سے ہو سکتا ہے یہ کوشش کی گئی ہے کہ اردو

کا نیا ترجمہ اُس عبارت کا مفہوم ادا کرے جو عبرانی کُتبِ مُقدسہ کے مُلہم مصنفین نے لکھی تھی۔

نتیجہ ہم نے نہایت مختصر طور پر گذشتہ ساڑھے تین ہزار سال کو ایک تاریخی نگاہ سے دیکھا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ جب سے یہودی کُتبِ مُقدسہ احاطۂ تحریر میں آئیں، اُس زمانہ سے چھاپے کے استعمال (۱۴۷۷ء) تک اُن کی حفاظت اور نگہداشت کی گئی۔ پہلے پہل وُہ قدس الاقداس اور ہیکل میں محفوظ رہیں۔ پھر انبیاء زادے اُن کے محافظ اور مفسر رہے۔ پھر انبیااللہ اور شاہان اسرائیل نے اُن کو نقل کرایا، اور اُن کے محافظ رہے۔ بعدہٗ عزرا اور فقہائے اسرائیل نے کُتبِ مُقدسہ کی حفاظت، کتابت اور صحت کا ذمہ اپنے کندھوں پر اُٹھایا۔ بعد ازاں یہودی ربی اور مشائخ اور احبار یہ کام نہایت محنت استقلال اور عرق ریزی سے کرتے رہے۔ یہ سب اِسی ایک دُھن میں رہے کہ کُتبِ مُقدسہ ہر ممکن انسانی کوشش سے تمام سہو وخطا سے پاک رہیں، اور اُن کا متن ہر قسم کی عمداً غلطی سے مُبرّا رہے، اور وُہ اس کوشش میں اِس قدر کامیاب ہُوئے کہ رُوئے زمین کی ضخیم اور قدیم کُتب میں سے کتابِ مُقدس ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کا متن صحیح اور مستند سمجھا جا سکتا ہے۔ اِس دعوے کی تصدیق توراتِ سامری۔ ترجمہ سپٹواجنٹ وپشیتہ اور ولگیٹ و دیگر تراجم اور تلمود اور ترجم وغیرہ کرتے ہیں۔ منجیٔ عالمین خداوند مسیح اور آپ کے حواریین اور مسیحی کلیسیا اور رسُولِ عربی اور قرآن شریف تصدیق کی مُہر اس پر ثبت کرتے ہیں۔ کیا تواتر کی دلیل زیادہ کامیابی سے اور زیادہ واضح طور پر کسی اَور

کتاب پر چسپاں ہو سکتی ہے ؛ لہٰذا ظاہر ہے کہ عبرانی کُتبِ مُقدسہ نہایت مُستند کُتب ہیں، اور اُن پر کسی شخص نے عمداً تحریف کسی زمانہ میں بھی نہیں کی جس سے ان میں کوئی فتوُر واقع ہو گیا ہو۔ اِس کے برعکس وُہ ایسی صحت کے ساتھ نقل کی گئی ہیں کہ فنِ تنقید کے ماہرین کہتے ہیں کہ "رُوئے زمین کی کوئی کتاب عبرانی کُتبِ مُقدسہ کی مانند کامل صحت اور دیانت داری کے ساتھ نقل نہیں کی گئی۔ ان کتابوں کے کسی معمولی نُسخہ میں بھی غلطیوں کا اتنا شمار نہیں ملتا جتنا آج کل کی چھپی ہُوئی کتاب میں ہوتا ہے جس کے پرُوف نہایت احتیاط سے پڑھے گئے ہوں[1]"

پس گذشتہ ساڑھے تین ہزار سالوں کے طویل عرصے میں کوئی زمانہ ایسا نہیں آیا جس میں کسی شخص کے خواب وخیال اور وہم وگمان میں بھی یہ بات کبھی آئی ہو کہ وُہ عبرانی کُتبِ مُقدسہ میں تحریف کرنے کا ارتکاب کرے۔ تاریخ (جو کسی شخص یا مذہب کی طرف داری نہیں کرتی) اُن تمام لوگوں کو کاذب اور جھوٹا قرار دیتی ہے جو کہتے ہیں کہ "تورات یہودیوں کی عدمِ احتیاط۔ اغراضِ ذاتی اور زمانہ کے انقلابات سے سرتاپا مسخ ہو گئی ہے" (شبلی نعمانی سیرۃ النبی جلد اوّل صفحہ ۱۲۷)۔

1. Oesterley and Robinson. Introduction to the books of the Old Testament P.13

حصّۂ دوم

صحتِ کُتبِ عہدِ جدید

بابُ اوّل
تصحیفِ کاتبین کی حقیقت

اگر ناظرین تصحیفِ کاتبین کی حقیقت اور سہوِ کاتب کی مختلف اقسام سے کماحقہٗ واقف ہونا چاہتے ہیں تو اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ وُہ خود کسی کتاب کے دس بیس صفحے نقل کریں اور اپنی نقل کو کسی دوسرے شخص کو نقل کرنے کے لئے دے دیں۔ اور اس کی نقل کسی تیسرے شخص سے نقل کروائیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس پچاس مختلف قابلیتوں اور مختلف پایہ کے لوگوں کو نقلیں نقل کرنے کے لئے دیں۔ پھر آخری شخص کی نقل کا اصل کتاب کی عبارت کے ساتھ مقابلہ کریں۔ اس طرزِ عمل سے ناظرین پر نہ صرف سہوِ کاتب کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی بلکہ اُس طریقۂ کار کا بھی علم ہو جائے گا جس سے فنِ تنقید کے ماہر انجیلِ جلیل کے اصلی متن کو معلوم کرتے ہیں۔

ہمارے مسلمان بھائی تحریفِ انجیل کے ثبوت میں عموماً یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ انجیل کی فلاں ایڈیشن میں فلاں آیت موجود ہے اور فلاں ایڈیشن سے وُہ آیت خارج کر دی گئی ہے حالانکہ یہی بات اس امر کی بدیہی دلیل ہے کہ مسیحی صرف اُسی

انجیل کی تلاوت کرنا چاہتے ہیں جس میں صرف وہی آیات ہوں جن کو الہامی کتب کے مصنفین نے تحریر کیا تھا۔ اور جو الفاظ مختلف وجوہ کے سبب سے انجیل کے متن میں مابعد کی صدیوں میں داخل ہو گئے ہیں اور جن کو اصلی مصنفوں نے نہیں لکھا تھا، وہ کتابت اور قرأت دونوں سے خارج کئے جائیں، تاکہ انجیلی کتب کے مجموعہ کی اصلی عبارت جو اُن کے مصنفین کے ہاتھوں نے لکھی تھی ہمارے ہاتھوں میں بھی موجود ہو۔

انجیل جلیل کو تحریر ہوئے اُنیس سو سال ہو گئے ہیں۔ اگر اس کے مصنفوں کے وہ نسخے جو اُنہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھے تھے اس وقت تک محفوظ ہوتے تو ہمیں انجیل جلیل کی اصلی عبارت کے معلوم کرنے میں کسی قسم کی دقت نہ پڑتی لیکن یہ ایک انہونی بات ہے کیونکہ آخر یہ اشیا فانی ہوتی ہیں۔ حوادثِ زمانہ کے ہاتھوں وہ نسخے نہ بچ سکتے تھے اور نہ بچے۔ لہٰذا اِن نسخوں کی نقلوں کے ذریعہ ہم کو معلوم کرنا پڑتا ہے کہ انجیلی مصنفین کے اصلی الفاظ کیا تھے۔ چونکہ کاتب انسان تھے اور سہو و نسیان بشریت کا تقاضا ہے لہٰذا گو اُنہوں نے کمال حزم اور احتیاط سے کام لیا تاہم اصل نسخہ کو نقل کرتے وقت چودہ صدیوں تک یعنی چھاپہ کی ایجاد کے زمانہ تک بار بار نقل کرتے وقت کاتبوں سے کتابت کی غلطیاں واقع ہوئیں لیکن چونکہ مختلف نسخہ جات کو مختلف کاتبوں نے مختلف اوقات اور مختلف ممالک میں لکھا تھا، یہ لازم نہیں آتا کہ جو غلطی ایک شخص کرے وہی دوسرا بھی کرے لہٰذا مختلف نسخہ جات کا مقابلہ کرنے سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ کس کاتب نے کونسی غلطی کی۔ اور چونکہ بے شمار انجیلی نسخہ جات ہمارے پاس موجود ہیں لہٰذا ہر شے کہ بحیثیت مجموعی اُن میں انجیل کے مصنفین کی اصلی عبارت ضرور محفوظ ہو گی۔ کیونکہ اگر ایک کاتب نے ایک

صفحہ میں کسی لفظ کو نقل کرتے وقت کوئی غلطی کی ہے تو کسی دُوسرے کاتب کے نُسخہ سے وہ غلطی ظاہر ہو جاتی ہے اور اصل لفظ معلوم ہو سکتا ہے ہاں اگر نُسخے تعداد میں ایک یا دو یا دس بیس ہوتے تو اس امر کا احتمال باقی رہتا کہ کسی کاتب کی غلطیاں جو اُس نے کسی ایک نُسخہ میں کی ہوں معلوم نہ ہو سکیں۔ لیکن عہدِ جدید کی کُتب کے نُسخوں کا یہ حال نہیں ہے۔ اس کے نُسخے ہمارے پاس پانچ ہزار کی تعداد میں موجود ہیں۔ جیسا کہ آئیندہ اَبواب میں واضح ہو جائیگا پس ظاہر ہے کہ مختلف نُسخہ جات ایک دُوسرے کی غلطی کی تصحیح کرتے ہیں، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم پورے وثُوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جو انجیل کا نُسخہ ہمارے ہاتھوں میں اب موجُود ہے وہ بجنسہٖ اُس نُسخہ کی نقل ہے جو انجیل کے مُصنفوں نے لکھا تھا۔

مختلف نُسخہ جات کا ایک دُوسرے سے مقابلہ کرنا نہایت عرقریزی جانفشانی دیدہ ریزی۔ تن دہی۔ محنت صبر اور جانکاشی کا کام ہے لیکن چونکہ مسیحی انجیل جلیل کو الہامی مانتے ہیں، لہٰذا اس کے اصل الفاظ کو دریافت کرنے میں نہایت صبر اور محنت و استقلال سے کام لینا سعادتِ دارین سمجھتے ہیں۔

اگر ہم عہدِ جدید کے نُسخوں کا دیگر قدیم کُتب کے نُسخوں کے ساتھ مقابلہ کریں تو ہم پر یہ امر ظاہر ہو جائے گا کہ ہم انجیل کے اصل الفاظ اِن دیگر کُتب کے الفاظ سے زیادہ آسانی سے معلوم کر سکتے ہیں کیونکہ ہمارے پاس انجیل شریف کے ہزاروں قدیم نُسخے موجُود ہیں۔ مثلاً ایس کلس[ا] کے ڈراموں کے موجُودہ زمانہ میں صرف پچاس نُسخے موجُود ہیں اور ان میں سے کوئی بھی مکمل نہیں۔ سوفوکلیس[۲] کے قریباً سو نُسخے

[ا] Aeschylus   [۲] Sophocles

ہیں جن میں سے صرف سات کسی کام کے ہیں۔ کیٹیلس[1] شاعر کی نقلیں صرف تین نسخوں میں محفوظ ہیں اور دو نسخے بھی چودھویں صدی کے ایک نسخہ کی نقل ہیں۔ مشہور کتاب گیلک جنگیں Gallic Wars انجیلِ مجموعہ سے قریباً ایک سو سال زیادہ قدیم ہے لیکن موجودہ زمانہ میں اس کے صرف نو یا دس نسخے موجود ہیں اور ان میں سے قدیم ترین نسخہ کتاب کے تصنیف کرنے کے ایک ہزار سال بعد لکھا گیا تھا۔ رومی مؤرخ لوی Livy کی "تاریخِ روم" ۱۴۲ حصّوں پر مشتمل ہے لیکن اس کے صرف ۳۵ نسخے موجود ہیں۔ ان میں جو نسخے قدیم ہیں وہ صرف ٹکڑوں پر مشتمل ہیں جن پر صرف ۳، ۴، ۵، ۶ حصّے ملتے ہیں۔ یہ مصنّف ۵۹ قبل مسیح پیدا ہوا اور ۱۷ء میں فوت ہوا۔ مؤرخ ٹیسی ٹس Tacitus کی تاریخ چودہ حصّوں پر مشتمل تھی لیکن اب اس تاریخ کے صرف ۴½ حصّے موجود ہیں۔ اسی مصنّف کی ایک اور کتاب "تاریخ" Annals ہے جس کے سولہ حصّے تھے لیکن اب اس کے مکمل حصّے صرف دس ہیں۔ اس کی دونوں تصانیف کے متن کا انحصار صرف دو نسخوں پر ہے جو نویں اور گیارھویں صدی مسیحی کے ہیں اور حیرت کا مقام یہ ہے کہ یہ دونوں تصانیف انجیلی مجموعہ کے بعد لکھی گئیں!

مؤرخ تھوسی ڈائیڈیز Thucydides از ۴۶۰ ق۔م تا ۴۰۰ ق۔م کی تاریخ کا قدیم ترین نسخہ نو سو سال بعد از مسیح کے زمانہ کا ہے۔ یہی حال ہیرو ڈوٹس Herodotus (از ۴۸۸ ق۔م تا ۴۲۸ ق۔م) کی تاریخ کا ہے لیکن دورِ حاضرہ کا کوئی صحیح العقل مؤرخ ان کی کتابوں کی صحت پر شک نہیں کرتا حالانکہ ان کے موجودہ نسخے ان کی تصنیف کے تیرہ سو سال بعد

---

[1] Catullus

کے ہیں۔

قرآن کے صرف معدودے چند نسخے ہیں اور وہ بھی عباسیہ خاندان کی فتح کے دس بیس سال بعد کے ہیں یعنی دوسری صدی ہجری سے زیادہ قدیم نہیں ہیں۔ ان میں سے چند ایک کا ذکر رسالہ معارف ۱۹۲۵ء میں موجود ہے۔ مثنوی مولانا رُوم کی ابتر حالت کا ذکر ہم حصہ اوّل عہد عتیق کی کتب کے سلسلہ میں کر چکے ہیں اور وہ صرف سات سو سال کی پرانی کتاب ہے۔ دور کیوں جائیں خود ہندوستان کو لے لو۔ دیوانِ غالب کی نسبت مفتی محمد انوار الحق صاحب سابق ڈائرکٹر تعلیمات بھوپال فرماتے ہیں کہ "غالب کا مکمل دیوان دنیا سے نابید ہو چکا تھا اور اُس کا بظاہر آثار نام و نشان تک باقی نہ رہا تھا۔ مگر زمانہ نے غالب کے انتقال کے پورے پچاس برس بعد اس صحیفہ کو دنیا میں رونما کیا جو پوری ایک صدی سے گوشۂ خفا میں پڑا تھا اور جس کے وجود کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ غالب نے اپنے چند سخن فہم احباب کے مشورہ سے اپنے اشعار کا بڑا حصہ مشکل اور مغلق ہونے کی بنا پر قلمزد کر دیا تھا اور یہ مروجہ اور مطبوعہ دیوان کی یہ سر دیا بریدہ غزلیں اس ضخیم دیوان کی بچی کھچی نشانیاں ہیں جو ابنائے زمانہ کی آسان پسندی سے شائع ہونے سے پہلے ضائع ہو گیا۔" (نسخہ حمیدیہ صفحہ ۲ و ۴) ابھی کل کی بات ہے کہ حضرت غالب زندہ تھے اور آپ کے دیوان کا حال یہ ہو گیا ہے۔

اب عہدِ جدید کی کتب کے نسخوں کا حال سُنیئے۔ انجیل اور اُس کے حصص کے قدیم نسخوں کی تعداد جو اصل یونانی زبان میں ہیں، پانچہزار سے زائد ہے۔

انجیل کے لاطینی ترجمہ ولگیٹ کے نسخوں کی تعداد آٹھ ہزار سے زیادہ ہے اور شامی قبطی ارمنی وغیرہ ترجموں کے نسخوں کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت ہمارے پاس انجیل جلیل کے اصل الفاظ کو معلوم کرنے کے لئے چودہ ہزار سے زیادہ نسخے ہیں۔ کیا کوئی صحیح العقل شخص کہہ سکتا ہے کہ ان چودہ ہزار سے زائد نسخوں کے ذخیرہ کی موجودگی میں ہم انجیل کی کتب کے اصل الفاظ کو معلوم نہیں کر سکتے؟

سہوِ کاتب کی اقسام

ہم نے اس باب کا نام "تصحیفِ کاتبین کی حقیقت" رکھا ہے۔ لغت میں لفظ "تصحیف" کے معنے کتابت میں خطا کرنا ہیں۔ خواہ یہ خطا نقطہ کی ہو یا حرف کی یا اعراب کی ہو۔ ہر کاتب خواہ وہ کیسا ہی محتاط، ہوشیار، فاضل، اور اپنے فن کا ماہر ہو آخر انسان ہوتا ہے اور اُس سے غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ پس انجیل جلیل کے نسخے نقل کرتے وقت کاتبوں سے غلطیاں سرزد ہوئیں۔ انجیلی نسخوں کی غلطیوں کی سب سے زیادہ تعداد سہوِ کاتب کا نتیجہ ہے۔ ہجا کی غلطیاں اور دیگر نہایت خفیف غلطیاں اسی قسم کی ہیں لیکن یہ غلطیاں ایسی ہیں جو پڑھنے والے پر فوراً ظاہر ہو جاتی ہیں اور ان کے معلوم کرنے میں کسی شخص کو بھی کسی قسم کی دقت پیش نہیں آتی۔ اس قسم کی غلطیاں ہمارے ملاحظہ میں روزانہ آتی ہیں اور ہر اخبار اور کتاب میں پائی جاتی ہیں اور ہر معمولی پڑھا لکھا شخص پڑھتے وقت ان غلطیوں کو خود بخود درست کر لیتا ہے۔

بعض اوقات کاتب صحیح اور درست لفظ کی جگہ ایسا لفظ لکھ دیتا ہے

جو بولنے میں یا دیکھنے میں اُس صحیح اور درست لفظ کے مشابہ ہوتا ہے لیکن عبارت کا مطلب اور اس کا سیاق سباق فوراً بتا دیتا ہے کہ یہ لفظ غلط ہے، اور اُس کی بجائے فلاں لفظ جو صحیح ہے، ہونا چاہیئے۔ بعض اوقات کاتب عبارت لکھتے لکھتے کوئی لفظ چھوڑ جاتا ہے لیکن ایسا لفظ دیگر نسخوں کے ساتھ مقابلہ کرنے سے مل جاتا ہے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کاتب ایک لفظ کو لکھتا ہے اور اگر وہی لفظ پھر دوبارہ ایک آدھ سطر آگے لکھا ہو تو اُس پر کاتب کی آنکھ ٹھہر جاتی ہے اور وہ دُوسری سطر کے آگے لکھنے لگ جاتا ہے۔ اور سوچتا ہے کہ اس سے پہلے کے تمام الفاظ اُس نے لکھ دیئے ہیں اور یوں وہ اُس ایک آدھ سطر کو قلم انداز کر دیتا ہے اور نہیں لکھتا۔ لیکن یہ ایک دو سطریں بھی جو چھوڑی جاتی ہیں دُوسرے نسخوں کے ساتھ مقابلہ کرنے سے مل جاتی ہیں۔ اِس کی مثال یُوں ہے کہ ایک مسافر سفر کرتے کرتے راہ میں اپنے مال کا تھوڑا سا حصہ بھُول کر چھوڑ جائے اور اُس کے ہمراہی پیچھے آنے والے مسافر اُس کے مال کو اپنے ساتھ لے آئیں۔ اسی طرح نقل کرتے وقت جب کاتب کسی نسخے کے کسی لفظ کو بھُول کر چھوڑ دیتے ہیں تو باقی نسخے اِس لفظ کو ظاہر کر دیتے ہیں۔

ہر شخص جانتا ہے کہ پہلی تین انجیلوں کے الفاظ بہت حد تک یکساں ہیں لہٰذا بعض اوقات کاتب ایک انجیل کو نقل کرتے وقت کسی دُوسری انجیل کے الفاظ حافظہ سے لکھ دیتے ہیں۔ اگرچہ نقل کرتے وقت نسخہ اُن کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی تین انجیلیں ایک ہی واقعہ کا بیان تقریباً

یکساں الفاظ میں کرتی ہیں۔ مثلاً کاتب نے انجیلِ اوّل کے ۱۷ باب کی بیسویں آیت کو نقل کرتے وقت مرقس ۹: ۲۹ کو اس کے بعد لکھ دیا۔ یا مرقس ۱۲: ۴۰ اور لُوقا ۲۰: ۴۷ کو متی ۲۳: ۱۴ کے بعد لکھ دیا۔ یا لُوقا ۲۲: ۳۰ کو مرقس ۱۵: ۳۷ کے بعد لکھ دیا۔ یا متّی ۲۴: ۴۰ کو لُوقا ۱۷: ۳۵ کے بعد لکھ دیا۔ یا مرقس ۱۵: ۶ کو لُوقا ۲۳: ۱۶ کے بعد لکھ دیا۔ یا لُوقا ۱۹: ۱۰ کو متّی ۱۰: ۱۱ کے بعد لکھ دیا۔ یا متی ۱۱: ۱۹ کو لُوقا ۷: ۳۵ کے الفاظ کے مُطابق لکھ دیا۔ متّی ۱۶: ۱۳ کے الفاظ کو مرقس ۸: ۲۷ اور لُوقا ۹: ۱۸ کے مُطابق لکھ دیا۔ لُوقا ۶: ۴۰ کو متّی ۷: ۲۵ کے الفاظ کے مُطابق لکھ دیا۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کاتب ایک لفظ کو لکھتا ہے اور اُس کے بعد کی سطر کو لکھ کر پھر اُس کی آنکھ دوبارہ اُسی لفظ پر پڑجاتی ہے اور یُوں وُہ پھر اُسی سطر کو دوبارہ نقل کرلیتا ہے۔ مثلاً مرقس ۴: ۹ کو ۔: ۱۵ کے بعد دوبارہ نقل کردیا گیا ہے۔ رُومی ۱۶: ۲۰ کو ۱۶: ۲۳ کے بعد نقل کر دیا گیا ہے۔ عبرانیوں کے خط کے آرمنی ترجمہ میں کسی کاتب نے ایسا ہی کیا ہے، لیکن اِس قسم کی غلطی بھی سطحی ہوتی ہے اور فوراً معلوم ہوجاتی ہے۔

اب متذکرہ بالا آیات اور الفاظ کی تصحیح کی گئی ہے۔ یہی وُہ آیات اور الفاظ ہیں جن کی نسبت ہمارے مسلمان بھائی اعتراض کرتے ہیں کہ وُہ اب انجیل سے خارج کی گئی ہیں۔ اُمید ہے کہ اب ناظرین پر ظاہر ہو گیا ہوگا کہ یہ خارج شُدہ الفاظ و آیات اصل یُونانی انجیل کے حِصّے نہیں تھے بلکہ کاتبوں نے ان کو سہواً لکھ دیا تھا۔

اِس قسم کی غلطی کو ہم ایک معمولی مثال سے واضح کر دیتے ہیں۔ آپ کسی مسیحی کو کہیں کہ وُہ دُعائے ربانی کے الفاظ لکھے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس کے تحریر کردہ الفاظ متّی ۶ : ۹-۱۲ سے مُختلف ہوں گے اور ان میں سے بعض لُوقا ۱۱ : ۲-۴ کے الفاظ کے مُطابق ہوں گے۔ اگر آپ اِس کو کہیں کہ وُہ انجیل لُوقا کو سامنے رکھ کر دُعائے ربّانی کی کتابت کرے تو گُمانِ غالب یہ ہے کہ اس نقل میں چند الفاظ متّی ۶ : ۹-۱۲ کے الفاظ کے مُطابق ہوں گے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی نُسخہ کے حاشیہ میں ایسے الفاظ لکھے ہوتے ہیں جو کسی آیت کو پُورا کرتے ہیں مثلاً متّی ۱۰ : ۴۲ میں یُونانی لفظ "ٹھنڈا" کے بعد بعض یُونانی نُسخوں میں لفظ "پانی" لکھا ہے جو اصل متن کا حِصّہ نہیں ہے بلکہ کسی کاتب نے آیت کو پُورا کرنے کے لئے حاشیہ میں لکھ دیا تھا اور بعد کے کسی کاتب نے بایں خیال کہ وُہ لفظ پہلے کاتب سے چھُوٹ گیا ہے اس کو حاشیہ کے متن میں لکھ دیا۔

بعض اوقات کسی نُسخہ کے حاشیہ میں کسی آیت کے مقابل چند الفاظ بطور تشریح لکھے ہوتے ہیں اور کاتب اس نُسخہ کو نقل کرتے وقت بایں خیال کہ وُہ تشریحی الفاظ متن کا حِصّہ تھے، جو پہلے کاتب سے نُسخہ لکھتے وقت رہ گئے تھے اور حاشیہ میں درج کئے گئے تھے، اُن الفاظ کو نقل کرتے وقت متن میں جگہ دے دیتا ہے لیکن اس قسم کی غلطی انجیل جلیل کے کاتبوں سے نہایت کم سرزد ہوئی ہے اور دیگر نُسخوں کے ساتھ مقابلہ کرنے سے یہ نقص بھی رفع ہو جاتا ہے۔

مثلاً انگریز عالم اِریزمس Erasmus جس نے ۱۵۱۶ء میں

یُونانی عہدِ جدید کو پہلی بار چھپوایا، کہتا ہے کہ اُس نے اعمال ۱۵: ۳۴ کے الفاظ "مگر سیلاس نے وہاں رہنا بہتر جانا" اور اعمال ۸: ۳۷ کے الفاظ" فیلبوس نے کہا اگر تُو پُورے دِل سے ایمان لاتا ہے تو رَوا ہے۔ اُس نے جواب میں کہا میں ایمان لاتا ہُوں کہ یسُوع مسیح خُدا کا بیٹا ہے"۔ دو نسخوں کے حاشیوں پر پائے اور اُس نے اِن کو متن میں داخل کر دیا اور اِس طرح یہ دو آیات جو درحقیقت کتاب اعمالُ الرّسل کا جُزو نہیں تھیں اُس میں داخل ہو گئیں۔ جب قدیم نسخوں سے مقابلہ کیا گیا تو اِن آیات کو متن سے خارج کر دیا گیا۔ اِسی طرح ۱۔یُوحنّا ۱: ۷-۸ کے الفاظ "آسمان پر گواہی دیتے ہیں باپ اور کلام اور رُوح قدس اور یہ تینوں ایک ہیں۔ اور تین ہیں جو زمین پر" ایریسمس کی یُونانی عہدِ جدید کی پہلی اور دُوسری ایڈیشن میں نہیں تھے، لیکن کارڈینل ذی مینز Cardinal Ximenes کی یُونانی عہدِ جدید کی ایڈیشن ۱۵۱۴ء میں موجود تھے پس ایریسمس نے اِن الفاظ کو ۱۵۲۲ء میں اپنی کتاب کی تیسری ایڈیشن میں داخل کر دیا جہاں سے وہ پُرانے انگریزی ترجمہ اتھورائزڈ ورشن اور پہلی صدی کے پُرانے اُردُو تراجم میں داخل ہو گئے لیکن قدیم ترین نسخوں کے مطالعہ سے معلوم ہُوا ہے کہ یہ الفاظ اُن نسخوں میں نہیں ہیں اور انجیل کی اصل عبارت کا حصّہ نہیں ہیں۔ پس اُن کو متن سے خارج کر دیا گیا ہے۔ اِن الفاظ کے اخراج سے مسیحی عُلما کی دیانت داری اور صدق نیّت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ مندرجہ بالا آیات خُداوند مسیح کی ابنیّت اور عقیدہ تثلیث سے متعلق ہیں اور مسیحی علماء اگر چاہتے تو اُن کو متن سے خارج نہ کرتے لیکن مسیحی علمائے کی خواہش یہی ہے کہ مومنین کے ہاتھوں میں صرف وُہی اصلی عبارت ہو جو انجیل کے مصنفوں

نے لکھی تھی لہٰذا اُنہوں نے اُن تمام الفاظ اور آیات کو بے دریغ متن سے خارج کر دیا ہے جو انجیلی مجموعہ کی کتابوں کے مصنفین کے قلم نے نہیں لکھی تھیں۔

پس مختلف نسخہ جات کے مقابلہ سے اناجیل اربعہ کے متن میں سے ایزادیاں خارج کر دی گئی ہیں اور یوں حتی الوسع کاتبوں کی غلطی کا ازالہ ہو گیا ہے۔

بعض اوقات کاتب لکھتے وقت فقرے کے الفاظ کی ترتیب یا الفاظ کے حروف کی ترتیب کو تبدیل کر دیتا ہے۔ ایسی غلطیاں بھی مختلف نسخوں کے مقابلہ کرنے سے معلوم ہو جاتی ہیں۔ لیکن ایک ایک فقرے کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک لفظ کے مختلف حروف کی صحیح ترتیب معلوم کرنے کے لئے نہایت صبر و استقلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ مغربی ممالک کے نقادوں نے اپنی گرانمایہ عمروں کا بیش تر حصہ انجیل جلیل کے اصلی متن کے الفاظ کے ایک ایک حرف کی کھوج میں صرف کر دیا ہے۔ ایک نقاد نے خوب کہا ہے کہ سونے کا چھوٹے سے چھوٹا ذرہ بھی سونا ہی ہوتا ہے۔ انجیل کی صحیح عبارت کا ایک ایک حرف اِن نقادوں کی نظر میں سونے سے زیادہ گرانقدر ہوتا ہے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی عالم شخص خود نسخہ کی کتابت کرتا ہے اور وہ کسی مشکل یا غیر مانوس لفظ کی بجائے اُس کا مترادف آسان لفظ لکھ دیتا ہے۔ مثلاً ۱۔ کرنتھیوں ۹: ۹ میں یونانی لفظ "کیمو سائیس" اور "فیمو سائیس" دونوں یونانی لفظوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی "منہ باندھنا"۔ گو ایک لفظ مشکل ہے اور دوسرا آسان ہے۔

بعض اوقات کسی عالم کاتب کے سامنے چند ایک نسخے ہوتے ہیں اور وہ نقل

کرتے وقت ایک مستند نسخہ مرتب کرنا چاہتا ہے۔ اب ممکن ہے کہ نسخوں میں جب کسی ایک حرف یا لفظ میں اختلاف واقع ہو تو اس فاضل کاتب نے مختلف نسخوں میں سے کسی ایک لفظ کو صحیح یا بہتر لفظ خیال کر کے لکھ لیا ہو لیکن وہ لفظ فی الواقع صحیح اور اصلی لفظ نہ ہو۔ لیکن اس قسم کی غلطی بھی نسخوں کے باہمی مقابلہ سے رفع ہو جاتی ہے۔

بعض اوقات کسی عالم کاتب کو نقل کرتے وقت یاد آ جاتا ہے کہ فلاں مقام پر فلاں یونانی لفظ کے لئے سریانی یا لاطینی یا قبطی ترجمہ میں فلاں لفظ آیا ہے جس کا یونانی ترجمہ متن کے یونانی لفظ کے مفہوم کو بہتر طور پر ادا کر سکتا ہے۔ پس وہ اپنے متن کے لفظ کو ترک کر کے ایک اور یونانی لفظ لکھ دیتا ہے جو اس کے ہم معنی اور مترادف لفظ ہوتا ہے۔ لیکن مختلف نسخہ جات کے مقابلے سے الفاظ کی تبدیلی کا پتہ فوراً لگ جاتا ہے۔ اس قسم کی غلطیاں اکثر ایسے نسخوں میں پائی جاتی ہیں جن میں اصل یونانی متن اور سریانی یا لاطینی یا قبطی ترجمے ایک دوسرے کے مقابل لکھے ہوتے ہیں۔ آگے چل کر فصلِ دوم میں ہم نسخہ ”بیزا“ کا ذکر کریں گے جس میں یونانی متن اور لاطینی ترجمہ نے ایک دوسرے کو متاثر کر رکھا ہے۔

انجیلی اختلافات کی حقیقت

یہاں ہم ناظرین پر ان انجیلی اختلافات کی حقیقت بھی جتلا دیتے ہیں، جو معترضین کے مایۂ ناز ہتھیار ہیں۔ ڈاکٹر ہارٹ جس نے اپنی گرانمایہ عمر اس فن تنقید میں صرف کر دی لکھتا ہے کہ عہدِ جدید کی کتب کے وہ الفاظ جو بغیر کسی شک و شبہ کے اصلی ہیں ان میں خفیف سے خفیف تبدیلی بھی واقع نہیں

ہوئی وہ انجیل کا تقریباً ⅛ حصہ ہیں۔ باقی آٹھویں جزو کا ایک بہت بڑا حصہ اُن الفاظ پر مشتمل ہے جن کے ہجا میں اختلاف ہے یا دیگر نہایت خفیف اختلافات ہیں لیکن وہ اختلافات جو صحیح معانی میں حقیقی اختلافات کہلائے جا سکتے ہیں۔ انجیل کے تمام متن کا ایک ہزارواں (۱/۱۰۰۰) حصہ[1] ہے" (دیباچہ عہدِ جدید یونانی صفحہ ۲) ڈاکٹر موصوف کا "حقیقی اختلافات" سے مطلب الفاظ کے ادل بدل سے ہے۔ مثلاً اسم کی بجائے ضمائر کا استعمال وغیرہ مثلاً "اُس نے کہا" کی بجائے "پطرس نے کہا" وغیرہ۔

اِس ایک ہزارویں حصہ کی نسبت سر فریڈرک کینین جیسا قابل اور محتاط نقاد کہتا ہے کہ اِس ایک ہزارویں حصہ میں ایک آیت یا ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس کا مسیحی تعلیم پر اثر پڑ سکے[2]"۔ کیا ایک کتاب سے جو دو ہزار سال پرانی ہو زیادہ صحت کی توقع ہو سکتی ہے؟ پس یہ اختلافات ایک محقق کی نگاہ میں جو اصلیت کا خواہاں ہے کچھ وقعت نہیں رکھتے کیونکہ وہ اُن کی نوعیت سے واقف ہے۔ آنجہانی مرزا صاحب قادیانی جیسا شخص بھی مجبور ہو کر کُتبِ مقدسہ کی صحت کا یوں اقرار کرتا ہے "ہمارے امام المحدثین اسمٰعیل صاحب اپنی صحیح بخاری میں لکھتے ہیں کہ ان کتابوں میں کوئی لفظی تحریف نہیں" (ازالہ ص۳۰۲) اور کہتا ہے کہ "دانشمند کو خوب معلوم ہے کہ عربی اور فارسی کی کوئی مبسوط تالیف سہو اور غلطی سے مبرا نہیں ہو سکتی لیکن جبکہ جو شخص کے لئے کوئی نہ کوئی لفظ گو سہوِ کتابت ہی سہی حجت

1. New Testament in the original Greek P. 2 (1882)

2. Textual criticism of the New Testament P. 7 By Sir F. Kenyon

پیش کرنے کے لئے ایک سہارا ہو سکتا ہے" اور وہ "اپنے دل کو اس بازاری چال بازی سے خوش کر لیتا ہے (کرامات الصادقین صفحہ د)۔ اس رسالہ میں ہمارا روئے سخن صرف محققین اور "دانشمندوں" سے ہے، جیسا جو "اشتعال جو" "بازاری چال بازی سے اپنا دل خوش" کر لیتے ہیں اور جن کا کام ابلہ فریبی ہے، ہمارے مخاطب نہیں۔

بابِ دوم

انجیلِ جلیل کی صحت پر آثارِ قدیمہ کی شہادت

علمِ آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے گذشتہ صدی سے اُن ممالک کی طرف خاص توجہ دی ہے جن کا ذکر کتابِ مقدس میں آیا ہے۔ اُن کی دریافتوں نے کتبِ مقدسہ کے بیانات کی تصدیق کی ہے۔ عہدِ عتیق کی کتب کے مجموعہ کی تصدیق کا ذکر ہم حصہ اول کے باب چہارم کے آخر میں کر آئے ہیں۔ اس باب میں ہم آثارِ قدیمہ کے اُن نتائج کا ذکر کریں گے جن کا تعلق انجیلِ جلیل کے مجموعہ سے ہے۔ اس باب میں ہم صرف کتبہ جات کا ذکر کریں گے جن کا تعلق انجیل کے متن سے ہے۔ اگلے ابواب میں ہم اُن قدیم نسخہ جات کا ذکر کریں گے جو انجیلی متن کے نسخے ہیں:-

ا۔ مُقدّس مرقس (۱ : ۲۱) ۔ متّی (۱۲ : ۲۳) لُوقا (۴ : ۳۲) وغیرہ مقامات میں کفرنحوم کے عبادت خانہ کا ذکر ہے جہاں کلمۃ اللہ عبادت خانہ میں جاکر تعلیم دیا کرتے تھے ۔ آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے اس عبادت خانہ کو کھود نکالا ہے اور ان تفاصیل کی تصدیق ہو گئی ہے جو اناجیل میں اس عبادت خانہ کے متعلق پائی جاتی ہیں۔

۲۔ مُقدّس لُوقا (۳ : ۱) میں لکھا ہے کہ یُوحنّا بپتسمہ دینے والے نے اُس زمانہ میں خُداوند کا کلام سُنانا شروع کیا جب لسانیاس ابلینے کا حاکم تھا۔ آثارِ قدیمہ کے ماہرین کو دمشق سے ۱۸ میل شمال مغرب کی جانب مقام ابلہ سے یک یُونانی کتبہ دستیاب ہُوا ہے جس نے ثابت کر دیا ہے کہ ۱۴ء اور ۲۹ء کے درمیان لسانیاس "ٹیٹرارک" Tetrarch تھا۔ مُقدّس یُوحنّا نے ۳۰ء میں یہود کو پیغامِ الٰہی دینا شروع کیا تھا۔

۳۔ انجیلِ لُوقا ۲ : ۱۔ ۴ میں مردُم شماری کا ذکر ہے جو قیصر اگستس کے حُکم سے رعایا میسیح کی پیدائش کے وقت ہُوئی تھی جس کے مُطابق "سب لوگ نام لکھوانے کے لئے اپنے اپنے شہر کو گئے"۔ اب ایک ہے پاپَرس دستیاب ہُوا ہُوا ہے جو برٹش میُوزیم میں ہے ۔ اس میں لکھا ہے کہ مصر کے رُومی گورنر نے ۱۰۴ء میں فرمان جاری کیا کہ "چُونکہ خاندان کے مُطابق مردُم شماری ہُوا کرتی ہے لہٰذا حُکم دیا جاتا ہے کہ جو اشخاص کسی وجہ سے اپنے ضلع کے باہر گئے ہُوئے ہیں وہ واپس اپنے گھروں میں پہنچ جائیں تاکہ حسبِ دستُور اُن کی مردُم شماری کی جائے"۔ یہ حُکم ثابت کرتا ہے کہ اِسم نویسی کا جو طریقہ مُقدّس لُوقا نے ۲ : ۳ میں لکھا ہے وہ رُومی سلطنت میں مدّتِ مدید سے جاری تھا اور انجیلی بیان کی تصدیق ہوتی ہے ۔

تمام علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ خداوند مسیح سنہ ۳۰ء کے قریب مصلوب
کئے گئے تھے۔ مقدس لوقا لکھتے ہیں کہ یوحنا بپتسمہ دینے والے نے قیصر طبریاس
کی حکومت کے پندرھویں سال میں اہلِ یہود کو خداوند کا کلام پہنچانا شروع کیا۔
یہ قیصر سنہ ۱۴ء میں تخت نشین ہوا تھا۔ مقدس لوقا نے بادشاہوں کی حکومت
کے کسی سال کے آغاز کا وہی طریقہ اختیار کیا تھا جو ملکِ شام میں مروج تھا۔
اور ملکِ شام کا وہی طریقہ تھا جو یونان کے شاہی خاندانِ سلوکی Selencid
کا تھا جس کا ذکر ہم باب پنجم کی فصل دوم میں کر آئے ہیں۔ اس خاندان کے بادشاہ
کے سن جلوس کا آغاز ستمبر اکتوبر کے ایام میں ہوا کرتا تھا۔ قیصر طبریاس اگست
سنہ ۱۴ء میں روم کے تخت پر بیٹھا تھا پس اس کا دوسرا سن جلوس اسی سال
کے ستمبر اکتوبر میں واقع ہوا۔

انجیل چہارم میں فسح کی تین عیدوں کا ذکر آیا ہے۔ تیسری عید فسح سنہ ۳۰ء
میں واقع ہوئی جب آنخداوند مصلوب کئے گئے تھے جس عید فسح کا ذکر یوحنا
۲: ۱۳ الخ میں ہے وہ مارچ سنہ ۲۸ء میں واقع ہوئی تھی۔ یہ تاریخ یوحنا ۲: ۲۰
کے مطابق ہے جس کے مطابق یروشلیم کی ہیکل چھیالیس سالوں میں بنی تھی۔
ہیرودیس نے ہیکل کی یہ عمارت سن بیس اُنیس میں شروع کی تھی پس سنہ ۲۸ء
میں اس کو تعمیر ہوتے چھیالیس سال ہو گئے تھے۔ اس حساب کے مطابق حضرت
ابن اللہ نے تین سال (از سنہ ۲۷ء تا سنہ ۳۰ء) خدا کی محبت کا پیغام خلقِ خدا کو
پہنچایا اور آپ سنہ ۳۰ء میں مصلوب ہوئے۔ اور مختلف مورخوں کی کتب تواریخ انجیلی
بیان کی تصدیق کرتی ہیں کہ آپ کی وفات کے وقت پنطس پیلاطس یہودیہ کا گورنر

تھا اور ہیرودیس اینٹی پاس صوبہ گلیل کا "ٹیٹ رارک" Tetrarch تھا اور کیفاس اہلِ یہود کا سردار کاہن تھا۔

مُقدّس متّی لکھتا ہے کہ آنخداوند کی صلیبی موت کے دن "دوپہر سے لے کر تیسرے پہر تک تمام مُلک میں اندھیرا چھایا رہا" (۲۷ : ۴۵)۔ مسیحیت کے ابتدائی ایّام میں ۵۲ء میں ایک غیر یہود مُصنّف تھیلس Thallus نے اس واقعہ کو تسلیم کیا لیکن اس کی یہ تاویل کی کہ یہ تاریکی سُورج گہن کی وجہ سے تھی۔ اس تاویل کے جواب میں مسیحی مُصنّف جولیس افریقینس Africanus ۲۲۱ء میں لکھتا ہے کہ تھیلس کا نظریہ غلط ہے کیونکہ بدرِ کامل کے وقت سُورج گہن کا لگنا انہونی بات ہے۔ جس روز مُنجی جہاں مصلوب ہُوئے وہ چودہ ماہ نیسان تھا۔ مورّخ یُوسیفس ہم کو بتلاتا ہے کہ تھیلس قیصر طبریاس کا آزاد کردہ غلام تھا۔[1]

۴۔ ہم حصّہ اوّل کے باب پنجم میں بتلا آئے ہیں کہ اناجیل اربعہ کے لکھے جانے کے بعد رُومی افواج نے یروشلیم کو ایسا تہ وبالا کر دیا کہ اُس کے کسی پتھر پر پتھر باقی نہ چھوڑا، اور کہ ۱۳۵ء میں اس کے مقام پر ایک نیا شہر بسایا گیا جو بُت پرستوں کے شہروں کی مانند تھا۔ پس پُرانے شہر یروشلیم کے آثارِ قدیمہ کو معلوم کرنا آسان کام نہیں ہے۔ یہ کام اب اور بھی زیادہ مُشکل ہو گیا ہے کیونکہ موجودہ زمانہ میں شہر کی آبادی نہایت گنجان ہو گئی ہے اور اس کے مقامات کی کھُدائی عمل میں نہیں آسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کو اُس خاص مقام کا صحیح پتہ نہیں ملتا جہاں خُداوند مصلوب ہُوئے تھے۔[2] اگرچہ بعد کے زمانہ میں ۳۲۶ء میں قیصر کانسٹن ٹائن کو

1. Josephus, Antiquities. xviii, 6-4. 2. A. Parrot, Golgatha and the Church of the Holy Sepulchre. (1957)

ایک مقام دکھایا گیا جہاں اب مقدس قبر کا کرجا The Church of the Holy
Sepulchre. کھڑا ہے۔ تاہم ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے چند ایک مقامات کا
پتہ لگایا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو :-

۵ - یوحنا کی انجیل ۵ : ۱-۲ میں ہے " یروشلیم میں بھیڑ دروازہ کے پاس ایک حوض ہے ... جس کے پانچ برآمدے ہیں " آثارِ قدیمہ کے محکمہ نے ۱۸۸۸ء میں اس حوض کی جگہ کو کھودا۔ اس مقام کی شمالی دیوار میں پانچ محراب ہیں اور دیوار پر ایک فرشتہ کی صورت نظر آتی ہے جو پانی کو ہلاتا ہے (آیت ۴)۔ سیڑھیوں کے نیچے ایک حوض موجود ہے جس کے شمال کی جانب پانچ برآمدے ہیں جو مذکورہ بالا پانچ محرابوں کے عین نیچے ہیں۔ اور مقدس یوحنا کے بیان کی زبانِ حال سے تصدیق کرتے ہیں۔ یہ مقام پرانے یروشلیم کے شمال مشرق کی جانب واقع ہے۔

۶ - یوحنا ۴ : ۶ میں " یعقوب کے کنوئیں " کا ذکر ہے۔ آثارِ قدیمہ نے اس کنوئیں کا کھوج بھی نکالا ہے۔ یہ قدیم سکم میں بلاطہ کے قریب واقع ہے اور مقدس رسول کے بیان کی تصدیق کرتا ہے۔

۷ - مقدس یوحنا ۹ : ۱۱ میں " شیلوخ کے حوض " کا ذکر کرتا ہے۔ محکمہ آثارِ قدیمہ کو اس حوض کا بھی سراغ مل گیا ہے۔ یہ ہیکل کی جنوب کی جانب موجود ہے۔

۸ - مقدس یوحنا ۱۹ : ۱۳ میں لکھتا ہے " اس جگہ کو جو چبوترہ اور عبرانی میں گبتا کہلاتی ہے " اس مقام کا بھی اب صحیح پتہ مل گیا ہے۔ یہ جگہ قلعہ انطونیا کی کورٹ تھی۔ یہ " چبوترہ " ایک رومی فرش ہے جو قریباً تین ہزار مربع گز ہے۔

مقدس یوحنا کی انجیل سے صاف ظاہر ہے کہ یہ انجیل نویس یروشلیم کا رہنے

والا تھا اور اُس شہر کی گلی کوچوں سے بخوبی واقف تھا پس وُہ اُن بیانات کا جو اُس نے اپنی انجیل میں لکھے ہیں چشم دید گواہ ہے۔ اِس حقیقت نے ہمارے نظریہ کی بھی تصدیق کر دی ہے جو ہم نے اپنی کتاب "قدامت و اصلیتِ اناجیلِ اربعہ" کی دُوسری جلد کے باب ہفتم میں لکھا ہے کہ مُقدّس یُوحنّا انجیل نویس خاص یروشلیم کا رہنے والا تھا۔

۹۔ تمام نقاد بلا استثنا اِس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ مُقدّس لُوقا انجیل نویس نہایت محتاط مؤرخ ہے۔ اِس حقیقت پر ہم اپنی مذکورہ بالا کتاب کی دُوسری جلد کے حصّہ دوم اور سوم میں مفصّل بحث کر چکے ہیں۔ آثارِ قدیمہ نے بھی اِس حقیقت پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔ چنانچہ سطورِ بالا میں ہم ایک مثال انجیل ۲: ۱سے دے آئے ہیں۔ اِس کی دُوسری تصنیف اعمال الرسل کی تصدیق بھی آثارِ قدیمہ نے کر دی ہے مثلاً

۱۰۔ مُقدّس لُوقا انجیل اور اعمال الرسل میں بار بار رُومی سلطنت کے عُہدہ داروں اور عہدوں کا ذکر کرتے ہیں۔ سلطنتِ رُوم کے تاریخ دان اِس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ سرکاری عُہدے تعداد میں اِس قدر زیادہ تھے کہ اُن کا کوئی شمار نہ تھا۔ کوئی معمولی لیاقت کا اِنسان اِن بے شمار چھوٹے بڑے عُہدوں کے اختلافات میں تمیز نہیں کر سکتا تھا، چہ جائیکہ وُہ ان عُہدوں کے ناموں کا صحیح استعمال کرے۔ لیکن مُقدّس لُوقا اِن عُہدوں کا ذکر اِس صحت کے ساتھ کرتا ہے کہ اِنسان حیران رہ جاتا ہے۔ چنانچہ اعمال ۱۷: ۶ میں وُہ عُہدہ داروں کی نسبت لکھتا ہے کہ وُہ "پولی تارک" تھے جس کا اُردُو میں ترجمہ "حاکموں" کیا گیا ہے۔ یہ نام کسی دُوسرے مُصنّف نے کبھی استعمال ہی نہیں کیا۔ لیکن محکمۂ آثارِ قدیمہ نے دُوسری صدی قبل مسیح سے تیسری مسیحی صدی تک کے زمانہ کے سکّوں پر یہ عُہدہ کندہ پایا ہے۔ یہ عُہدہ مقدونیہ کے

شہروں کے مجسٹریٹوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ان سکوں میں سے پانچ سکے مقدونیہ کے شہر تھسلنیکے سے ہیں جہاں پہلی صدی مسیحی میں پانچ اور دوسری صدی مسیحی کے نصف میں چھ "پولی تارک" متعین تھے۔ مقدس لوقا اپنی کتاب اعمال کے ۱۷ باب میں تھسلنیکے کا ذکر کرتا ہے جہاں مفسد، یاسون اور دیگر مسیحیوں کو گھسیٹ کر "پولی تارک" کے پاس لے گئے تھے۔ آثار قدیمہ نے حیرت ناک طریقہ سے [illegible] مقدس لوقا کے محتاط بیان اور الفاظ کی تصدیق کر دی ہے۔

۱۱۔ مقدس لوقا اعمال ۱۸ باب کی ۴-۸ آیات میں کرنتھس کے "عبادت خانہ" کا ذکر کرتا ہے جہاں مقدس پولوس "ہر سبت کے روز بحث کرتا اور یہودیوں اور یونانیوں کو قائل کرتا رہا"۔ اب کرنتھس کے ایک قدیم مکان کے دروازہ پر یونانی زبان کا ایک کتبہ پایا گیا ہے جس پر لکھا ہے "عبرانیوں کا عبادت خانہ"۔ جس سے یہ یقینی طور پر معلوم ہو گیا ہے جس میں مقدس پولس وعظ فرمایا کرتے تھے۔

۱۲۔ اعمال ۱۸: ۱۲ میں ہے "جب گلیو اخیہ کا صوبہ دار تھا"۔ اب وسط یونان سے ڈیلفی Delphi کے ایک پتھر پر قیصر کلاڈیس کا ایک فرمان کندہ ملا ہے۔ اس فرمان میں لکھا ہے کہ گلیو اخیہ کا "پروکونسل" تھا۔ یہ فرمان ۵۲ء کے پہلے سات ماہ کا ہے۔ تاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ یہ شخص ایک سال کی مدت کے لئے "پروکونسل" مقرر ہوا تھا اور نئے پروکونسل یکم جولائی سے اپنے عہدہ پر مقرر کئے جاتے تھے۔ پس ظاہر ہو گیا کہ گلیو ۵۱ء کی یکم جولائی کو پروکونسل کے عہدہ پر مامور ہوا تھا جب مقدس پولس کرنتھس میں انجیل جلیل کی اشاعت میں کوشاں تھے (اعمال ۱۸: ۱۱ تا آخر)۔ یہ کتبہ نہ صرف مقدس لوقا کے بیان کی

صحت کی تائید و تصدیق کرتا ہے بلکہ مُقدّس پولُس کی تبلیغی مساعی کی ٹھیک تاریخیں مقرّر کرنے میں بھی مدد دیتا ہے۔

۱۳۔ اعمال الرُسل کے اُنیسویں باب میں اُس فساد کا مفصل ذکر موجود ہے جو شہر اِفسس میں ہُوا۔ اس کے بیان کے الفاظ فساد کا نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ بلوس کا انعقاد "تماشہ گاہ" میں ہُوا۔ اب ایک کتبہ اِفسس کے تماشہ گاہ سے دستیاب ہُوا ہے جس پر یونانی اور لاطینی زبانوں میں لکھا ہے کہ ایک رومی حاکم وِبیّس سَلیُوٹرِس Vibius Salutaris نے ارتمس دیوی کا چاندی کا بُت بنوایا اور وہ اور دیگر چند بُت س کو دیئے تاکہ وُہ تماشا گاہ میں رکھے جائیں۔ مُقدّس لُوقا لکھتا ہے کہ دیمیتریس اور اُس کے ہم پیشہ سُنار "ارتمس کے روپہلے مندر" بنا کر اور ارتمس دیوی کی مورتیاں بنا کر "آسُودگی" سے زندگی بسر کرتے تھے۔ پس یہ کتبہ مُقدّس لُوقا کے بیان کا مُصدِّق ہے۔ اِفسس کے تماشا گاہ کی بھی کُھدائی ہُوئی ہے۔ وُہ اِس قدر فراخ ہے کہ اس میں ۲۵ ہزار انسان بآسانی تمام سما سکتے ہیں۔

۱۴۔ اعمال ۱۴: ۸ تا ۲۰ آیات میں ایشیائے کوچک کے شہر لُسترہ کے فتنہ کا ذکر پایا جاتا ہے۔ وہاں مُقدّس پولُس نے انجیل کی خوشخبری دی اور ایک لنگڑے کو شفا بخشی۔ وہاں کے باشندوں نے رسُولِ مقبُول کو ہرمیس دیوتا اور آپ کے ساتھی مُقدّس برنباس کو زیُوس کا نام دے کر اُن کے آگے بیلوں کی قُربانی کرنی چاہی۔ اِس زمانہ میں لُسترہ کی کھدائی سے کتبے دستیاب ہُوئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں اِن دونوں دیوتاؤں ہرمیس اور زیُوس کی پُوجا ہُوا کرتی تھی۔ یہ کتبے

مُقدس لُوقا کے بیان کے مُصدق ہیں۔

۱۵۔ مُقدس لُوقا اعمال (۱۴: ۲۰) میں لکھتے ہیں کہ لُسترہ کے فساد کے بعد مُقدس پولُس اَور برنباس دربے کو چلے گئے۔ حوادثِ زمانہ کے ہاتھوں شہر دربے کا نشان مٹ گیا۔ لیکن ۱۹۵۶ء میں اس شہر کے صحیح مقام کا پتہ چلا۔ جب یہاں کھدائی ہُوئی، تب اس مقام سے کتبے دستیاب ہُوئے جو ۱۵۷ء کے تھے۔ اِن کتبوں پر دربے شہر اَور اس کے باشندوں کا ذکر پایا جاتا ہے۔ پس آثارِ قدیمہ نے مُقدس لُوقا کے بیان کی تصدیق کر دی اَور صحیح مقام کا نشان بھی بتلا دیا۔

۱۶۔ اعمال ۲۱: ۱۷ تا آخر میں ہے کہ جب مُقدس پولُس اپنے ہمراہ چار آدمیوں کو لے کر ہیکل میں گئے تو آسیہ کے یہودیوں نے اُسے دیکھ کر "چلّائے کہ اس نے یُونانیوں کو ہیکل میں لا کر اس پاک مقام کو ناپاک کر دیا ہے" اَور اس کو قتل کرنے کے لئے پکڑ لیا۔ غیر یہود کو حکم تھا کہ ہیکل کی بیرونی دیوار تک ہی آیا کریں اَور اندر نہ داخل ہوں۔ اَور اگر وُہ اندرونی حصہ میں جانے کی جرأت کریں تو وُہ مستوجبِ سزائے قتل ہوں گے۔ اَور مبادا کوئی غیر یہود بے علمی کا بہانہ کر کے اندر چلا جائے اُس دیوار پر جو بیرونی حصہ کو اندرونی حصہ سے جُدا کرتی تھی جا بجا یُونانی اَور لاطینی زبانوں میں اشتہار لگا دیئے گئے تھے کہ جو غیر یہود اندر آنے کی جرأت کرے گا وُہ بے دریغ قتل کر دیا جائے گا اَور وُہ اپنی موت کا آپ ذمہ دار ہو گا۔

۱۸۷۱ء اَور ۱۹۳۵ء میں اس مضمون کے یُونانی کتبے دستیاب ہُوئے ہیں جن پر لکھا ہے "کسی پردیسی کو اجازت نہیں کہ ہیکل کی بیرونی دیوار کے اُس پار جائے

اور اندرونی اور بیرونی حصّوں کے درمیان داخل ہو جو شخص ایسا کرے گا وہ گرفتار کر لیا جائے گا اور وہ اپنی موت کا خود ذمہ دار ہوگا۔"

پس آثارِ قدیمہ کی دریافت نے اعمال کی کتاب کے بیان کو درست ثابت کر دیا ہے۔ اِن کتبوں نے نہ صرف اعمال کے بیان کی تصدیق کی ہے بلکہ مُقدّس پولُس کے الفاظ" مسیح یسُوع نے جُدائی کی دیوار کو ڈھا کر یہود اور غیر یہود کو ایک کر لیا ہے" (افسیوں ۲: ۱۴) کو معنی خیز بنا دیا ہے اور عالم و عالمیان پر مسیحیت کی عالمگیری کو واضح کر دیا ہے۔

۱۷۔ مُقدّس لوقا اعمال الرُسل (۲۸: ۷) میں جزیرہ مالٹا کے "سردار" کا ذکر کرتا ہے۔ جو رُتبہ کے لحاظ سے تمام جزیرہ میں سب سے بڑا عہدہ دار تھا۔ اب یونانی اور لاطینی کتبے دستیاب ہوتے ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اُس شخص کا عہدہ یُونانی میں Protos اور لاطینی میں Primus. تھا۔ جن الفاظ کے معنی کو اُردو کی انجیل میں لفظ "سردار" سے ادا کیا گیا ہے۔ ہم اُوپر ذکر کر چکے ہیں کہ رُومی سلطنت میں بے شمار عُہدے تھے جن میں ہر کس و ناکس تمیز کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا تھا۔ یہاں مُقدّس لوقا کے محتاط مصنف ہونے کا ثبوت ملتا ہے کہ آپ ان عُہدیداروں کے درست ناموں تک کو جانتے تھے اور اِن باریک تفصیلوں سے کماحقہٗ واقف تھے۔ اس قسم کی خفیف تفصیلات تک اس کی تصانیف کی صحت کی مُصدّق ہیں۔

۱۸۔ جب مُقدّس پولُس کرنتھس کے شہر میں قیام پذیر تھے تو آپ نے ۵۶-۵۷ء کے درمیان کلیسیائے رُوم کو خط لکھا جو انجیلی مجموعہ میں شامل ہے۔ اِس

خط کے آخری باب میں لکھا ہے کہ "اراستس شہر کا خزانچی" تم کو سلام بھیجتا ہے (۱۶ : ۲۳)۔ جب ۱۹۲۹ء میں کرنتھس کی کھدائی ہوئی تو وہاں پہلی صدی مسیحی کا ایک فرش نظر آیا۔ جس پر ایک کتبہ تھا جس پر لکھا تھا کہ "عمارات عامہ کے منتظم Curator اراستس نے یہ فرش اپنی گرہ سے بنوایا"۔ اسی شہر کرنتھس کے ایک اور کتبہ میں "گوشت کی مارکیٹ" کا ذکر ہے، جہاں قصابوں کی دکانوں پر گوشت بکتا تھا۔ مقدس رسول اسی مارکیٹ کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ (۱۔کرنتھیوں ۱۰ : ۲۵)۔ اب تک آثار قدیمہ کے تمام نتائج ثابت کرتے چلے آئے ہیں کہ جو باتیں اور واقعات دو ہزار سال ہوئے انجیل نویسوں اور انجیل مجموعہ کے مصنفوں نے لکھی تھیں، وہ سب کی سب مجملاً اور تفصیلاً صحیح ہیں۔ ہم یہاں چند ایک مثالوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ جن صاحب کو ان باتوں کے مطالعہ کا شوق ہو ہم اُن کی توجہ جے۔ ایچ۔ کیڈبری اور سر ولیم ریمزے مرحوم اور دیگر علما کی کتب کی جانب مبذول کرتے ہیں۔

باب سوم

انجیل جلیل کی صحت پر تاریخ کی شہادت

عہد جدید کی کتب پہلی صدی مسیحی میں احاطۂ تحریر میں آئیں اور ہمارے پاس اس وقت دوسری صدی کے اوائل اور اس کے بعد کے نسخے موجود ہیں۔

---

1. Josephus, Jewish Wars, vi. 2. 4.

۲۔ J. H. Cadbury. The Book of Acts in History.

۳۔ William Ramsay.

جب ہم دیکھتے ہیں کہ یُونانی فلاسفر افلاطُون[1] کی تصنیفات کا اوّلین نُسخہ جو ہمارے پاس موجُود ہے اُس کی وفات سے تیرہ[13] سَو سال بعد کا ہے اَور یُونانی مُصنّف سوفوکلیز[2] کے ڈراموں کا نسخہ اُس کی وفات سے چودہ[14] سَو سال بعد کا ہے اور یوری پیڈیز کا نُسخہ اُس کی وفات سے سوُلہ[16] سو سال بعد کا ہے تو ہم حیران رہ جاتے ہیں کہ انجیلِ جلیل کا قدیم ترین نُسخہ جو ہمارے ہاتھوں میں موجُود ہے انجیل کے مُصنّفین کی وفات کے صرف ایک سو سال بعد کا ہے۔ جب افلاطُون وغیرہ کی مروّجہ کُتب کی بابت باوجُود تیرہ چودہ اَور سولہ صدیاں حائل ہونے کے ہم وثُوق کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ ان کی مُروّجہ کُتب وُہی ہیں جو اُن کے ہاتھوں سے نکلی تھیں، اَور اُن میں کوئی ایسا فتوُر واقع نہیں ہُوا جس کی وجہ سے وُہ پایۂ اعتبار سے ساقط ہوگئی ہیں تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ہم کُتبِ عہدِ جدید کی نسبت خواہ مخواہ اِس قسم کا فتوٰی صادر کر دیں۔ یاد رہے کہ ہم یہاں انجیل کے صرف اصل یُونانی نُسخوں کی بات کرتے ہیں ورنہ ہمارے پاس (جیسا آئندہ واضح ہوجائیگا پہلی، دُوسری اَور تیسری صدی کے مسیحی مُصنّفین کی کُتب اَور اُسی زمانہ کے انجیل کے لاطینی اَور سُریانی وغیرہ زبانوں کے تراجم بھی موجود ہیں جو کُتبِ عہدِ جدید کی صحت پر شاہد ہیں۔

اِس رسالہ کے حِصّہ اوّل میں ہم نے دیکھا تھا کہ عہدِ عتیق کی کُتب کا متن محفُوظ ہے اَور درجۂ اعتبار سے ہرگز ساقط نہیں۔ اگرچہ جیسا ہم حِصّہ اوّل میں بتلا چُکے ہیں نُسخہ توراتِ سامری کے علاوہ اب ہمارے پاس اِن کُتب کے قدیم ترین نُسخے عبری رسم الخط میں موجُود ہیں تاہم ان بائیس سو سال کے قدیم نُسخوں اَور

1. Plato 2. Sophocles, Euripides

کتابوں کے اصل مصنفوں کے درمیان ہمارے علم کی موجودہ حالت کے مطابق قریباً دو صدیاں حائل ہیں۔ لیکن عہدِ جدید کی کُتب کا یہ حال نہیں ہے بلکہ جیسا ابھی ذکر کیا جا چُکا ہے اِن کتابوں کے دُوسری صدی کے اوائل کے قدیم نُسخے ہمارے پاس محفوظ ہیں جو اِن کی اصلیت کے گواہ ہیں اور جن کا ذکر شرح اور بسط کے ساتھ اس باب میں کیا جائے گا۔

نُسخوں کی تاریخ کے دَور

پندرھویں صدی مسیحی میں چھاپہ کے حرُوف ایجاد ہُوئے۔ پس انجیلی نُسخوں کا زمانہ پندرھویں صدی مسیحی تک یعنی چودہ سو سال کا عرصہ ہے۔ یہ زمانہ تین حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

(۱) دَورِ اوّل۔ پہلی صدی کے درمیان سے لے کر چوتھی صدی کے شروع تک۔ (از سنہ ۵۰ء تا سنہ ۳۰۰ء) اِس زمانہ میں بالعموم کتابیں پپے پائرس (جسے ہندی میں بھیڑا یا برڑی اور عربی میں حفاء اور قرطاس کہتے ہیں) پر لکھی جاتی تھیں جو موجودہ کاغذ کی طرح پائدار شے تھی۔ کُتبِ مُقدّسہ کی کتابیں بھی اِسی شے پر لکھی جاتی تھیں (یسعیاہ ۱۸ : ۲ و ۲ یُوحنّا آیت ۱۲) اور طرزِ تحریر بھی ایسا تھا جو اس شے کی تقطیع کے مُطابق تھا۔ قرآن میں پپے پائرس کے لئے لفظ قرطاس اور اس کی جمع قراطیس استعمال ہُوا ہے (انعام ع ۱۱۔ وغیرہ)۔

(۲) دَورِ دوم۔ چوتھی صدی مسیحی سے نویں صدی مسیحی تک (از سنہ ۳۰۰ء تا سنہ ۹۰۰ء) اِس زمانہ میں کُتبِ مُقدّسہ چمڑے یعنی رَق پر لکھی جاتی تھیں اور تحریر تقطیع کے مُطابق بڑے اور جلی حروف میں تھی۔

(۳) دَورِ سوم - نویں صدی سے پندرھویں صدی تک (از ۸۰۰ء تا ۱۴۰۰ء)
اِس زمانہ میں عموماً رَق پر کُتبِ مُقدسہ لکھی جاتی تھیں۔ لیکن ۱۲۰۰ء سے کاغذ بھی استعمال ہونے لگ گیا تھا۔ اس زمانہ کی تحریر باریک اور چھوٹے حروف میں تھی جو ایک دُوسرے سے الگ نہیں کئے جاتے تھے بلکہ باہم ملائے جاتے تھے۔

فصلِ اوّل

دَورِ اوّل

پے پائرس کا زمانہ

(از ۵۰ء تا ۳۰۰ء)

طُوماروں کی لمبائی

پہلی صدی مسیحی میں کتابیں پے پائرس پر لکھی جاتی تھیں۔ اِس شے کا ذکر ۲۔یُوحنّا آیت ۱۲ میں آیا ہے جہاں اِس کا تُرجمہ "کاغذ" کیا گیا ہے۔ یہ پَودا مصر میں دریائے نیل کے کناروں پر بکثرت پایا جاتا تھا۔ مصر کی سرزمین ایسی خُشک ہے کہ پے پائرس کی جو کتابیں ریت کے نیچے صدیوں سے دبی چلی آئی ہیں وُہ من وعن محفُوظ رہی ہیں۔ اِس شے کی تقطیع ۶ انچ سے ۱۵ انچ تک ہوتی تھی اور اس کے بہت سے ٹکڑے اکٹھے ملا کر جوڑ کر ایک لمبا طُومار جو طُول میں عموماً تیس فٹ سے زیادہ نہیں ہوتا تھا تیار کیا جاتا تھا۔

اِس طُومار کو کاتب نقل کر کے پیش کیتے تھے۔ لکھائی نستعلیق قسم کی ہوتی تھی اَور کُتبِ انجیل کے کاتب حرکات وسکنات وقف کے علامات وغیرہ بھی کبھی کبھی لکھ دیتے تھے۔ بالخصوص جب کبھی کوئی ایسا لفظ یا عبارت ہوتی جہاں کاتب کے خیال میں غلطی کا اندیشہ ہو سکتا تھا تو وُہ حرکات اور علاماتِ وقف لگا دیا کرتا تھا۔ طُومار کی لمبائی کا اندازہ ہم یُوں کر سکتے ہیں کہ مُقدس یُوحنا کے دُوسرے یا تیسرے خط یا فلیمون کے خط کو لکھنے کے لئے پے پائرس کا صرف ایک ورق درکار تھا۔ فلپیوں یا کُلسیوں کے خط کے لئے پے پائرس کے صرف ۳ یا ۴ فٹ درکار تھے۔ رُومیوں کا خط لکھنے کے لئے ۱۱½ فٹ لمبا طُومار درکار تھا۔ مکاشفات کے لئے ۱۵ فٹ کا۔ مرقس کی انجیل کے لئے ۱۹ فٹ کا۔ یُوحنا کی انجیل کے لئے ۲۳½ فٹ کا۔ متی کی انجیل کے لئے ۳۰ فٹ کا۔ رسُولوں کے اعمال کے لئے ۳۱ فٹ کا۔ اَور لُوقا کی انجیل کے لئے ۳۲ فٹ کا طُومار درکار تھا۔ طُومار کی تقطیع ۵ انچ سے ۱۵ انچ تک ہوتی تھی۔ کاتب قطاروں میں لکھا کرتے تھے جس کی سطریں عمُوماً ۲½ یا ۳½ انچ کی ہوتی تھیں۔ دو قطاروں میں عمُوماً ½ انچ کا فاصلہ چھوڑ دیا جاتا تھا۔ طُومار کے اُوپر اَور نیچے حاشیہ کے لئے جگہ چھوڑ دی جاتی تھی جہاں وُہ الفاظ لکھے جاتے تھے جو کاتب سے نقل کرنے میں رہ جاتے تھے۔

طُوماروں کی مُشکلات

مذکورہ بالا اندازہ سے ہم پر ایک بات واضح ہو جاتی ہے کہ چونکہ طُومار کی لمبائی عمُوماً ۳۰ فٹ سے زیادہ نہیں ہوتی تھی، لہٰذا انجیل نویس اِس بات کا خیال رکھتے تھے کہ اُن کو

جو کچھ لکھتا ہے وہ ۳۰ فٹ کے اندر اندر آجاتے ۔ لہذا وہ اختصار کو مدِ نظر رکھتے تھے ۔ اِس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ خُداوند مسیح کے کلمات طیبات اور معجزات وغیرہ میں سے وُہ صرف چیدہ چیدہ باتیں ہی لکھ سکتے تھے تاکہ ضخامت طُومار سے بڑھ نہ جائے۔

ایک اَور نتیجہ یہ مستنبط ہوتا ہے کہ چُونکہ طُومار تیس فٹ لمبا ہوتا تھا لہذا پہلی صدی میں عہدِ جدید کی کُتب کا ایک ہی جلد میں جمع ہونا ایک مشکل امر تھا بلکہ اناجیل اربعہ بھی ایک ہی طُومار میں نہیں لکھی جا سکتی تھیں ۔ پس پہلی صدی میں عہد جدید کی کُتُب کُتب علیحدہ علیحدہ الگ طُوماروں میں ہی لکھی جاتی تھیں ۔

اِن کتابوں کے علیحدہ طُوماروں میں ہونے سے یہ ظاہر ہے کہ مابعد کے مسیحی مصنفوں کو اِن کُتب کے حوالوں کی تلاش کرنے میں بڑی دِقت پڑتی تھی بالخصوص اُس زمانہ میں جبکہ ابواب و آیات کے شمار کا وجُود نہیں تھا۔ پس مسیحی مُصنّفین زیادہ تر حافظہ سے کام لیتے تھے ۔ لہذا اگر اِن کُتب سے اقتباسات کرنے میں لوگوں سے الفاظ کی صحت میں غلطیاں واقع ہو گئی ہوں تو کُچھ تعجب کی بات نہیں ۔

انجیل کے نُسخے

ابتدا ہی سے مسیحی کلیسیائیں روزانہ تلاوت کے لئے کُتبِ مُقدسہ کی نقل کرواتی تھیں ۔ بعض نُسخے عبادت خانوں اَور گرجاؤں میں رکھے جاتے تھے تاکہ عبادت کے وقت پڑھے جائیں ۔ اَور بعض نُسخے مُختلف ممالک کے معدُودے چند مالدار مسیحیوں کے کُتب خانوں میں اُن کی روزانہ تلاوت کے لئے ہوتے تھے ۔ چُونکہ اُس زمانہ میں بُت پرستوں کے ہاتھوں سے مسیحی کلیسیا کو سخت ترین ایذائیں پہنچتی تھیں اَور شاہی حُکم یہ ہوتا تھا کہ انجیل کے نُسخے تلف کر دیئے جائیں ، لہذا اِس دَور کے بہت سے قیمتی نُسخے تلف ہو گئے ۔

گمان غالب یہ ہے کہ یہ تلف شدہ نسخے بالعموم وہ تھے جو کہ بازاروں میں رکھے جاتے تھے لیکن مختلف افراد کے ذاتی نسخے بالعموم محفوظ رہ گئے۔ تاریخ کلیسیا ہم کو بتاتی ہے کہ جب انجیل کے نسخے تفتیشوں اور غیر مسیحیوں سے تلف کرنے کے لئے طلب کئے جاتے تھے تو وہ انجیل کے نسخہ کی بجائے دیگر کتب مثلاً وعظوں کا مجموعہ وغیرہ دشمنوں کے ہاتھوں میں دے کر اس ڈھنگ سے انجیل شریف کے نسخوں کو بچا لیتے تھے۔

اس دور میں پہلی تین صدیوں میں عہدجدید کی کتب نہ صرف تمام رومی سلطنت میں پھیل گئیں۔ بلکہ جہاں جہاں مسیحی مبلغین جا سکے وہاں اپنے ساتھ انجیل مقدس کو لے گئے۔ بعض ممالک میں مسیحیت کی اشاعت کو جرم تصور نہیں کیا جاتا تھا۔ ایسی جگہوں میں بہترین کاتبوں نے نہایت صحیح اعلیٰ نسخے نقل کر کے دیار وامصار میں پہنچا دیئے لیکن جن ممالک میں مسیحیت کی اشاعت جرم اور ملک سے غداری تصور کی جاتی تھی۔ وہاں نسخے عموماً تلف کر دیئے جاتے تھے۔ لیکن جیسا اوپر ذکر ہو چکا ہے بہتیرے نسخے ضائع ہونے سے بچ گئے۔

اس دور کے نسخوں کی کمی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جس شے پر کتب مقدسہ نقل کی جاتی تھیں وہ ایسی پائدار نہیں تھی کہ صدیوں تک۔ مثلاً دور حاضرہ تک اچھی حالت میں رہ سکتی۔ آب وہوا کے اثرات نے ان نسخوں کو ضائع کر دیا صرف ملک مصر میں ڈیلٹا کے اوپر جہاں آب وہوا خشک ہے وہیں نسخے محفوظ رہے ہیں جو زیر زمین مدفون تھے اور اب ہم کو دستیاب ہو گئے ہیں۔

پپائرس کی کتابی صورت کے قدیم نسخے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی عیسوی کے آخر اور

کتاب کی موجودہ صورت

دُوسری صدی کے شرُوع میں پپے پارس طُوماری شکل بنانے کے ساتھ ساتھ ایک اور ڈھنگ اختراع کیا گیا تھا یعنی طُومار بنانے کی بجائے پپے پارس کے اوراق کی جزو بندی کر کے اُن کو اس طور پر کرکے یک جا کر دیا جانے لگا جس طرح دورِ حاضرہ میں کاغذ کے مُختلف اوراق کو کتابی صُورت میں یک جا جمع کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ ممکن ہوگیا کہ ایک سے زیادہ کتابیں (جو طُوماری شکل میں یک جا نہیں کی جاسکتی تھیں) ایک ہی جلد میں اکٹھی کرکے مجلّد کی جائیں۔ مسیحی کلیسیا میں یہ نیا طرز آہستہ آہستہ رواج حاصل کر کے مقبولِ عام ہو گیا حتیٰ کہ چوتھی صدی میں یہ طریقہ ہر جگہ مروج ہو گیا۔ لیکن ابتدائی صدیوں میں اُمراء کا طبقہ طُوماروں کو ہی پسند کرتا تھا۔ ہاں غُرباء میں کتابی صُورت کا طریقہ مقبولِ خلائق ہو گیا تھا۔ چُونکہ مسیحی بالعموم غریب طبقہ کے لوگ ہوتے تھے انجیل جلیل کے مجمُوعہ کی کُتب دُوسری اور تیسری صدیوں میں کتابی صُورت میں لکھی جانے لگیں۔ پس یہ اختراع انجیل جلیل کے نُسخوں کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

اِس اختراع کا پتہ پہلے پہل ۱۸۹۹ء میں چلا تھا جب مُقدّس یُوحنّا کی انجیل کے دو اوراق دستیاب ہُوئے جن میں سے پہلا ورق اِس انجیل کا صفحۂ اوّل تھا اور دُوسرا ورق اِس انجیل کا آخری صفحہ تھا۔ بعدہٗ اِس قسم کی پپے پارس کی دیگر کتابیں بھی دستیاب ہُوئیں جن کی بہت بڑی تعداد مسیحی ادبیات سے متعلق تھی۔ چیسٹر بیٹی کے پپے پارس کے مجمُوعہ نے (جس کا ذکر ہم حصّہ اوّل میں کر چکے ہیں) یہ امر قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ اِس پہلے دَور میں ہی پپے پارس کے اوراق کی جزو بندی کر کے انجیلی مجمُوعہ کی کُتب کو اکٹھا ایک ہی جلد میں جمع کیا جاتا تھا۔ اِن مذکورہ بالا نُسخوں میں زیادہ تر تیسری صدی کے نُسخے ہیں۔ گو کم از کم ایک نُسخہ دُوسری صدی کے پہلے نصف

کا ہے۔ چنانچہ ایک نسخے میں جو تیسری صدی کے اوائل کا ہے، اناجیلِ اربعہ اور اعمال الرسل ایک جلد میں مجلد ہیں۔ ایک اور نسخہ میں جو دوسری صدی کے آخر کا ہے مقدس پولس کے تمام خطوط جمع ہیں۔ ایک اور نسخہ میں جو دوسری صدی کے اوائل کا ہے گنتی اور استثنا کی کتابیں ایک جلد میں جمع ہیں۔ ایک اور نسخہ میں حزقی ایل، دانی ایل اور آستر کی کتابیں ایک جلد میں مجلد ہیں۔ یہ امر ثابت کر دیتا ہے کہ اس پہلے دور میں بھی مسیحی کلیسیا نے دوسری اور تیسری صدی میں غالباً تمام انجیلی مجموعہ کتب کو ایک جلد میں جمع کر دیا تھا۔ چنانچہ جرمن نقاد ہارنیک کے خیال میں اناجیل اربعہ ایشیائے کوچک میں سنہ ۱۲۰ء اور سنہ ۱۳۰ء کے درمیان ایک مجموعہ میں شامل کی گئیں۔ مشہور عالم ذاہن Zahan کہتا ہے کہ سنہ ۱۰۰ء اور سنہ ۱۱۰ء کے درمیان اناجیل اربعہ اور مقدس پولس کے خطوط ایک مجموعہ میں جمع ہو گئے تھے اور یہ مجموعہ ملکِ شام کے شہر انطاکیہ سے روم تک مشرقی اور مغربی کلیسیاؤں کے گرجاؤں میں استعمال ہوتا تھا۔[1]

دورِ اول کے بعض قدیم نسخے

موجودہ وقت تک جو دورِ اول قدیم ترین نسخے دریافت ہوتے ہیں ان میں ایک ایسا پارہ ہے جو پے پائرس کوڈکس کا ہے اور مصر سے دستیاب ہوا ہے جس پر انجیلِ یوحنا کے ۱۸ باب کی آیات ۳۱ تا ۳۳ و ۳۷ تا آخر لکھی ہیں۔ یہ نسخہ اب جان رائی لینڈز کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ اس نسخہ میں وہ متن

1. Beginnings of Christianity Vol. III By Ropes P. CCXC and CCXCI (Margin)

موجود ہے جو ملک مصر کی کلیسیا میں انجیل چہارم کی تصنیف ہونے کے بعد ماضی قریب میں مروج تھا۔[۱] کیونکہ علماء کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ نسخہ ۱۳۰ء یا اس سے بھی پہلے قیصر ترین کے وقت کا ہے اور تاحال عہدِ جدید کی کتب کا قدیم ترین نسخہ ہے، جو ان لوگوں کی عینِ حیات میں لکھا گیا تھا جنہوں نے مقدس یوحنا انجیل نویس کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ عین ممکن ہے کہ مستقبل قریب میں ہم کو اس سے بھی زیادہ قدیم نسخے دستیاب ہو جائیں۔

حال ہی میں پپے پائرس کے بعض ٹکڑے دستیاب ہوتے ہیں جو ۱۵۰ء سے پہلے کے ہیں۔[۲] یہ پارے کسی ایسے شخص کے تصنیف کردہ نسخے کے ہیں جس نے چاروں انجیلوں کو بڑے غور و تدبر سے پڑھا تھا۔ لکھتے وقت چاروں انجیلیں مصنف کے سامنے تھیں۔ اس کا یہ رسالہ لکھنے کا واحد مقصد یہ تھا کہ عوام مسیحی اناجیلِ اربعہ کے بیانات سے کما حقہٗ واقف ہو جائیں۔[۳] یہ کتاب آنخداوند کے سوانح حیات اور تعلیمات پر مشتمل تھی۔

۱۹۵۶ء میں انجیل یوحنا کا ایک قدیم نسخہ دستیاب ہوا جو ۲۰۰ء کے قریب لکھا گیا تھا۔ اس نسخہ میں انجیل کے پہلے چودہ باب کا اور آخری سات ابواب کے متن کا زیادہ تر حصہ محفوظ ہے۔

اسی زمانہ کا ایک اور نسخہ ملا ہے جس میں مقدس لوقا اور مقدس یوحنا کی انجیلوں کے حصے محفوظ ہیں، اور ایک اور نسخہ میں مقدس پطرس کے خطوط اور یہوداہ کا

۱؎ See C. H. Roberts, An unpublished Fragment of the Fourth Gospel, 1935. 2. Fragments of an unknown Gospel and other early Christian Papyri. By Bell and Skeat, (1935) 3 The Times Literary Supplement, 25 April, 1935.

خط محفوظ ہیں۔

چیسٹر بیٹی کے نسخہ جات کا مجموعہ

چیسٹر بیٹی[1] کے نادر مجموعہ کا مجمل ذکر حصہ اول میں کر آئے ہیں۔ اس مجموعہ میں بعض نسخے ایسے ہیں جو عہدِ جدید کے بارے میں جو ۲۰۰ء اور ۳۰۰ء کے لکھے ہوئے ہیں اور بعض ۲۵۰ء کے قریب کے ہیں۔ ان میں مقدس یوحنا کی انجیل بھی ہے جس کے ۱۴ تا ۲۱ ابواب کے بعض درمیانی حصے ضائع ہو گئے ہیں۔ ایک پارہ ۱۲۵ء کا ہے جس پر یوحنا ۱۸: ۳۱-۳۳ و ۳۷ و ۳۸ آیات لکھی ہیں۔ ان نسخوں میں اعمال کی کتاب کے ۵: ۳۰ تا ۱۰: ۱۷ محفوظ ہے۔ ایک اور پارہ میں اعمال ۲۲: ۱۱-۲۹ محفوظ ہے جو تیسری صدی کے نسخہ کا ٹکڑا ہے یعنی نسخے ۲۵۰ء کے ہیں۔

چیسٹر بیٹی کے مجموعہ میں انجیل جلیل کی کتب کے تین نسخے ہیں جو پپائرس کی کتابی صورت میں مجلد ہیں اور نہایت اہم قسم کے ہیں۔ ایک نسخہ جو اناجیل اربعہ اور اعمال الرسل پر مشتمل ہے ۲۲۰ء کے لگ بھگ کا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نسخہ سینا اور نسخہ ویٹی کن سے بھی ایک سو سال پرانا ہے۔ اس نسخہ کے ایک سو دس ورق تھے جن میں سے تیس اوراق کے حصے محفوظ ہیں یعنی دو ورق مقدس متی کی انجیل کے ہیں اور چھ ورق مقدس مرقس کی انجیل کے ہیں اور دو ورق مقدس یوحنا کی انجیل کے ہیں اور سات ورق مقدس لوقا کی انجیل کے ہیں اور تیرہ ورق رسولوں کی اعمال کی کتاب کے ہیں۔

---

[1] Chester Beatty's Biblical Papyri.

(۲) دُوسرا نُسخہ مُقدس پولُس کے خطوط پر مشتمل ہے جو نہایت خوشخط ہے اَور بہت اچھی حالت میں محفوظ ہے۔ اس کے ایک سَو چار ورق ہیں جن میں سے پہلے سات اَور آخری چار ورق تاحال نہیں ملے۔ لیکن یہ اُمید کی جاتی ہے کہ کسی زمانہ میں یہ ورق بھی دستیاب ہو جائیں گے۔ اِس نُسخہ میں غالباً مُقدس پولُس کے پاسبانی خطوط شامل نہیں تھے۔ لیکن سوائے ۲ تسلنیکیوں کے تمام دیگر خطوط کے اکثر حصے مَوجُود ہیں۔ غالباً ۲۔ تسلنیکیوں اِس نُسخہ کے آخری صفحوں پر نقل کیا گیا تھا جو تاحال نہیں ملے۔ یہ نُسخہ سنہ ۲۰۰ء میں لکھا گیا تھا۔ یعنی وُہ مُقدس پولُس کی شہادت کے صرف ایک سو چالیس سال بعد نقل کیا گیا تھا۔ یہ نُسخہ ۱۹۳۲ء میں شائع کیا گیا۔

(۳) تیسرا نُسخہ مکاشفات کی کتاب کے ایک نہائی حصہ کی نقل ہے یعنی ۹ : ۱۰ تا ۱۷ : ۲۰ محفُوظ ہے۔ اَور دس اَوراق پر مشتمل ہے۔ یہ تیسری صدی کے اوائل کا لکھا ہوا ہے۔

اگر ہم چیسٹر بیٹی کے مجمُوعہ کے ۱۲۶ اَوراق میں سے صرف اِن تین مذکُورہ بالا نُسخوں کو اکٹھا کریں تو ہمارے پاس انجیلِ جلیل کی تمام کتابوں (ماسوائے پاسبانی خطُوط اَور خطُوطِ عام) کے اَوراق موجُود ہو جاتے ہیں جو دُوسری صدی کے اَور سنہ ۲۳۰ء کے لگ بھگ لکھے ہُوئے ہیں۔ اِن نُسخوں کی اہمیت اِس امر سے ظاہر ہے کہ جہاں اب سے سولہ سال پہلے یُونانی بائبل کو جاننے کے لئے ہمارے پاس صرف چوتھی صدی کے نُسخے تھے اب اِس کے متن کی صحت کے گواہ سنہ ۲۲۰ء کے لگ بھگ کے بلکہ دُوسری صدی کے اوائل کے گواہ بھی موجُود ہیں۔ یہ

نسخے کتابِ مُقدّس کے متن کو معلوم کرنے کے لئے نہایت اہم ہیں۔ اِن کی طفیل ہم کم ازکم ایک صدی بلکہ اِس سے زیادہ عرصہ کو عبُور کر گئے ہیں۔ اور انجیل کی تصنیف کے زمانہ کے قریب پہنچ گئے ہیں اور اب ہمارے ہاتھوں میں انجیلِ جلیل کے وہ نُسخے ہیں جو سنہ ۲ء میں مسیحی کلیسیا میں استعمال کیا کرتی تھیں۔

اِس کے علاوہ کتابی پے پارس کا ایک اور نُسخہ ہے جو تین اوراق پر مشتمل ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نُسخہ اُن لوگوں کے ہاتھوں کا لکھا ہُوا ہے جن کی بابت مُقدّس لُوقا اپنی انجیل کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ "بہتوں نے اِس پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہُوئیں ان کو ترتیب وار بیان کریں" (۱:۱)۔ اِن تین ورقوں کے الفاظ اور محاورات یا تو اناجیل اربعہ کے ہیں یا اِن کی صدائے بازگشت ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم پہلی صدی کے اُس زمانہ کے نزدیک پہنچ چکے ہیں جب اناجیل اربعہ اور اُن کے ماخذ تحریر میں آ رہے تھے یا آ چکے تھے۔ اِن اوراق میں ربّنا المسیح کے سوانحِ حیات کا بیان ہے جو ہر چہار اناجیل سے لیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مُختلف اناجیل سے مُختلف واقعات کو لے کر ان کو اِس نُسخہ میں ایک مسلسل بیان کی صُورت میں Harmony of the Gospels لکھا گیا ہے۔ اِن میں مرقس ۱: ۴۰-۴۲ اور متّی ۸: ۲-۳ اور لُوقا ۵: ۱۲-۱۳ کے الفاظ میں کوڑھی کو صاف کرنے کا مُعجزہ لکھا ہے۔ قیصر کو جزیہ ادا کرنے کے سوال کو مرقس ۱۲: ۱۴-۱۵، متّی ۲۲: ۱۷-۱۸، لُوقا ۲۲: ۲۱-۲۵ کے الفاظ میں لکھا ہے لیکن ساتھ ہی مرقس ۷: ۶-۷، اور متّی ۱۵: ۷-۹ کے الفاظ بھی شامل کر لئے گئے ہیں۔

انجیل یوحنّا میں سے ۵: ۳۹ و ۵: ۴۵ و ۹: ۲۹ و ۷: ۳۰ و ۱۰: ۲۹ آیات مسلسل لکھی ہیں۔

دَورِ اوّل کے نسخوں کی تعداد

مذکورہ بالا نسخوں کے علاوہ اِس وقت دَورِ حاضرہ میں ہمارے ہاتھوں میں پہلی تین صدیوں کے پچاس سے زائد نسخے دستیاب ہُوئے ہیں۔ یہ نسخے مختلف کُتبِ عہدِ جدید کے مختلف حِصّوں کے ہیں۔

نتیجہ

جب ہم مسیحیّت کے پہلے دَور یعنی پہلی تین صدیوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ انجیلِ جلیل کے مجمُوعہ کی تاریخ میں یہ صدیاں سب سے زیادہ اہم ہیں۔ مُنجیِ عالمین کی صلیبی مَوت کے عین بعد کُچھ مدّت تک کلیسیا کو آنخُداوند کی تعلیم اَور سوانحِ حیات زبانی سینہ بسینہ معلُوم تھے (۱ کرنتھیوں ۱۵: ۲)۔ انہی ایّام میں "بہتوں" نے اُن کو قلمبند بھی کر لیا تھا (لُوقا ۱: ۱)۔ اِن زبانی اَور تحریری ماخذوں سے ہماری مَوجُودہ اناجیلِ اربعہ خُداوند مسیح کی وفات کے بیس سال کے اندر تالیف کی گئیں۔[۱] اسی دَوران میں خُداوند کے رسُولوں اَور مُقدّس پولُس نے مختلف کلیسیاؤں کو خطُوط بھی لکھے۔ پہلی دو صدیوں میں اناجیل اَور خطُوط کی نقلیں یُونانی زبان میں بکثرت کی گئیں اَور مشرق و مغرب کے بیسیوں مُلکوں صدہا شہروں اَور گاؤں میں چاروں انجیلیں فرداً فرداً الگ الگ طُوماروں میں نقل کی گئیں اَور

---

[۱] ہم نے اِس موضوع پر اپنی کتاب "قدامت و اصلیتِ اناجیلِ اربعہ" کی دو جلدوں میں مفصل بحث کی ہے اَور ناظرین کی توجہ اِس کی طرف منعطف کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ (برکت اللہ)

اُن کا مجموعہ کتابی صُورت میں بھی جمع ہو گیا۔ رسولوں کے اعمال اور خطوط بھی اِن زمانوں میں الگ الگ طوماروں میں اور مجموعہ میں نقل ہو گئے۔

اِنہی پہلی دو صدیوں میں اناجیلِ اربعہ کے اور انجیلی مجموعہ کی دُوسری کتابوں کے ترجمے (جیسا ہم آگے چل کر ذکر کریں گے)، سُریانی۔ لاطینی اور قبطی زبانوں میں ہو گئے اور ان کی نقلیں بھی ہر چہار سُو بکثرت دیار و امصار میں مشرق و مغرب میں پھیل گئیں۔ پس اِن پہلی تین صدیوں میں انجیلِ جلیل کی کُتب کی نقلیں یُونانی زبان میں اور ان کے ترجموں کی نقلیں ہزاروں کی تعداد میں کی گئیں لیکن قیاصرۂ رُوم کی ایذا رسانیوں اور حوادثِ زمانہ کے دستبُرد سے یہ ہزاروں نسخے نہ بچ سکتے تھے اور نہ بچے۔ تاہم متعدد پارے اور نسخے جو زیرِ زمین مدفون تھے دستیاب ہو گئے ہیں جن میں سے بعض پہلی صدی کے اوّلین زمانہ کے ہیں۔ جب ہم اِن پاروں اور نسخوں کے متن کا مقابلہ موجودہ انجیل کے یُونانی متن سے کرتے ہیں تو ہم پر یہ امر عیاں ہو جاتا ہے کہ اناجیلِ اربعہ اور عہدِ جدید کی دیگر کتابیں بجنسہٖ وُہی ہیں جو پہلی صدی کے مُقدّس مصنفوں اور نقل کرنے والوں نے لکھی تھیں۔

فصلِ دوم

دَورِ دوم

بڑے اَور جلّی حرُوف کا زمانہ

(از سنہ ۳۰۰ء تا سنہ ۸۰۰ء)

دَورِ دوم کی اہمیّت یہ زمانہ انجیل جلیل کی کُتب کے نُسخوں کے لئے چند وجُوہ سے نہایت اہم زمانہ ہے۔

اوّل۔ پپے پارس کی بجائے چرم لکھنے کے لئے استعمال کیا گیا اَور یہ ممکن ہوگیا کہ تمام مسیحی کُتبِ مُقدّسہ ایک ہی جِلد میں مجلّد ہوسکیں۔ چوتھی صدی مسیحی کی یہ خصُوصیّت ہے کہ اُس زمانہ میں عہد جدید کی تمام کُتب اَور یُونانی زبان میں تمام کُتبِ سماوی یعنی کُتبِ عہدِ عتیق اَور عہدِ جدید کے نُسخے بکثرت ایک ہی جلد میں کتابی صُورت میں مجلّد ہوگئے۔ جس طرح دَورِ حاضرہ میں وُہ ایک ہی جلد میں مجلد ہیں فرق صرف یہ ہے کہ دَورِ حاضرہ میں وُہ کاغذ پر لکھے جاتے ہیں لیکن اُس زمانہ میں وُہ صاف چمڑے پر (جو صرف لکھنے کی خاطر بنایا جاتا تھا) لکھے جاتے تھے (۲۔تیمتھیس ۴: ۱۳۔

سورۂ طور آیت ۳) ۔

دوم ۔ حسنِ اتفاق سے اسی زمانہ کے شروع میں (سنہ ۳۱۳ تا سنہ ۳۲۵) مسیحی کلیسیا کو امن اور چین نصیب ہوا اور شاہنشاہ کانسٹن ٹائن نے مسیحیت کو شاہی مذہب قرار دے دیا۔ اس نے اپنی سلطنت کے بڑے گرجاؤں کے لئے چرم پر کتبِ مقدسہ کی پچاس جلدیں نقل کروائیں اور اس مقصد کو سرانجام دینے کے لئے قابل ترین کاتبوں کی خدمات حاصل کیں جنہوں نے قدیم ترین اور معتبر ترین نسخوں سے نہایت حزم اور احتیاط کو کام میں لا کر کتبِ مقدسہ کی نقلیں تیار کیں۔ شہنشاہ کی دیکھا دیکھی سلطنت کے مختلف شہروں میں بھی ہزاروں نقلیں کی گئیں۔ اب یہ خدشہ بھی جاتا رہا تھا کہ ایذا رسانیوں کی وجہ سے کتبِ مقدسہ کے نسخے تلف ہو جائیں گے۔ اب ہر جگہ نسخوں کی مانگ ہونے لگی اور کتبِ مقدسہ کے نسخے شہروں۔ قصبوں اور گاؤں کے چھوٹے بڑے گرجاؤں میں رکھے گئے۔

چونکہ اس دور میں پے پائرس کی بجائے چرم استعمال ہوتا تھا اور کتابی صورت نے طوماروں کی جگہ لے لی تھی لہٰذا عبرانی کتبِ مقدسہ اور انجیل جلیل کا مجموعہ یعنی عہدِ عتیق اور عہدِ جدید دونوں ایک ہی نسخہ میں مجلد ہونے لگ گئے۔ ان بے شمار نسخوں کی طفیل مشرق و مغرب کے ممالک میں ایک ایسا مستند یونانی متن رائج ہو گیا جس کی صحت پر جملہ کلیسیائیں متفق تھیں اور یہی متن چوتھی صدی سے چودھویں صدی کے اکثر نسخوں میں پایا جاتا ہے۔

سوم ۔ چمڑے کے استعمال کے ساتھ طرزِ تحریر بھی بدل گئی۔ چمڑا پےپائرس سے زیادہ مضبوط تھا، اس لئے اب نہ تو یہ خوف رہا کہ اگر زور سے لکھا جائیگا

تو قلم دھس جائیگا، اَور نہ لکھنے کے لئے جگہ کی قلت کا خوف دامنگیر رہا۔ اَب نُسخے جلی اَور بڑے حرُوف میں نہایت نفیس نستعلیق خط میں لکھے جاتے تھے۔ یہ حرُوف الگ الگ لکھے جاتے تھے اَور ایک دُوسرے سے ملائے نہیں جاتے تھے۔

نُسخوں کی تعداد

یہ زمانہ تقریباً ۶۰۰ سال کا ہَے۔ عہدِ جدید کے بہترین نُسخے اِسی زمانہ کے ہیں۔ اِس زمانہ کے کُل نُسخے جو دستیاب ہُوئے ہیں تعداد میں ۱۷۰ سے زیادہ ہیں جن میں سے ۵ نُسخے ایسے ہیں جن میں مُختلف کُتبِ عہدِ جدید مکمل طور پر موجُود ہیں۔ اَور باقیماندہ نُسخے عہدِ جدید کی مُختلف کُتب کے حِصّص ہیں۔ اِن میں سے ایک نُسخہ میں مکمّل انجیل موجُود ہَے۔ چار نُسخے ایسے ہیں جن میں عہدِ جدید کی کل کُتب موجُود تھیں۔ لیکن اب بعض اَوراق کے ضائع ہوجانے کے باعث نامکمّل رہ گئے ہیں۔ نو نُسخے ایسے ہیں جن میں اناجیل اربعہ تمام وکمال موجُود ہیں۔ سات نُسخوں میں رسُولوں کے اعمال کی کتاب محفُوظ ہَے۔ سات نُسخوں میں مُقدّس پولُس کے تمام خطُوط موجُود ہیں۔ نو نُسخوں میں دیگر باقیماندہ خطُوط محفُوظ ہیں اَور چار نُسخوں میں مکاشفات کی کتاب تمام وکمال محفُوظ ہَے۔ اِن ۱۶۸ نُسخوں میں سے سات چوتھی صدی کے ہیں۔ پچیس پانچویں صدی کے۔ پینتیس چھٹی صدی کے۔ پچیس ساتویں صدی کے بیس آٹھویں صدی کے۔ تینتالیس نویں صدی کے اَور بارہ دسویں صدی کے نُسخے ہیں۔

ناظرین کی دلچسپی اَور واقفیت کے لئے چند قلمی نُسخوں کا یہاں مختصر طور پر ذکر کیا جاتا ہَے:۔

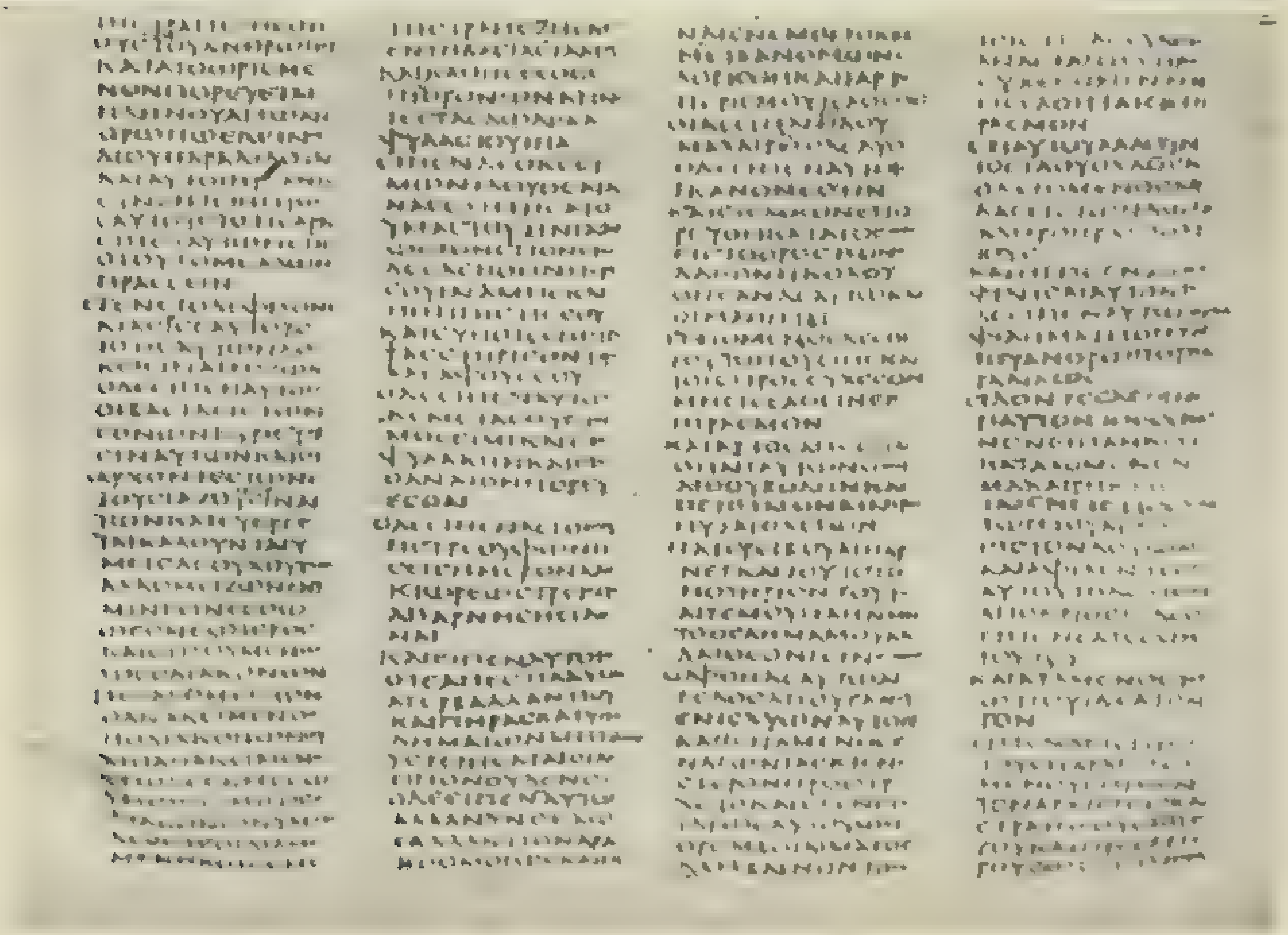

CODEX SINAITICUS—4TH CENT.

of part reproduced, 9 in.

نسخۂ سینا

اوّل۔ نُسخۂ سینا[1]۔ یہ مشہور و معروف اور نہایت معتبر نُسخہ چوتھی صدی مسیحی کی پہلی چوتھائی یعنی سن ہجری سے قریب ۳۰۰ سال پہلے کا ہے۔ اس میں کُتبِ عہد جدید تمام و کمال محفوظ ہیں۔ ۱۸۴۴ء میں مشہور جرمن عالم ٹشنڈارف[2] کوہِ سینا کی خانقاہ مُقدّسہ کیتھرین کو گیا۔ وہاں ایک ایک ردّی ٹوکری میں مختلف نُسخوں کے اوراق پڑے تھے۔ اِن اوراق میں اِس جرمن فاضل نے چند چرمی اوراق دیکھے جن پر قدیم یونانی طرزِ تحریر کے حروف لکھے تھے۔ جب اُس نے اُن اوراق کو غور سے پڑھا تو اُن پر یونانی ترجمہ سبعینیہ (سپٹواجنٹ) لکھا پایا۔ راہبوں نے اُس کو بتلایا کہ ایسے بہتیرے اوراق اُن کے پاس موجود ہیں۔ اُس نے راہبوں کو کہا کہ یہ اوراق بڑی قدر و قیمت کے ہیں۔ اِن کو ضائع مت کرو۔ اُس نے اُن ہی سے تینتالیس اوراق جن پر عبرانی کُتبِ مُقدّسہ لکھی تھیں لے لئے۔ لیکن جب راہبوں پر اُن اوراق کی اہمیت ظاہر ہوئی تو اُنہوں نے دیگر اوراق کو اُس کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ ۱۸۵۹ء میں وہ پھر اُسی خانقاہ کو گیا۔ ایک راہب سے یونانی ترجمہ سبعینیہ پر گفتگو چھڑ گئی۔ راہب نے کہا کہ میرے پاس اِس یونانی ترجمہ کی ایک قدیم نقل موجود ہے۔ اور ایک لال جزدان میں سے نکال کر اُس کو ایک نُسخہ دکھلایا۔ اِس نُسخہ میں نہ صرف عہدِ عتیق کا ایک بہت بڑا حصّہ موجود تھا بلکہ عہد جدید تمام و کمال نہایت اعلےٰ حالت میں محفوظ تھا۔ اُس کی خوشی کی انتہا نہ رہی، جب اُس نے دیکھا کہ یہ وہی اوراق ہیں جو اُس نے پندرہ سال

---

1. Codex Sinaiticus 2. Tischendorf

پہلے ٹوکری میں پڑے دیکھے تھے۔ بصد مشکل ٹشنڈارف نے اِس نُسخہ کو حاصل کیا اَور اپنے مربّی زار رُوس کے پاس لے گیا۔ ۱۹۳۴ء میں سرکارِ برطانیہ نے اِس نُسخہ کو ایک لاکھ پونڈ کے عوض رُوس سے خریدا اَور وہ اب برطانیہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔ ۱۹۱۱ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی کے چھاپہ خانہ نے اِس نُسخہ کی عکسی تصویریں لے کر اس کو کتابی صُورت میں شائع کیا، اَور اب ہر ناظر اِس قیمتی نادر اَور مُعتبر نُسخہ کو چند داموں کے عوض اپنے کُتب خانہ میں رکھ سکتا ہے۔

یہ نُسخہ غزال کے چمڑے پر لکھا ہے اَور اس کا ہر قرطاس ۱۵" × ۱۳½" ہے۔ ہر صفحہ پر چار کالم ہیں، جو ۲½ انچ چوڑے ہیں اَور ہر کالم میں ۴۸ سطریں ہیں۔ اس قلمی نُسخہ کا متن اعلےٰ ترین اَور صحیح ترین ہے۔

نُسخہ ویٹی کن

دوم:۔ نُسخہ ویٹی کن[1]۔ یہ نُسخہ بھی چوتھی صدی کا ہے۔ اَور مذکورہ بالا نُسخہ سینا سے زیادہ قدیم اَور اُس کی مانند نہایت صحیح ہے۔ یہ نُسخہ غالباً مصر میں لکھا گیا تھا، اَور اب رُوم میں ویٹی کن یعنی پوپ صاحب کے کُتب خانہ میں مَوجُود ہے۔ اس میں تمام یُونانی بائبل محفوظ ہے اَور یُونانی بائبل کے تمام نسخوں میں قدیم ترین اَور معتبر ترین قلمی نُسخہ ہے۔ اِس کا متن وُہی ہے جو نُسخہ سینا کا ہے۔ یہی متن مصر میں چوتھی صدی کی ابتدا میں مرّوج تھا۔ یہ دونوں نُسخے نہ صرف اکثر آپس میں اتفاق کرتے ہیں بلکہ دونوں کی اصل ایک ہی ہے، اگرچہ وہ کسی ایک نُسخے کی نقل نہیں ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے

1. Codex Vaticanus

کہ اِن نسخوں کا متن وہی مستند متن ہے جو الہامی مصنفین نے لکھا تھا۔

اس نسخہ میں عہدِ عتیق کا قدیم ترین یونانی متن موجود ہے۔ ۱۸۹۰ء میں اس بیش بہا نسخہ کی عکسی تصاویر شائع کی گئیں۔ اور اب یہ نسخہ ہر شخص کے کتب خانہ کی زینت بن سکتا ہے۔

یہ قلمی نسخہ غزال کے چمڑے پر لکھا ہے۔ اس کی شکل مربع صورت کی ہے اور ½ ۱۰" × ½ ۱۰" ہے۔ نہایت نفیس خط میں لکھا ہے۔ صفحہ پر تین کالم یا تین قطاریں ہیں۔ اِس نسخہ میں تقریباً تمام عہدِ جدید کی کتب موجود ہیں لیکن صرف عبرانیوں ۹: ۱۴ تا آخر اور مقدس پولس کے پاسٹرل خطوط اور مکاشفات کی کتاب نہیں ہے۔

حال ہی میں پیَے پاترس کا ایک قدیم نسخہ دستیاب ہوا ہے جس میں عبرانیوں کے خط کا ایک بڑا حصہ لکھا ہوا ہے۔ اِس پیَے پاترس کی ایک طرف لوی Livy کی کتاب لکھی ہوئی ہے اور دوسری جانب عبرانیوں کا خط لکھا ہے جو چوتھی صدی میں نقل کیا گیا تھا۔ ہم اُوپر بتلا چکے ہیں کہ نسخہ ویٹی کن میں عبرانیوں کا خط ۹: ۱۴ آیت کے بعد موجود نہیں ہے پس اس خط کے صحیح متن کو معلوم کرنے کے لئے پیَے پاترس کا یہ نسخہ نہایت کارآمد ثابت ہوا ہے۔

نسخہ سینا اور نسخہ ویٹی کن دونوں میں انجیلِ جلیل کا صحیح ترین اور معتبر ترین متن موجود ہے۔ نہایت اغلب ہے کہ یہ دونوں نسخے اُن پچاس نسخوں میں سے ہیں جو بشپ یوسی بیئس[1] نے شاہنشاہ کانسٹن ٹائن کے حکم کے مطابق نقل کرا

1. Eusebius

کر قسطنطنیہ بھیجے تھے۔ یُوسی بئیس ہم کو بتلاتا ہے کہ اِن پچاس نسخوں میں ہر صفحہ پر عبارت چار کالموں (قطاروں) اور تین کالموں میں لکھی گئی تھی۔ ہم اُوپر بتلا چکے ہیں کہ نسخۂ سینا کی عبارت چار کالموں میں اور نسخۂ ویٹی کن کی عبارت تین کالموں میں لکھی ہے۔ پس اغلب ہے کہ یہ دونوں نسخے اِن پچاس نسخوں میں سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اِن کا متن بھی اعلیٰ ترین پایہ کا ہے۔

نسخۂ سکندریہ

سوم۔ نسخۂ سکندریہ[1]، یہ قیمتی نسخہ یُونانی بائبل کے نسخوں میں سب سے زیادہ معروف نسخہ ہے۔ یہ سکندریہ میں نہیں لکھا گیا تھا، گو یہ نسخۂ سکندریہ کہلاتا ہے۔ اس کے نام کی وجہ یہ ہے کہ یہ نسخہ سکندریہ کے پیٹر یارک سیرل لوکر (از ۱۶۰۲ء تا ۱۶۲۱ء) کے کُتب خانہ میں تھا جس نے ۱۶۲۵ء میں اِس کو جیمسِ اوّل شاہِ انگلستان کی نذر کر دیا۔ اس کے آخر میں عربی زبان میں ایک نوٹ میں لکھا ہے "کہتے ہیں کہ یہ کتاب شہید خاتون تھیکلہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔"

یہ نسخہ پتلے چمڑے پر لکھا ہُوا ہے اور ۱۲⅝" × ۱۰⅜" کا ہے۔ اس کے ۷۷۳ اوراق ہیں۔ ہر صفحہ پہ دو قطاریں ہیں۔ متن جلی کلاں حروف میں لکھا ہُوا ہے۔ اِس میں عہدِ جدید کی کُتب میں سے متی ۲۵:۶ تک ورق نہیں ہیں نیز یُوحنا ۶:۵۰ تا ۸:۵۲ اور ۲۔کرنتھیوں ۴:۱۳ تا ۱۲:۶ کے اوراق اس میں اب موجود نہیں رہے۔

یہ نسخہ غالباً قسطنطنیہ میں پانچویں صدی کے پہلے حصہ میں لکھا گیا تھا۔ اِس

---

1. Codex Alexandrinus

کی صحت نہایت بلند پایہ کی ہے حتیٰ کہ تواریخ۔ عزرا اور نحمیاہ کی کتب میں
جو نام لکھے ہیں اُن کو بھی ایسی صحت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے کہ اُن میں کوئی
غلطی پائی نہیں جاتی۔ عہدِ جدید کی کتب میں بھی صرف معدودے چند غلطیاں ہیں۔
اِس میں اناجیلِ اربعہ کا متن ایسا مُعتبر نہیں ہے مگر اعمال الرسل سے مکاشفات
کے آخر تک کا متن نہایت اعلیٰ ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ نقل کرتے
وقت کاتب نے جن طوماروں سے اناجیلِ اربعہ کو نقل کیا تھا۔ اُن میں کتابت
کی غلطیاں موجود تھیں۔ لیکن جن طوماروں سے باقی کتب نقل کی گئی ہیں ان میں
کتابت کی غلطیاں موجود نہیں تھیں۔

نسخۂ واشنگٹن

۱۹۰۶ء میں ایک امریکن فریئر کے ہاتھ چند نُسخے آئے جو جھلی نما قرطاس پر لکھے ہوئے
تھے۔ یہ نُسخے واشنگٹن میں ہیں۔ ان نسخوں میں سے ایک میں رسُولوں کے اعمال،
خطوطِ عام اور مُقدس پولُس کے خطُوط تھے لیکن اب اعمال سے رومیوں تک کا
حصہ ضائع ہو گیا ہے۔ اِس نسخہ کا متن زیادہ تر نُسخہ ویٹی کن اور نُسخہ اسکندریہ
کے مُطابق ہے۔ ایک اور نُسخہ اناجیل اربعہ پر مشتمل ہے اور غالباً چوتھی صدی کا
ہے۔ یہ نُسخہ خاص اہمیت رکھتا ہے کیونکہ ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ اس میں مختلف
اناجیل کے متن الگ الگ نُسخوں سے نقل کیے گئے ہیں۔ یہ امر کوئی حیرت کا موجب
نہیں کیونکہ جیسا ہم اُوپر بتا چکے ہیں پہلے دو صدیوں میں عُموماً مختلف کُتب مختلف طوماروں پر نقل کی
جاتی تھیں۔ اس نسخہ میں مُقدس مرقس کی انجیل کے آخری باب کی چودھویں آیت
کے بعد ایک تتمہ لکھا ہے جو بالکل نیا ہے۔ اِس نُسخہ میں ایک اور امر قابلِ غور ہے

عام طور پر مرقس ۲: ۲۶ میں سردار کاہن کا نام "ابیاتر" لکھا ہوتا ہے جو غلط ہے (دیکھو ۱ سموئیل ۲۱ باب)۔ بعض اہم نسخوں میں اس جگہ کوئی نام لکھا ہوا نہیں پایا جاتا۔ اس نسخہ میں بھی کوئی نام لکھا ہوا نہیں ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ "ابیاتر" اس انجیل کے اصل متن کا حصہ نہیں تھا بلکہ قدیم زمانہ کے کسی کاتب نے اس نام کو حاشیہ میں لکھ دیا تھا جس کو مابعد کے کاتبوں نے حاشیہ سے متن میں نقل کر دیا۔

اس نسخہ میں یوحنا ۷: ۵۳ تا ۸: ۱۱ کی آیات موجود نہیں ہیں۔ بعض دیگر نسخوں میں یہ آیات دوسری انجیلوں میں پائی جاتی ہیں مثلاً فری ار کے ایک نسخہ میں یہ آیات لوقا ۲۱: ۳۸ کے بعد لکھی ہیں۔ نسخہ واشنگٹن میں جیسا ہم ابھی بتلا چکے ہیں یہ آیات نہیں پائی جاتیں۔ یہ آیات مصر کے قدیم صعیدی ترجمہ (جس کا ذکر بعد میں کیا جائے گا) میں بھی موجود نہیں ہیں جس سے ظاہر ہے کہ یہ آیات دراصل انجیل یوحنا کا حصہ نہیں تھیں۔

نسخہ واشنگٹن میں یوحنا ۹: ۳۸ کے الفاظ اور ۳۹ آیت کے ابتدائی الفاظ "یسوع نے کہا" موجود نہیں ہیں۔ اس امر میں یہ نسخہ کوہ سینا کے نسخہ اور قدیم لاطینی نسخوں (جن کا ذکر آئندہ آئے گا) کے متن سے متفق ہے۔

نسخہء افرائیمی

پنجم:۔ افرائیمی نسخہ:۔ چونکہ ہم ناظرین کا تعارف ان ہزاروں نسخوں کی مختلف اقسام سے کرانا چاہتے ہیں لہٰذا یہاں ایک اور قسم کے نسخہ کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ قلمی نسخہ جس کا ذکر ہم اب کرتے ہیں نسخہء افرائیمی[1] کہلاتا ہے اور چمڑے پر لکھا ہے۔ لیکن اس چمڑے پر یکے بعد دیگرے

1. Codex Ephraemi

دو تحریریں ایک دُوسری کے اُوپر لکھی ہوئی ہیں۔ پہلی عبارت کُتبِ مُقدّسہ کے متن کی عبارت ہے۔ چونکہ چمڑا مہنگا تھا اور آسانی سے دستیاب نہیں ہو سکتا تھا، لہٰذا جب پہلی دو سطروں کے درمیان دُوسری عبارت اِنہی اوراق پر لکھی جاتی تھی تو پہلی عبارت کو نرم پتھر کے ساتھ رگڑ کر تقریباً محو کر دیا جاتا تھا۔ لیکن مرورِ زمانہ سے وہ پہلی تحریر کچھ دُھندلی سی نظر آنے لگ جاتی ہے۔ یہی حال نسخۂ افرائیمی کا ہے اور اِس نُسخہ کی پہلی تحریر نظر آنے لگی۔ یہ نُسخہ سولہویں صدی میں اطالیہ آیا جب یُونانی نُسخوں نے مُسلمانوں کے ہاتھوں اطالیہ میں پناہ لی۔ یہ نُسخہ شاہی خاندان کی ملکیت تھا۔ جب کیتھرین فرانس کی ملکہ ہُوئی تو وہ اپنے ساتھ اس نُسخہ کو اطالیہ سے فرانس لے آئی۔ تب سے یہ نُسخہ پیرس کے کُتب خانہ میں موجُود ہے۔

مذکورہ بالا تین نُسخوں کی طرح اِس قلمی نُسخے میں بھی پہلے یُونانی بائبل تمام وکمال محفوظ تھی لیکن اب اِس میں عہدِ عتیق کی کُتب کے چند حصّص ہیں اور عہدِ جدید کی تمام کُتب سوائے ۲۔تھسلنیکیوں اور ۲۔یُوحنّا کے محفُوظ ہیں۔

اِس نُسخہ میں ۲۰۹ اوراق ہیں۔ اِس کی تقطیع $12\frac{1}{2}$″ × ۹″ ہے اور اچھے چمڑے پر لکھا ہے۔ ہر صفحہ پر صرف ایک قطار ہے۔ اور نُسخہ سکندریہ کی طرح اِس کے حرُوف جلی اور کلاں ہیں۔ یہ دونوں ایک دُوسرے کے اِتنا مشابہ ہیں کہ ہم بغیر کسی تامّل کے کہہ سکتے ہیں کہ دونوں نُسخے پانچویں صدی کے پہلے نصف میں (یعنی از سنہ۴۰۰ء تا سنہ۴۵۰ء) لکھے گئے تھے۔

اِس نُسخہ کا متن معمُولی ہے یعنی نہ تو اعلیٰ درجہ کا متن ہے اور نہ ایسا ہے کہ اس

میں بہت غلطیاں ہوں۔ پس یہ نسخہ نہ تو بہت معتبر ہے۔ اور نہ بہت غلط ہے۔

خربتِ مِرد کے نسخہ جات

ہم حصہ اوّل کے باب پنجم کی فصل دوم میں زیر عنوان "کنارِ بحرِ مُردار کے طومار" خربتِ مِرد کا ذکر کر آئے ہیں۔ یہ کھنڈرات وادی قمران اور وادی مُربعات کے درمیان واقع ہیں۔ یہاں پانی کا ایک نالہ النار مغرب سے بہتا ہُوا بحرِ مُردار میں جا گرتا ہے۔ یہ نالہ وہی ہے جس کو مُقدس یُوحنّا اپنی انجیل میں "قدرون کا نالہ" (۱۸: ۱) کہتا ہے جو یروشلیم اور زیتون کے پہاڑ کے درمیان واقع ہے۔ اِس نالہ کے شمال کی جانب خربتِ مِرد کے کھنڈرات ہیں جہاں سے قبیلہ تعمیرہ کے بدووں نے چند ایک نسخے کھود نکالے۔ اِن نسخوں میں سے بعض پر کتابِ مُقدس کی آیات یُونانی زبان میں اور کنعانی سُریانی زبان میں لکھی ہیں۔ یُونانی زبان کے نسخوں میں انجیلِ مرقس۔ انجیلِ یُوحنّا۔ کتابِ اعمال الرسل نقل کی گئی ہیں۔ یہ نسخے پانچویں اور آٹھویں صدی کے درمیان کے ہیں۔ کنعانی سُریانی زبان کے نسخوں پر یشوع کی کتاب کے بعض حصّے اور انجیل لُوقا۔ انجیل یُوحنّا۔ اعمال کی کتاب اور کلسیوں کے نام خط لکھے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ نسخے فرقۂ قمران کے اُن یہُودی افراد کے ہوں جنہوں نے دُوسری مسیحی صدی میں مسیحیت اختیار کر لی تھی اور اُن کی نسلیں بحرِ مُردار کے مضافات میں بس گئی ہوں۔

بعض دیگر نسخے

سکندریہ کی فاروقی اول یُونیورسٹی کے پروفیسر عطیہ کو کوہِ سینا پر کی مُقدسہ کیتھرین کی خانقاہ سے بائبل کا ایک قدیم نسخہ ملا ہے جس پر یکے بعد دیگرے پانچ زبانوں میں بائبل کے ترجموں

کا متن لکھا ہے۔ چنانچہ اس پر پہلے پہل قدیم یونانی حروف میں بائبل کا یونانی ترجمہ لکھا گیا۔ پھر ایک صدی کے بعد اس یونانی ترجمہ کو رگڑ کر مٹا دیا گیا اور اسی قرطاس پر سریانی ترجمۂ بائبل لکھا گیا۔ اس کے ایک صدی بعد پانچویں صدی کے اواخر میں پہلے ترجمہ کو رگڑ کر ایک اور سریانی ترجمہ لکھا گیا۔ ساتویں صدی میں یہ ترجمہ بھی رگڑ کر مٹا دیا گیا اور اسی نسخہ پر قدیم کوفی حروف میں بائبل کا ترجمہ لکھا گیا۔ پھر ایک صدی بعد اس تحریر کو بھی مٹا دیا گیا اور پانچویں بار بائبل کو ان کوفی حروف میں لکھا گیا جو آٹھویں اور نویں صدی میں مروج تھے۔ علماء ان پانچوں تحریروں کا "انفرا ریڈ" Infrared اور "الٹرا وائلٹ رے" Ultra Violet Ray کے ذریعہ مطالعہ کر رہے ہیں۔

نسخۂ بیزائی

ششم، نسخۂ بیزائی[2] - ایک لحاظ سے یہ نسخہ عہدِ جدید کے تمام یونانی نسخوں میں ممتاز ہے۔ سولھویں صدی کے فاضل تھیوڈور بیزا[3] نے شہر لائنز[4] کی ایک خانقاہ سے اس کو حاصل کیا۔ ۱۸۹۹ء میں کیمبرج یونیورسٹی کے چھاپہ خانہ نے اس کی عکسی تصاویر شائع کر دیں اور اب یہ قیمتی نسخہ ہر شخص اپنے کتب خانہ کے لئے حاصل کر سکتا ہے۔ اس نسخہ میں اور مذکورہ بالا نسخوں میں کچھ فرق ہے۔ مثلاً پہلے چاروں نسخوں میں یونانی بائبل کی تمام کتب نقل کی گئی تھیں لیکن اس نسخہ میں صرف عہدِ جدید کی کتب نقل کی گئیں۔ اس نسخہ میں عہدِ جدید کی کتب میں سے صرف اناجیلِ اربعہ، کتاب اعمال الرسل اور خطوطِ عام یونانی زبان میں ہیں۔ اناجیل اربعہ کی ترتیب

1 Hindustan Times, Delhi, August 20, 1950

2. Codex Bezae 3. Theodore Beza 4. Lyons

بھی مختلف ہے ۔ پہلے متی پھر یوحنا پھر لوقا اور پھر ۳ یوحنا ۱۱ : ۱۵ آیات لاطینی زبان ہیں میں اور سب سے بعد مرقس کی انجیل لکھی ہے ۔ اس نسخہ میں نہ صرف یونانی زبان میں کتب عہدِ جدید موجود ہیں ، بلکہ لاطینی زبان کا ترجمہ بھی مقابل کے صفحہ پر نقل کیا گیا ہے ۔ بائیں صفحہ پر یونانی اصل عبارت نقل کی گئی ہے اور دائیں صفحہ پر بالمقابل اس کا لاطینی ترجمہ نقل کیا گیا ہے ۔

اس نسخہ کی تقطیع ۱۰ × ۸ اِنچ ہے ۔ اور علماء کا خیال ہے کہ یہ نسخہ پانچویں صدی کے آخر یا اوائل چھٹی صدی یعنی (از ۴۵۰ء تا ۵۲۵ء) میں لکھا گیا تھا ۔ یہ نسخہ غالباً جنوبی فرانس میں لکھا گیا تھا اور چونکہ اس ملک میں ایشیائے کوچک کے مبلغین نے مسیحیت کی اشاعت کی تھی لہٰذا یہ نسخہ دو زبانوں میں یعنی لاطینی زبان میں (جو اہلِ مغرب کی زبان تھی ، اور یونانی زبان میں (جو اہلِ مشرق کی زبان تھی ، لکھا گیا ۔ اس نسخہ کی لاطینی اور مقدس آئیرنیوس[۱] کی لاطینی ایک ہی ہے ۔ مقدس آئیرنیوس کا زمانہ ۱۳۲ء تا ۲۰۲ء تھا ۔ پس ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس نسخہ کا متن کس قدر قدیم اور معتبر ہے ۔

اس نسخہ کا متن متعدد مقامات میں دیگر یونانی نسخوں سے قدرے مختلف ہے اور عہدِ جدید کے پرانے سریانی اور پرانے لاطینی ترجموں (جن کا ذکر آئندہ کیا جائے گا) کے مطابق ہے ۔ اناجیلِ اربعہ کا متن اور بالخصوص کتاب اعمال الرسل کا متن دیگر نسخوں سے مختلف ہے ۔ اس نسخہ کا مطالعہ یہ امر واضح کر دیتا ہے ۔ کہ یونانی متن اور لاطینی متن نے ایک دوسرے کو متاثر کر رکھا ہے ۔

---

1. Ireneus.

فصلِ سوم

دَورِ سوم

چھوٹے حرُوف کا زمانہ

(از ۸۰۰ئہ تا ۱۴۰۰ئہ)

طرزِ تحریر اور حرُوف کی تبدیلی

دُوسرا دور بڑے اور جلی حرُوف کا زمانہ تھا، لیکن تیسرے دور میں بڑے حرُوف کی بجائے چھوٹے حرُوف استعمال ہونے لگے ہیں اِن دونوں زمانوں میں نہ صرف طرزِ تحریر کا اختلاف ہے بلکہ مُختلف حرُوف کی شکلوں کا بھی اختلاف ہے۔ کیونکہ بڑے حرُوف ایک دُوسرے سے الگ لکھے جاتے تھے لیکن چھوٹے حرُوف شکستہ خط میں ایک دُوسرے کے ساتھ ملا دیئے جانے لگے۔ اِس طرزِ عمل کا ایک فائدہ یہ ہُوا کہ بھاری اور ضخیم جلدوں کی بجائے چھوٹی تقطیع کے نسخے لکھے جانے لگے جن کو بآسانی تمام ایک جگہ سے دُوسری جگہ لے جا سکتے تھے۔ اِس زمانہ کے اوائل میں رق یعنی چمڑا استعمال کیا جاتا تھا لیکن ۱۲۰۰ئہ سے کاغذ کا استعمال ہونا شرُوع ہو گیا۔ پندرھویں صدی کے وسط میں چھاپے کے حرُوف ایجاد ہو گئے اور قلمی نسخوں کی کتابت ختم ہو گئی۔

ابواب و آیات کی تقسیم

اِسی زمانہ میں کارڈینل کیرو Cardmal Careu نے ۱۲۳۶ء میں عہد جدید کی مختلف کُتب کو سہولت کی خاطر ابواب میں منقسم کیا۔ اور ۱۵۵۱ء میں رابرٹ سٹیفنس Robert Stephens, نے اِن ابواب کو آیات میں تقسیم کیا۔

دَورِ سوم کے نسخوں کی تعداد

اِس دَور کے کُل نُسخہ جات جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں تین ہزار سے زائد ہیں۔ ان میں سے پانچ سوسات نُسخوں میں اعمال الرسُل اور عام خطوط محفوظ ہیں۔ پانچ سو پچانوے نُسخوں میں مُقدس پولُس کے خطوط محفوظ ہیں، اور دو سو تین نُسخوں میں مکاشفات کی کتاب محفوظ ہے۔

بابِ چہارم

اوراد کُتبِ مُقدّسہ کے نُسخہ جات کی شہادت

لفظ "اوراد" کا مفہوم

مذکورہ بالا تینوں زمانوں کے ہزاروں نُسخوں کے علاوہ ہمارے ہاتھوں میں انجیل جلیل کے اوراد کے نُسخے بھی موجود ہیں۔ ابتدا ہی سے کلیسیا میں یہ دستور چلا آتا ہے کہ عبادت کے وقت گرجاؤں میں تمام سال کے دنوں اور مختلف تہواروں کے موقعوں پر انجیل کے مختلف حِصّص پڑھے جاتے ہیں۔ اِن حِصّص کو مسیحی اصطلاح میں "اوراد"

کہتے ہیں۔ چنانچہ کلیسیائے ہندوپاکستان میں یہ قدیم دستور اب تک چلا آتا ہے۔ اس دستور کے مطابق روزانہ گرجا میں انجیل کا ایک خاص مقررہ حصہ جو "ورد" کہلاتا ہے پڑھا جاتا ہے۔ اس دستور کے مطابق کلیسیائے ہند پاک کے گرجاؤں میں انجیل شریف کی تمام کتب سال میں دو دفعہ اور عہدِ عتیق کی کتب سال میں ایک دفعہ پڑھی جاتی ہیں۔ قدیم زمانہ میں ان وردوں کے نسخے گرجاؤں میں رکھے رہتے تھے۔ اور حسبِ موقعہ مقررہ حصص روزانہ پڑھے جاتے تھے۔ ان نسخوں میں اناجیل اور اعمال اور خطوط محفوظ ہیں۔ یہ نسخے دوسرے اور تیسرے دوروں کے ہیں۔ جو نسخے دوسرے دور سے متعلق ہیں وہ نویں صدی (از ۸۰۰ء تا ۹۰۰ء) سے پیچھے کے نہیں ہیں۔

ان اوراد کے نسخوں کا شمار تاحال ایک ہزار چھ سو نو (۱۶۰۹) سے زیادہ ہے اور نت نئے نسخے دستیاب ہوتے رہتے ہیں۔ ایک سو اٹھ نسخے ایسے ہیں جن میں اناجیل اور اعمال الرسل اور خطوط محفوظ ہیں اور دو سو پندرہ ایسے ہیں جن میں اعمال الرسل اور خطوط محفوظ ہیں۔

یونانی نسخوں کی کل تعداد

پس کتب عہدِ جدید کے صحیح اور معتبر یونانی متن کو معلوم کرنے کے لئے ہمارے پاس انیس سو سال کے قدیم نسخے موجود ہیں۔ ناظرین کی یاد دہانی کی خاطر ہم ان نسخوں کی تعداد یک جا کر کے لکھ دیتے ہیں تاکہ ان کی پوری اہمیت ایک ہی نظر میں ظاہر ہو جائے۔

(۱) دورِ اوّل۔ از ۵۰ء تا ۳۰۰ء۔ ۷۰ نسخہ جات یونانی سے زائد ہیں۔

(۲) دورِ دوم۔ از سنہ ۳۰۰ء تا سنہ ۸۰۰ء ۲۰۰ نسخہ جاتِ یونانی سے زائد ہیں۔

(۳) دورِ سوم۔ از سنہ ۸۰۰ء تا سنہ ۱۴۰۰ء ۳۰۰۰ نسخہ جاتِ یونانی " "

(۴) اوراد کے نسخہ جات کم از کم ۱۵۶۵ نسخہ جاتِ یونانی " " "

کُل تعداد نسخہ جاتِ یونانی زائد از پانچ ہزار۔

ناظرین پر مخفی نہ رہے کہ یہ پانچ ہزار سے زیادہ نسخے جو اب ہمارے ہاتھوں میں ہیں صرف اصلی یونانی زبان کے ہیں۔ جس زبان میں انجیل جلیل کی مختلف کُتب لکھی گئی تھیں۔ ممکن بلکہ اغلب ہے کہ زمین مِصر سے ہمیں اور نسخے بھی آئندہ زمانے میں ہاتھ آئیں بالخصوص پہلی دو صدیوں کے قلمی نسخے جن میں مکمل انجیل کی نقل ہو۔ بہر حال ہر شخص جس کے سر میں دماغ اور دماغ میں عقل ہے یہ سمجھ سکتا ہے کہ ان یونانی نسخوں کے ذریعہ جو تعداد میں پانچ ہزار سے زائد ہیں ہم انجیل جلیل کی مختلف کُتب کا صحیح ترین متن معلوم کر سکتے ہیں۔

بابِ پنجم

کُتبِ عہدِ جدید کے تراجم کی شہادت

عہدِ جدید کی کُتب ایک لحاظ سے دُنیا کی تمام قدیم کتابوں سے ممتاز ہیں۔ دیگر قدیم کُتب کی صحیح عبارت معلوم کرنے کے ذرائع نسبتاً محدود ہیں کیونکہ ان کتابوں کی نقلیں صرف اُن کی اصل زبانوں میں ہوتی تھیں اور صرف ایسی نقلوں کے

ذریعہ ہی ہم اُن کی اصلی عبارت کو معلوم کر سکتے ہیں۔ لیکن انجیل جلیل کی کُتب کی صحیح عبارت معلوم کرنے کے لئے ہمارے پاس نہ صرف اُن کی اصلی زبان یعنی یونانی میں قریباً پانچ ہزار یونانی نسخے موجود ہیں (جن کا ذکر اُوپر ہو چکا ہے) بلکہ اُن کتب کے مختلف زمانوں۔ ملکوں اور زبانوں کے قدیم ترین ترجمے بھی موجود ہیں جن کے ذریعہ قدیم اور مستند متن کا پتہ چل سکتا ہے۔ کیونکہ ان میں سے بعض ترجمے ایسے ہیں جو پہلی تین صدیوں کے موجودہ نسخوں سے بھی زیادہ قدیم ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسیحیت ابتدا ہی سے تبلیغی مذہب رہا ہے اور مسیحی مبلغین منجی عالمین کی آخری وصیت کے مطابق اقصائے عالم تک پہنچ گئے وہ جس ملک میں گئے اپنے ساتھ انجیل لے گئے اور انہوں نے اُس ملک کی زبان میں انجیل کی کُتب کا ترجمہ کر دیا۔ اس طرح دورِ حاضرہ میں مختلف بائبل سوسائٹیوں نے انجیل جلیل کی کُتب کا ترجمہ ایک ہزار دو بارہ (۱۲۱۲) زبانوں میں کر دیا ہے۔

پس انجیل جلیل کے صحیح متن کو معلوم کرنے کے لئے نہ صرف ہمارے پاس پانچ ہزار سے زائد نسخے اصلی یونانی زبان میں ہیں بلکہ مشرقی اور مغربی ممالک کی زبانوں کے قدیم ترین ترجموں کے نسخے ہزاروں کی تعداد میں ہمارے پاس موجود ہیں ان مختلف ترجموں کا اصلی زبان کے ساتھ مقابلہ کر کے ہم صحیح متن کی جانچ پڑتال کر سکتے ہیں۔ جو انجیل دورِ حاضرہ میں ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ اسی جانچ پڑتال اور مقابلہ کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا متن صحیح اور مستند متن ہے۔

انجیل کی یونانی زبان کی خصوصیت

خُدا کی حکمت دیکھو کہ عہد جدید کی کُتب کے مصنفین یہودی

مسیحی تھے اور اگر وہ عبرانی یا ارامی زبانوں میں ہی اپنی کُتب کو لکھتے تو یہ ایک فطرتی بات ہوتی۔ بالخصوص جب ہم دیکھتے ہیں کہ مُقدّس متّی نے ابتدائی زمانہ میں خُداوند کے کلمات طیبّات کو ارامی زبان میں قلمبند کیا تھا تو اگر تمام اناجیل اور مکتُوبات صرف ارامی میں فی زمانہ مَوجُود ہوتے تو کوئی حیرت کا مقام نہ ہوتا۔ لیکن خُدا کی زیرِ ہدایت اناجیل اور مکتُوبات وغیرہ نے یُونانی لباس[1] پہنا۔ اگر عہدِ جدید کی کُتب صرف ارامی زبان میں ہی لکھی رہ جاتیں تو مسیحیت کنعان کی حدُود سے آگے نہ بڑھتی پس الٰہی انتظام نے انجیل کو یُونانی زبان کا لباس پہنایا جو پہلی صدی مسیحی سے قبل مہذّب دُنیا کی بین الاقوامی زبان ہو گئی تھی اور ہندوستان سے رُوما تک بولی جاتی تھی۔ لہٰذا وہ انجیلِ جلیل کی حیرت انگیز اشاعت میں ممدو معاون ثابت ہُوئی جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ انجیلِ جلیل کے نسخے اور ترجمے اوائل صدیوں میں اطرافِ عالم میں پھیل گئے۔

انجیل کی یُونانی زبان کے متعلق ایک اور امر قابلِ غور ہے۔ کُتبِ عہدِ جدید کی یُونانی زبان کوئی اعلیٰ درجہ کی زبان نہیں ہے۔ اِس میں یُونانی مُصنّفین مثلاً افلاطُون وغیرہ کی سی فصیح اور بلیغ ٹکسالی زبان نہیں ہے۔ اِن مُصنّفین کی یُونانی اور کُتبِ عہدِ جدید کی یُونانی میں وہی فرق ہے جو کسی مسلّم الثبُوت دہلوی یا لکھنوی ادیب کی زبان اور کسی معمُولی لکھے پڑھے پنجابی کی اُردُو زبان میں پایا جاتا ہے۔ کُتبِ عہدِ جدید کی زبان وُہ ہے جو روزمرّہ کی بول چال میں استعمال ہوتی تھی پس انجیل کی یُونانی

---

[1] ہم نے اِس موضُوع پر اپنی کتاب "قدامت و اصلیتِ اناجیل اربعہ" کی دو جلدوں میں مفصّل بحث کی ہے۔ (برکت اللہ)

زبان مرکب جملوں سے اور مشکل اور مغلق الفاظ سے پاک ہے اور مختصر فقروں اور سادہ الفاظ میں مصنف کے مطلب کو ادا کرتی ہے۔ اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ انجیل جلیل کی کتب کی زبان دنیا کی مختلف زبانوں میں نہایت آسانی سے ترجمہ ہو سکتی ہے۔ پس یہ خدا کی عین حکمت تھی کہ انجیل جلیل کا پیغام نہ صرف یونانی زبان میں لکھا گیا بلکہ ایسی یونانی میں لکھا گیا جو بآسانی ترجمہ ہو کر تمام دنیا کے ممالک اور افراد تک پہنچ جائے۔ کتب عہد جدید پہلی صدی میں لکھی گئیں اور جوں جوں مسیحیت کی اشاعت مختلف ممالک میں ہوتی گئی انجیل کی کتابوں کے ترجمے بھی ان ممالک کی زبانوں میں ہوتے گئے۔

ترجموں سے اصل متن کو جانچنے کے اصول

انجیل جلیل کے اصل یونانی متن کو معلوم کرنے کے لئے مختلف زبانوں اور ملکوں کے ترجمے نہایت کارآمد ثابت ہوئے ہیں۔ نقادوں نے اس مقصد کے لئے متعدد اصول وضع کئے ہیں جن میں سے چند ایک نہایت عام فہم ہیں۔ ناظرین کی دلچسپی کی خاطر ہم ان کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) ظاہر ہے کہ اس نقطہ نظر سے کہ کسی ترجمہ کا فائدہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب ہم اس ترجمہ کے ذریعہ اصل یونانی متن کو بآسانی معلوم کر سکیں۔ پس وہ ترجمہ زیادہ کارآمد ثابت ہوتا ہے جو زیادہ سہولیت سے اس مقصد کو پورا کرتا ہے۔

(۲) اس قسم کے ترجمہ کو ہم از سر نو یونانی میں دوبارہ ترجمہ کر کے اس یونانی

اصل متن کو معلوم کر سکتے ہیں جو اصل مترجمین کے سامنے تھا اور جس سے وہ ترجمہ تیار کیا گیا تھا۔

(۳) اگر پیشِ نظر ترجمہ لفظی ہو جس میں زبان کے محاورہ کی پروا نہ کی گئی ہو تو ایسا ترجمہ اصل یونانی متن کو معلوم کرنے کے لئے نہایت کارآمد ثابت ہوتا ہے۔ اِس نکتہ کو ناظرین کے ذہن نشین کرنے کی خاطر ہم قرآنِ عربی کی مثال لیتے ہیں ہم قرآن کے عربی متن کو شاہ عبدالقادر دہلوی کے تحت اللفظی اُردو ترجمہ کو از سرِ نو دوبارہ عربی میں ترجمہ کر کے بآسانی معلوم کر سکتے ہیں کیونکہ اس میں اُردو زبان کے فقروں کی ساخت اور محاورہ کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ لیکن ڈاکٹر نذیر احمد دہلوی کے بامحاورہ اُردو ترجمہ سے ہم اصل عربی عبارت کے الفاظ کو ویسی آسانی سے معلوم نہیں کر سکتے۔

(۴) اگر ترجمہ ابتدائی زمانہ میں کیا گیا ہو تو قدیم اصلی یونانی متن بآسانی معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ مترجم کے سامنے قدیم ترین یونانی نسخہ ہو گا جو نہایت معتبر ہو گا۔

(۵) اگر مترجم فاضل اور عالم ہو تو اُس کے علم و فضیلت کی وجہ سے ترجمہ بھی نہایت قابل قدر و منزلت ہو گا اور اس امر کا بھی یقین ہو گا کہ اُس نے اعلیٰ ترین پایہ والے متن کے نسخہ سے ترجمہ کیا ہو گا۔

(۶) ہمیں ترجموں کے نسخوں میں سہوِ کاتب کے وجود کا خیال رکھنا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ جس طرح اصل یونانی نسخوں کی نقل میں کتابت کے وقت غلطیاں واقع ہو سکتی ہیں اُسی طرح اِن ترجموں کے نقلوں میں بھی کتابت کی غلطیاں واقع ہو سکتی ہیں اور ہوتی ہیں لیکن ایک ہی ترجمہ کے مختلف نسخوں کے مقابلہ سے اِن غلطیوں کا پتہ لگ

جاتا ہے۔

(۶) مختلف زبانوں کے ترجموں کے مقابلے سے بھی سہو کاتب کا علم ہو جاتا ہے کیونکہ مختلف زبانوں کے ترجموں کی کتابت میں ایک ہی قسم کی غلطی کا واقع ہونا ایک ناممکن امر ہے۔ علاوہ ازیں مختلف ترجموں میں قدرتاً ایک ہی لفظ کی غلطی واقع نہیں ہو سکتی۔ پس مختلف زبانوں، ملکوں اور زبانوں کے ترجموں کے مختلف نسخوں کا مقابلہ کرنے سے کسی ایک ترجمے کی غلطی یا تو اسی ترجمہ کے کسی دوسرے نسخے سے یا کسی دوسرے ترجمہ کے نسخے سے معلوم ہو جاتی ہے۔

(۷) مختلف زبانوں کے ترجموں کا مقابلہ انجیل کے اصل یونانی الفاظ کو معلوم کرنے میں نہایت کارآمد ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً ۱-تیمتھیس ۳: ۱۶ میں ہے "وہ جو جسم میں ظاہر ہوا ... الخ"۔ اس آیہ شریفہ میں الفاظ "وہ جو" کی یونانی "ΟΣ" ہے لیکن کاتب نے اس لفظ کو غلطی سے ΘΣ (یعنی "خدا") لکھ دیا جس کی وجہ سے مابعد کے یونانی نسخوں میں اس مقام پر ΘΣ ہی نقل ہوتا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے پرانے اردو ترجمہ میں اس آیت کا یہ ترجمہ ہے "خدا جسم میں ظاہر ہوا"۔ جب قدیم ترین یونانی نسخے دستیاب ہوئے تو وہاں اس مقام پر لفظ ΟΣ پایا گیا۔ پس سوال یہ پیدا ہوا کہ دونوں لفظوں میں سے صحیح لفظ کونسا ہے؟ اس کے تصفیہ کے لئے قدیم لاطینی ترجموں کو دیکھا تو وہاں لاطینی مترجمین نے لفظ Deus (یعنی خدا) نہیں لکھا تھا بلکہ لفظ Qui (یعنی "وہ جو") لکھا تھا۔ اس لاطینی ترجمہ نے ثابت کر دیا کہ پرانے زمانہ میں یونانی نسخوں کے کسی کاتب نے غلطی سے O کو بجائے Θ لکھ دیا تھا۔ پس موجودہ اردو ترجمے میں اس آیہ شریفہ

میں لفظ "خدا" کی جگہ الفاظ "وہ جو" بحال کئے گئے ہیں۔

اوّلین صدیوں میں انجیل جلیل کے قدیم ترجموں میں سے ہم ناظرین کی واقفیت کے لئے چند ایک کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ ترجمے اوّلین صدیوں میں مشرقی اور مغربی ممالک میں کئے گئے تھے۔ ہم پہلے مشرقی ممالک کے چند ترجموں کا ذکر کرتے ہیں۔

فصلِ اوّل

مشرقی ممالک کے تراجم

سُریانی تراجم

اوّل۔ سُریانی ترجمے:۔ منجیٔ عالمین کے زمانہ میں ارضِ مُقدس کنعان میں آرامی زبان عموماً بولی جاتی تھی۔ یہی زبان ہمارے مُبارک خُداوند کی زبان تھی۔ اور اِسی زبان کے چند فقرے ہماری اناجیل میں محفوظ بھی ہیں جو رحمۃ للعالمین کی زبانِ معجز بیان سے نکلے تھے مثلاً "تالیتھا قومی۔ ایلی ایلی لما سبقتانی۔ افتح" وغیرہ۔ پس قدرتی طور پر جب مسیحیت کی مُلکِ شام میں اشاعت ہُوئی تو سُریانی زبان میں (جو ارامی زبان کی ایک شاخ ہے) عہدِ جدید کی کُتب کا سب سے پہلے ترجمہ ہُوا۔ اس زبان میں انجیلِ جلیل کے پانچ ترجمے ہُوئے۔

ٹیشئین کی ڈیاٹیسرون

(۱) ٹیشئین وادیٔ فرات کا باشندہ تھا اور جسٹن شہید (جس کا ذکر آگے چل کر آئے گا،

کا شاگرد رہ چکا تھا۔ اُس نے ۱۷۰ء میں انجیلی بیان کو انجیلی اتحاد میں مرتب کیا۔ اُس نے اناجیل اربعہ کی مختلف آیات اور آیات کے حصص کو اس طور سے یکجا لکھا کہ وہ ایک مسلسل بیان ہو گیا۔ یہ کتاب[1] بڑی مقبولِ عام ہو گئی۔ چونکہ اُن ایام میں مختلف اناجیل کے لئے مختلف طومار درکار ہوتے تھے لیکن اس کتاب کے لئے صرف ایک ہی طومار درکار تھا اور اس میں چاروں انجیلوں کی آیات اور بیانات موجود تھے۔ پس پہلی پانچ صدیوں میں اس کتاب کا رواج عام ہو گیا حتیٰ کہ اس کتاب کا مختلف زبانوں مثلاً آرمینی۔ لاطینی۔ عربی وغیرہ میں ترجمہ ہو گیا اور اس کی تفسیریں بھی لکھی گئیں۔ اس وقت پوپ صاحب کے کتب خانہ میں اس کتاب کے عربی ترجمہ کے دو نسخے موجود ہیں۔

علماء کا اس بات پر اتفاق نہیں ہوا کہ ٹیشین نے پہلے پہل یہ کتاب یونانی میں ترتیب دی تھی یا سریانی میں مرتب کی تھی۔ اگر ٹیشین نے ۱۷۰ء میں اناجیل کے سریانی ترجمہ سے اپنی کتاب تالیف کی تھی تو ظاہر ہے کہ سریانی ترجمہ کا یونانی متن نہایت قدیم اور صحیح ہوگا جس کو ٹیشین جیسے مستند عالم نے قبول کیا تھا۔ اور اگر اس نے یونانی اناجیل سے پہلے پہل اس کتاب کو مرتب کیا تھا تو اُن کا متن نہایت صحیح اور معتبر ہوگا۔ ۱۹۳۳ء میں اس کتاب کا ایک پارہ یونانی زبان میں دستیاب ہوا جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ کتاب پہلے پہل یونانی میں لکھی گئی تھی اور بعد میں اس کا ترجمہ سریانی زبان میں کیا گیا تھا۔ بہر حال ظاہر ہے کہ اُس نے اُن معتبر یونانی نسخوں سے استفادہ کیا تھا جو اُس کے زمانہ میں رائج تھے۔ اور ۱۵۰ء یا اس سے پہلے لکھے گئے تھے۔

1. Tatian – Diatessaron.

لہٰذا اُن کا متن نہایت مُستند متن تھا۔

قدیم سُریانی ترجمہ

(۲) قدیم سُریانی ترجمہ۔ اس ترجمہ کے (جو انجیلی مجموعہ کے تحریر ہونے کے بعد تقریباً پچاس سال کے اندر کیا گیا تھا) دو قلمی نُسخے دَورِ حاضرہ میں ہمارے پاس ہیں۔ اس قدیم سُریانی ترجمہ کا یُونانی متن نُسخۂ سینا کے یُونانی متن کے مُطابق ہے۔ ایک نُسخہ کیورٹن ہے جس کو ۱۸۴۲ء میں انگلستان کے عجائب خانہ کے اسسٹنٹ ڈاکٹر کیورٹن[1] نے چھپوایا تھا۔ یہ نُسخہ مصر سے دستیاب ہُوا تھا، اور اس میں ذیل کی انجیلی عبارتیں موجود ہیں۔ متی ۱:۱ تا ۸:۲۲ و ۱۰:۳۲ تا ۲۳:۲۵۔ مرقس ۱۶:۱۷-۲۰۔ لوقا ۲:۴۸ تا ۳:۱۶ و ۷:۳۳ تا ۱۵:۲۱ و ۱۷:۱ تا ۲۴:۴۴، یوحنا ۱:۱ تا ۴۲: و ۳:۵ تا ۸:۱۹ و ۱۴:۱۰ تا ۱۲ و ۱۴:۱۵-۱۹ و ۱۴:۲۱-۲۳ و ۱۴:۲۶-۲۵ ترتیبِ اناجیل میں لُوقا کی انجیل یُوحنّا کے بعد لکھی ہے۔ یہ نُسخہ پانچویں صدی کے آخر میں لکھا گیا تھا۔ یعنی ۴۵۰ء اور ۵۰۰ء کے درمیان اُس زمانہ میں لکھا گیا تھا، جب مشہُور و معرُوف بشپ ربّولہ Rabbula اِس قدیم ترجمہ کی بجائے پشتیتہ ترجمہ (جس کا ذکر ابھی آئے گا) کروا رہا تھا۔

اِس قدیم سُریانی ترجمہ کا دُوسرا نُسخہ کوہِ سینا سے دو خواتین مسز لوئیس[2] اور مسز گبسن کو دستیاب ہُوا تھا۔ یہ نُسخہ چرمی فرمائش پر لکھا ہے جس کی عبارت انجیلی ہے جس کو نرم پتھر سے رگڑ کر دو سطروں کے درمیان اور عبارت لکھی گئی تھی۔ اس نچلی عبارت سے جو دھیمی سی نظر آتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نُسخہ

---

1. Dr. Cureton 2 Mrs. Lewes. Mrs. Gibson.

چوتھی صدی کے آخر اور پانچویں صدی کے شروع کا ہے۔ یعنی وہ سنہ ۴۲۵ء اور سنہ ۴۵۰ء کے درمیان لکھا گیا تھا۔ اس نسخہ میں قدیم سریانی ترجمہ نسخہ کیورٹن کی نسبت زیادہ محفوظ ہے۔ اس نسخہ میں ذیل کی عبارتیں موجود ہیں۔ متی ۱:۱ تا ۹:۱۰

و ۴:۳ تا ۱۶:۱ : ۵ و ۱۶ : ۱۱ تا ۲۰ : ۴ ۲ و ۲۱ : ۲۰ تا ۲۰ : ۷ و مرقس ۱:۱۲ تا

۴۴ و ۲۳ : ۱۲ تا ۳:۳ و ۴ : ۱۴ تا ۵ : ۲۶ و ۲ : ۵ تا ۱۶ : ۸ (جہاں پر انجیل

ختم ہوتی ہے) لوقا ۱:۱ تا ۱۶ و ۱ : ۳۰ تا ۵ : ۲۸ و ۶ : ۱۲ تا ۲۴ : ۵۳۔ یوحنا ۱:۱ تا

۲۵ و ۱:۶ تا ۱۶ : ۲۰ ۴ و ۲۷ : ۵ و ۵ : ۱۵ و ۵ : ۲۶ تا ۱۸ : ۳۱ و ۱۹ : ۴۰ تا ۲۱ : ۲۵۔

پشیتہ (۳) پشیتہ جس طرح رومی کلیسیا کا مستند ترجمہ ولگیٹ[1] ہے اور انگریزی کلیسیا کا مستند ترجمہ اتھرائزڈ ورشن[2] ہے اسی طرح سریانی کلیسیا کا مستند ترجمہ پشیتہ[3] ہے۔ اس لفظ کا مطلب "سادہ" ہے۔ یہ ترجمہ گذشتہ ڈیڑھ ہزار سال سے سریانی کلیسیا میں رائج ہے۔ ہم اس رسالہ کے پہلے حصہ میں بتا چکے ہیں کہ اس میں عہد عتیق تمام اور کامل موجود ہے۔ عہد جدید کی کتب میں سے ۲۔پطرس ۲۔یوحنا ۳۔یوحنا۔ یہوداہ کا خط اور مکاشفات کی کتاب نہیں ہے کیونکہ جب یہ ترجمہ کیا گیا تھا اس وقت سریانی کلیسیا میں ان کتب کا رواج نہیں تھا جس سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ ترجمہ کس قدر قدیم ہے۔

شامی کاتب کتابت کی صحت کے لئے تمام دنیا میں مشہور تھے۔ انہوں نے اس ترجمہ کی نقلیں ایسی صحت اور خوبصورتی سے کی ہیں کہ اس کے مختلف نسخوں میں مشکل اختلافات ملتے ہیں۔ اس ترجمہ کے قدیم نسخے جو دورِ حاضرہ میں موجود

1. Vulgate 2. Authorised. version. 3. Peshitta.

ہیں شمار میں ۲۴۲ سے زیادہ ہیں، جن میں ۱۰۲ نسخے برطانوی عجائب خانہ میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے بعض نسخے نہایت قدیم ہیں اور کاتبوں نے سن کتابت بھی لکھا ہوا ہے۔ سب سے قدیم نسخہ پانچویں صدی کا ہے۔ ایک درجن کے قریب نسخے چھٹی صدی کے ہیں، جن میں سے چار پر ذیل کی تاریخیں موجود ہیں۔ از ۵۳۰ء تا ۵۳۹ء یعنی کاتب نے اس نسخہ کو دس سال میں لکھا جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کس حزم اور احتیاط سے یہ کاتب نقل کیا کرتے تھے۔ باقی تین نسخوں کی کتابت ختم ہونے کے سن علے الترتیب ۵۳۴ء۔ ۵۴۸ء اور ۵۸۶ء ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ کب کیا گیا۔ جب ہم اس بات کو مدنظر رکھتے ہیں کہ یہ ترجمہ تمام سریانی کلیسیا میں مروج ہے اور کہ ۴۳۱ء میں اس کلیسیا کی شاخ نسطوری کلیسیا سے الگ ہو گئی تھی تو ہم پر یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ ترجمہ نہ صرف ۴۳۱ء سے پہلے کا کیا ہوا ہے، بلکہ ۴۳۱ء میں یہ ترجمہ ایسا قدیم اور مستند سمجھا جاتا تھا کہ گو اس وقت سریانی کلیسیا میں پھوٹ بھی پڑ گئی تھی تاہم اس پھوٹ کا اس ترجمہ کی عام مقبولیت اور رواج پر رتی بھر اثر نہ پڑا۔ اس ایک بات سے ہم اس ترجمہ کی قدامت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ ترجمہ دوسری صدی یعنی ۱۰۰ء اور ۲۰۰ء کے درمیان کیا گیا تھا۔ دیگر علماء کا خیال ہے کہ یہ ترجمہ تیسری صدی یعنی ۲۰۰ء اور ۳۰۰ء کے درمیان کیا گیا تھا۔ موخر الذکر علماء کے خیال کے مطابق وہ ترجمہ جس کی نقل مذکورہ بالا کوہِ سینا کا سریانی نسخہ ہے، پشیتہ ترجمہ سے بھی زیادہ قدیم ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام قدیم سریانی ترجمہ رکھا گیا ہے اور پشیتہ کے مترجموں نے ترجمہ کرتے

وقت اس پرانے سریانی ترجمہ کو ضرور پیشِ نظر رکھا تھا، جس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ یہ دونوں ترجمے کتنے قدیم ہیں۔ اگر پشیتہ تیسری صدی کا ترجمہ ہے تو کوہِ سینا کے نسخہ والا سریانی ترجمہ اس سے بھی زیادہ قدیم یعنی دوسری صدی سے بھی غالباً پہلے کا ہوگا۔ اب علماء کی ایک بڑی تعداد اس نظریہ کی حامی ہے کہ پشیتہ دوسری صدی کے اوائل ہی میں ترجمہ کیا گیا تھا اور سریانی بولنے والی کلیسیاؤں میں مقبول عام ہو گیا تھا

مذکورہ بالا قدیم سریانی ترجمہ کے نسخے پشیتہ کے نسخوں سے مقابلۃً بہت کم دستیاب ہوتے ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ قدیم سریانی علم ادب کی کتابوں کا ایک بہت بڑا حصہ ضائع ہو چکا ہے اور جو موجود ہے وہ صرف جدا جدا ٹکڑوں میں ہی ملتا ہے۔ اس کی دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جوں جوں انجیل ترجمہ کی نظرِ ثانی ہوتی گئی قدرتاً قدیم ترجمے کی نقلیں آہستہ آہستہ بند ہوتی گئیں۔ اور اس قدیم ترجمہ کی نقلیں ضائع ہو گئیں۔ چنانچہ پانچویں صدی میں تھیوڈوریٹ بتاتا ہے کہ اس کو ٹیشین کی مذکورہ بالا تصنیف کی صرف دو سو نقلیں ملیں جن کی بابت اس نے اناجیلِ اربعہ کے استعمال کا رواج جاری کیا پس ٹیشین کی کتاب کے رواج کا خاتمہ بھی اس کی نقلوں کے بند ہونے کی وجہ سے ہوا اور پشیتہ کے ترجمہ کے بعد قدیم سریانی ترجمہ کا بھی یہی حشر ہوا۔

۱؎ اس افسوسناک واقعہ کے اسباب کا مفصل ذکر ہم اپنی کتاب "قرونِ وسطیٰ کی ایشیائی اور ہندوستانی کلیسیائیں" کے حصہ اوّل کے ابواب سوم تا ششم میں کر چکے ہیں۔
(برکت اللہ)

فلوکسینس کا ترجمہ

(۴) ۵۰۸ء میں عہدِ جدید کی کتب کا بامحاورہ ترجمہ سُریانی زبان میں مشرقی شام کے اُسقف فلوکسے نس[1] کے ایما پر کیا گیا۔ یہ ترجمہ زبان کے لحاظ سے تمام سُریانی ترجموں میں اعلیٰ پایہ کا ہے اور لفظی قیود سے آزاد اور بامحاورہ ہے۔ پشیتہ کی تمام خوبیاں اِس میں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اِس کے نُسخے بھی بہت کم موجود ہیں۔ سب سے پرانا نُسخہ ۸۲۳ء کا ہے۔ اِس ترجمہ کا ایک عربی ترجمہ بھی کیا گیا جس کا ایک نُسخہ موجود ہے جو نویں صدی کا ہے۔

ہرکل کے توما کا ترجمہ

(۵) بشپ فلوکسینس جیکوبائٹ (یعقوبی) بدعت کا بانی تھا۔ یہ فرقہ مسیح کی وحدتِ فطرت کا قائل تھا۔ ساتویں صدی میں خسرو دوم کی ایرانی فوجوں نے اِس بدعتی کلیسیا کی شاخوں کو جو مسوپتامیہ اور شمالی شام کے شہروں میں تھیں برباد کر دیا۔ جب اِس کلیسیا میں اندرونی تفرقے اور رخنے پیدا ہو گئے تو ۶۱۳ء میں انطاکیہ کا پیٹریارک کلیسیا کی پارٹیوں میں صُلح کرانے کی غرض سے سکندریہ گیا اور اپنے ساتھ مشرقی شام کے ہارکل کے بشپ توما[2] کو بھی لے گیا۔ وہاں بشپ توما نے پیٹریارک کے حکم کے مطابق عہدِ عتیق کی کُتب کا ترجمہ کیا۔ ۶۱۶ء میں اِس نے فلوکسینس کے سُریانی ترجمہ کی نظرِ ثانی کی کیونکہ فلوکسینس کا ترجمہ زبان کے لحاظ سے آزاد اور بامحاورہ ترجمہ تھا۔ توما کا ترجمہ لفظی ہے جس میں سُریانی زبان کے محاورہ کی رعایت نہیں رکھی گئی بلکہ بعض دفعہ سُریانی زبان کے قواعد پہ جبر بھی

---

۱ Philoxenus

۲ Thomas of Harkel.

کیا گیا ہے۔ تاکہ یونانی متن کے لفظی معنی برقرار رہیں۔ جس طرح اکولا نے کتب عہد عتیق کا لفظی ترجمہ یونانی زبان میں کیا تھا اور اُس میں یونانی محاورات کا لحاظ نہیں رکھا تھا اسی طرح تھوماس نے کتب عہد جدید کا لفظی ترجمہ کیا خواہ وہ سُریانی زبان کے محاورہ کے مطابق ہو یا نہ ہو۔ ہندوستان میں ترجمہ فلوکسے نس کی نظیر حافظ نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ قرآن ہے اور ہارکل کے لفظی ترجمہ کی نظیر شاہ ولی اللہ یا شاہ عبد القادر کا ترجمہ ہے۔ ہارکل کے لفظی ترجمہ کا یہ فائدہ ہے کہ ہم اس کے ذریعہ نہایت آسانی سے اصل یونانی زبان کا لفظ معلوم کر سکتے ہیں اور یہ جان سکتے ہیں کہ فلاں مقام پر اصل یونانی لفظ کیا تھا اور یوں نہ صرف ترجمہ کے متن کی صحت بلکہ یونانی اصل عبارت کی صحت کی جانچ پڑتال بھی کر سکتے ہیں۔

اس ترجمہ کے اکیاون نسخے ہمارے پاس محفوظ ہیں جن میں سے ایک اسی صدی (یعنی ساتویں صدی) کا ہے جس میں یہ ترجمہ پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا۔ ایک اور نسخہ پر ۷۵۷ء سن لکھا ہے۔

کنعانی سُریانی بولی کے ترجمے

کنعانی سُریانی ترجمے
Palistinian Syriac.

ان ترجموں کی سُریانی بولی دیگر ترجموں کی سُریانی زبان سے مختلف ہے اور کنعانی ترجم کی زبان سے ملتی جلتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کو کنعانی سُریانی ترجمہ کہتے ہیں۔ اس کے مختلف اوراق مسیحی ممالک کے مختلف حصص میں محفوظ ہیں۔ بعض علما کا خیال ہے کہ یہ ترجمہ یروشلیم میں دوسری صدی میں کیا گیا تھا۔ دیگر علما کا خیال ہے کہ انطاکیہ میں کیا گیا تھا اور چھٹی صدی مسیحی کے اوائل کا ہے۔ اس ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس

یُونانی نُسخہ کا جس کا یہ ترجمہ ہے، متن نہایت اعلیٰ اور معتبر تھا۔

"کھوپری کا نُسخہ" مذکورہ بالا ترجموں کے علاوہ سُریانی زبان میں ایک اَور نُسخہ موجُود ہے جس میں کُتبِ عہدِ جدید کی بعض آیات کی شرح کی گئی ہے۔ اِس شرح میں مُصنّف نے یہ بھی بتایا ہے کہ مُختلف یُونانی الفاظ کے حرکات و سکنات کیا ہیں اور اُن کا صحیح سُریانی ترجمہ کیا ہے۔ اور مُختلف یُونانی آیات کے علاماتِ وقف کیا ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اِس کتاب کے سات نُسخے دَورِ حاضرہ میں موجُود ہیں۔ جن میں سے چھ شامی کلیسیا کے یعقوبی فرقہ[2] سے تعلّق رکھتے ہیں اور ایک نسطوری فرقہ سے متعلّق ہے۔ چُونکہ یعقوبی فرقہ کی شرح ایک خانقاہ میں لکھی گئی تھی جس کا نام کھوپری کی خانقاہ ہے لہٰذا اِس نُسخہ کا نام بھی کھوپری کا نُسخہ رکھا گیا ہے۔

ناظرین پر مخفی نہ رہا ہوگا کہ یہ سُریانی ترجمے بہت اہمیّت رکھتے ہیں۔ اِن کی اہمیّت کا باعث صرف اِن ترجموں کی قدامت ہی نہیں ہے بلکہ چُونکہ سُریانی زبان ارامی زبان کی ایک شاخ ہے اور کنعانی ارامی زبان سے متعلّق ہے۔ جو ہمارے خُداوند اور اُس کے رسُولوں کی زبان تھی۔ لہٰذا اِس زبان کے تراجم کے ذریعہ ہم اُن اصل ارامی الفاظ اور کلمات کو معلُوم کر سکتے ہیں جو مُنجیِ عالمین کی زبانِ معجز بیان سے نکلے تھے۔ چُونکہ سُریانی ترجموں کے نُسخے سینکڑوں کی تعداد میں ہمارے پاس موجُود ہیں لہٰذا ہم انجیل جلیل کی کُتب کے صحیح ترین اور معتبر ترین ارامی اور یُونانی متن کو اِن نُسخوں کی مدد سے معلُوم کر سکتے ہیں۔

---

1. Karka, Phensian version. 2. Jacobite.

آرمینی ترجمے

دوم - آرمینی تراجم - ملک شام کے شمال اور شمال غرب کی جانب آرمینیا کا ملک واقع ہے لہٰذا شامی مسیحی مبلغین نے انجیل جلیل کے پیغام کی صدا آرمینیا میں سنہ ۳۰۰ء میں جا سنائی۔[1] پہلے پہل آرمینی زبان میں کتب عہد جدید کا ترجمہ چوتھی صدی کے شروع میں یعنی سنہ ۳۲۵ء سے پہلے سُریانی زبان سے کیا گیا۔ چنانچہ اناجیل اربعہ کا ترجمہ سُریانی زبان سے آرمینی زبان میں مُقدس گریگوری (سنہ ۳۳۲ء) کے وقت موجود تھا۔ اس کے بعد یونانی اصل اور سُریانی ترجمہ کو پیشِ نظر رکھ کر سنہ ۳۹۵ء اور سنہ ۴۰۰ء کے درمیان ایک اور آرمینی ترجمہ کیا گیا۔ جب افسس کی کونسل (سنہ ۴۳۱ء) کے بعد قسطنطنیہ کے دارالسلطنت سے کُتبِ مُقدسہ کی صحیح نقل دستیاب ہوئی تو مُقدس اضحاق اور مسروپ[2] نے اپنے سنہ ۳۹۵ء کے ترجمہ کی نظر ثانی کرلی - یہ صحیح نسخہ وہی تھا جو قسطنطین بادشاہ کے حکم سے نقل ہوا تھا اور جس کا متن کوہ سینا کے نسخہ کا متن تھا۔ یہ نسخہ اس صحت کے ساتھ لکھا گیا ہے کہ اس کو صحت و خوبصورتی کے لحاظ سے "نسخوں کی ملکہ" کا خطاب دیا گیا ہے۔

آرمینی ترجموں کے نسخے مختلف مسیحی ممالک میں اور آرمینیا میں موجود ہیں۔ اُن کے خاتمہ میں اُن کی کتابت کی تاریخ لکھی ہے چنانچہ بعض نسخے سنہ ۸۸۰ء، ۹۲۶ء، سنہ ۹۰۶ء اور ۹۰۹ء کے آرمینیا میں موجود ہیں۔ ایک نسخہ سنہ ۹۶۰ء کا قسطنطنیہ میں ہے اور دو نسخے سنہ ۹۰۲ء اور سنہ ۱۰۰۶ء کے وینس شہر میں موجود ہیں۔

---

[1] مصر و شام و آرمینیا اور جارجیا کی کلیساؤں کے مفصل حالات کا ذکر ہم نے اپنی کتاب "قرونِ وسطیٰ کی ایشیائی اور ہندوستانی کلیسائیں" میں کیا ہے۔ (برکت اللہ)

[2] Sahak, Mesrop.

جارجیا کے ترجمے سوم - جارجیا کے تراجم - ملکِ آرمینیا کے شمال مغرب کی جانب ملکِ جارجیا ہے، جہاں آرمینی مبلّغین نے مسیحیت کی اشاعت کا فرض سرانجام دیا۔ چوتھی صدی کے آغاز میں اِن بحرِ اسود اور بحرِ کیسپین کے درمیان کوہ قاف کے رہنے والے جارجینی لوگوں میں کلیسیا قائم ہو چکی تھی۔ کہتے ہیں کہ مقدس مصروپ نے جارجی زبان میں بھی کتبِ مقدسہ کے ترجمے ۴۲۵ء کے قریب کئے۔ ملکِ جارجیا کے ترجموں کی جانچ پڑتال اِس امر کو ظاہر کر دیتی ہے کہ مترجمین کے سامنے یونانی اصل اور سریانی ترجمے دونوں تھے۔

ایرانی ترجمے چہارم - ایرانی ترجمے - سریانی ترجمہ پشیتہ کی کتب عہدِ جدید کا ترجمہ فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ اِس ترجمہ کے بعد ایک اَور ترجمہ فارسی میں اصل یونانی سے کیا گیا۔ خیال ہے کہ ایران[1] میں پرانے ترجمہ کے نسخے موجود ہیں لیکن یہ تاحال شائع نہیں ہوئے۔

حبش کے ترجمے پنجم - ملکِ حبش کے تراجم - مسیحیت نے ملکِ مصر کے راستے یا سیدھا ارضِ مقدس کنعان سے (اعمال ۸: ۲۶ تا ۳۹) ملکِ ابی سینیا[2] میں دخل پایا۔ پانچویں صدی کے آخر میں مسیحیت

---

[1] ایران کی کلیسیا کا مفصل ذکر ہم نے اپنی کتاب "صلیب کے علم بردار" میں کیا ہے۔

[2] حبش اور عرب کی کلیسیاؤں کا مفصل ذکر ہم نے اپنی کتاب "قرونِ وسطیٰ کی ایشیائی اور ہندوستانی کلیسیائیں" کے حصہ اوّل کے بابِ اوّل میں کیا ہے۔ (برکت اللہ)

اس ملک کا قومی مذہب بن گیا۔ چوتھی صدی میں انجیل جلیل کا ترجمہ اس کی زبان میں ہو گیا تھا۔ مغربی ممالک کے کتب خانوں میں اس زبان کے ایک سو سے زائد نسخے موجود ہیں، جو صحیح وجدید کتابوں کا متن معلوم کرنے کے لئے نہایت کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔ ان میں سب سے قدیم نسخے کا متن نہایت صحیح ہے کیونکہ ترجمہ لفظی ہے۔ مابعد کے نسخوں پر عربی ترجموں کا اثر نمایاں ہے۔ لیکن اس زبان کے تمام نسخوں کی تا ہنوز جانچ پڑتال نہیں کی گئی۔

عربی ترجمے

ششم۔ عربی تراجم۔ کتاب مقدس کے عربی تراجم کے نسخے بکثرت موجود ہیں۔ ان میں سے بعض اصل یونانی سے اور بعض سریانی زبان سے اور بعض قبطی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ کئے گئے۔ عربی تراجم کی ضرورت زیادہ تر اس لئے پڑی کہ اسلامی فتوحات کی وجہ سے ممالک شام ومصر میں (جہاں مسیحی کلیسیائیں بکثرت تھیں) عربی زبان رائج ہوگئی تھی۔ حال ہی میں کوہ سینا سے بعض عربی نسخے ہاتھ لگے ہیں جو ان تراجم میں سے کسی کی نقل نہیں ہیں، بلکہ کسی قدیم ترجمہ کی نقل ہیں۔ کیا عجب ہے کہ وہ حضرت رسولِ عربی کے رشتہ دار حضرت ورقہ بن نوفل کے ترجمہ کی نقلیں ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قبطی ترجمے

ہفتم قبطی تراجم۔ کتاب اعمال الرسل ۱۸ : ۲۴-۲۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک مصر میں مسیحیت کی اشاعت خداوند مسیح کی وفات کے چند سال بعد ہوگئی تھی۔ روایت ہمیں بتاتی ہے کہ مقدس مرقس نے وہاں کلیسیا قائم کی تھی۔ بہرحال یہ ظاہر ہے کہ رسولوں کی عین حیات

میں ہی مُلک مصر میں مسیحیت کی اشاعت ہو گئی تھی۔ یہاں یہودی ہزاروں کی تعداد میں رہتے تھے اور اسی مُلک میں عہدِ عتیق کا مشہور ترجمہ سبعینیہ (سپٹواجنٹ) کیا گیا تھا۔ لہٰذا جب دُوسری صدی میں قبطی زبان ایجاد ہوئی تو عہدِ جدید کی کُتب کا ترجمہ ۱۵۰ء اور ۲۰۰ء کے درمیان اِس زبان میں کیا گیا قبطی زبان ابتدائی مسیحی صدیوں میں مصر کے دیس کی زبان تھی جو فراعنۂ مصر کی قدیم زبان سے منتقل تھی۔

اس زبان کی دو شاخیں ہیں۔ اوّل صعیدی۔ دوم بحیری[1]۔

(الف) صعیدی زبان:۔ یہ زبان جنوبی مصر کی تھی اور اس میں بے شمار پارے موجود ہیں۔ ۱۹۲۳ء میں اس زبان میں یوحنا کی انجیل کا ترجمہ دستیاب ہوا۔ اگر ان تمام پاروں کو جو دستیاب ہوئے ہیں ایک جگہ جمع کیا جائے، تو وہ عہدِ جدید کی تمام کُتب پر مشتمل ہوں گے۔ چنانچہ مشی گن یونیورسٹی نے اِن پاروں سے اناجیلِ اربعہ اعمال، خطوطِ پولُس اور مکاشفات کی کتاب کو شائع کیا ہے۔

عہدِ عتیق اور عہدِ جدید دونوں کے بے شمار پارے موجود ہیں، اور ہر سال اِن پاروں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ صعیدی زبان کے نسخے بحیری زبان کے نسخوں سے زیادہ قدیم ہیں، کیونکہ اس زبان کا ۲۵۰ء کے بعد رواج نہ رہا تھا پس ظاہر ہے کہ جب دُوسری صدی میں قبطی حرُوف ایجاد ہوئے اور صعیدی شاخ کا ۲۵۰ء کا بعد رواج نہ رہا تو یہ ترجمہ ضرور ۱۷۵ء اور ۲۰۰ء کے درمیان کیا گیا ہو گا۔ چُونکہ اس زبان کے بے شمار پارے دستیاب ہو رہے ہیں، ظاہر ہے کہ نسخوں کی نقلیں بھی بے شمار ہُوئی ہوں گی۔ اِن پاروں میں سے بعض پارے

1. Sahidic, Bohairie.

ہیں صعیدی ترجمہ کے بالمقابل اصل یونانی عبارت بھی لکھی ہے۔ ایک نسخہ میں (جو کتابی صورت کا ہے) استثنا۔ یوناہ اور اعمال کی کتابیں ایک جلد میں مجلد ہیں۔ یہ نسخہ ۳۵۰ء کا ہے۔ مقدس یوحنا کی انجیل کا ایک صعیدی نسخہ ۳۵۰ء کے لگ بھگ کا ہے۔ صعیدی ترجمہ کے نسخے اور پارے اس کثرت سے دستیاب ہوئے ہیں کہ ڈاکٹر ہورنر Dr. Horner نے ان نسخوں سے صعیدی زبان کا مکمل نیا عہدنامہ تالیف کیا ہے جو اس زبان کی قدامت اور معتبر متن کی وجہ سے نہایت اہم ہے۔

اُمید ہے کہ ناظرین پر ظاہر ہو گیا ہوگا کہ صعیدی ترجمہ کا متن قدیم ترین متنوں میں سے ہے۔ چنانچہ وہ مقدس اوریگن سے بھی پہلے کا ہے۔ اور نہایت قابلِ قدر اور معتبر متن ہے۔

(ب) بحیری زبان۔ ایک زمانہ آیا جب بحیری حروف نے صعیدی حروف کی جگہ غصب کر لی۔ یہ زبان شمالی مصر کی زبان تھی، اور دنیا میں بولی جاتی تھی۔ اس زبان میں عہدِ جدید کے نسخے بکثرت موجود ہیں۔ بعض نسخوں میں انجیلی مجموعہ کی یہ کتابیں کامل موجود ہیں۔ اگرچہ تاحال کوئی ایسا نسخہ نہیں ملا جس میں یہ تمام کتب یکجا موجود ہوں، تاہم یہ سب کتب مختلف نسخوں میں محفوظ ہیں۔ پادری ہورنر[۱] نے آکسفورڈ یونیورسٹی کے چھاپہ خانہ کے لئے بحیری زبان میں ایک عہدِ جدید مرتب کیا ہے۔ جس کی انجیل چھتیس نسخوں سے اور دیگر اناجیل بیس نسخوں سے تیار کی گئی ہیں۔ اُنیس[۱۹] نسخوں سے خطوطِ مقدس پولس۔ تیرہ[۱۳] نسخوں سے عام خطوط۔ تیرہ[۱۳]

---

[۱] (Dr. Horner)

نسخوں سے اعمال کی کتاب اور گیارہ سے مکاشفات کی کتاب تیار کی گئی ہے۔ یہ ترجمہ یونانی کا لفظی ترجمہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس شائع شدہ انجیل کا متن نہایت معتبر اور صحیح ہے۔

نسخوں کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ قبطی کاتب یہودی اور شامی کاتبوں کی طرح ایک ایک لفظ نہایت صحت اور احتیاط سے لکھتے تھے۔ اگر کہیں اختلاف کتابت ہوتا تو یہ قبطی کاتب حاشیہ میں لکھ دیتے تھے کہ اختلاف یونانی نسخوں میں پایا جاتا ہے لیکن قبطی نسخوں کی کتابت میں نہیں ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ قبطی کلیسیا کس قدر ایمان داری سے اپنے صحیح متن کی حفاظت کرتی تھی۔ ان قبطی نسخوں کا متن صحیح ترین اور اعلےٰ ترین قسم کا ہے اور نسخہ ویٹی کن کے متن کے مطابق ہے۔

اس زبان میں کتب عہدِ جدید کا ترجمہ چوتھی صدی مسیحی سے پہلے غالباً ۲۵۰ء اور ۳۰۰ء کے درمیان ہوا تھا۔

(ج) دیگر قبطی زبانوں کے تراجم:۔ مذکورہ بالا دو قبطی زبانوں کے علاوہ دیگر قبطی زبانوں میں بھی عہدِ جدید کے ترجمے ہوئے تھے۔ کیونکہ بعض ترجموں کا متن مذکورہ بالا دونوں ترجموں سے مختلف ہے۔ یہ نسخے چھٹی پانچویں اور چوتھی صدی مسیحی کے ہیں، اور قدیم متن کے معلوم کرنے میں ممد اور معاون ہیں۔

جنوری ۱۹۲۴ء میں ایک اور قبطی زبان کے ترجمہ کا نسخہ مصر سے دستیاب ہوا جو ۳۵۰ء میں لکھا گیا تھا۔ یہ نسخہ مقدس یوحنا کی انجیل پر مشتمل ہے۔ اس نسخہ کی زبان صعیدی زبان کی ایک شاخ ہے۔ اس نسخہ کا متن ظاہر

رتا ہے کہ یہ ترجمہ دوسری صدی میں کیا گیا تھا اور کہ یہ ترجمہ اُسی متن کا ہے جو کوہِ سینا کے نسخہ کا متن ہے اور صحیح ترین متن ہے۔ یہ نسخہ اب بائبل سوسائٹی لندن کے پاس ہے۔

فصلِ دوم

مغربی ممالک کے تراجم

گاتھک ترجمہ

اوّل۔ گاتھک ترجمہ[1]: یہ ترجمہ قوم گاتھ کی زبان میں اُن کے پہلے اُسقف الفلسؔ نے کیا تھا جس نے اس قوم کو حلقہ بگوش مسیحیت کیا تھا۔ چونکہ یہ لوگ وحشی تھے لہٰذا اُن کی زبان کے حروف اِس اُسقف نے ایجاد کئے اور ۳۵۰ء میں اُس نے بائبل کی کُتب کا ترجمہ یُونانی زبان سے ان لوگوں کی زبان میں کیا۔ یہ ترجمہ یُونانی کا لفظی ترجمہ ہے جس میں گاتھک زبان کے محاورہ کی کوئی رعایت نہیں رکھی گئی اِس ترجمہ کے اصل کا متن نہایت قدیم ہے۔

اِس ترجمہ کے تین نُسخے ہمارے پاس موجود ہیں۔ ایک نُسخہ آرجینٹیئس یا کوڈیکس Codex Argentius. نہایت خوبصورت اور نفیس ہے اور ارغوانی رنگ کے چرم پر سونے اور چاندی کی سیاہی سے اُن بڑے اور جلی حروف میں لکھا ہے جو پانچویں صدی میں مروّج تھے۔ یہ نسخہ اُپسالہ یُونیورسٹی کے کتب خانہ

1. Gothic version of Ulphilas.

میں ہے۔

لاطینی تراجم

دوم۔ لاطینی تراجم :۔ یُونانی اَور لاطینی زبانیں ایک دُوسرے کے ساتھ رشتہ اَور تعلق رکھتی ہیں۔ پس لاطینی ترجمہ سے ہم یُونانی اصل عبارت کو سہُولت سے معلوم کر سکتے ہیں۔ یہ لاطینی تراجم مُختلف اوقات میں کیئے گئے تھے۔

(۱) قدیم لاطینی ترجمہ یا ترجمے[۵] :۔ ابتدا میں رُوم میں یُونانی زبان کا ہی رواج تھا۔ لہٰذا رُومی مسیحیوں کو لاطینی ترجمہ کی ضرورت نہ پڑی۔ لاطینی ترجمہ کی ابتدا علاقہ ٹیونس (شمالی افریقہ) سے ہُوئی، کیونکہ وہاں کے لوگ یُونانی زبان سے ناواقف تھے۔ ٹرٹولین[۶] کی تصنیفات اِس امر کی گواہ ہیں کہ مسیحیت شمالی افریقہ میں بہت جلد پھیل گئی تھی۔ لہٰذا وہاں لاطینی ترجمہ کی فوری ضرورت محسُوس ہُوئی۔ یہ لاطینی ترجمہ ٹرٹولین سے بہت پہلے مَوجُود تھا کیونکہ اُس کی تصنیفات میں لاطینی بائبل سے اقتباسات مَوجُود ہیں۔ پس یہ ترجمہ نہایت قدیم ہے اَور ۱۵۰ء کے بعد کا نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ترجمہ کارتھیج کے شُہدا کے ہاتھ میں ۱۸۰ء میں موجُود تھا۔ پس جس متن کا یہ ترجمہ ہے وُہ نہایت قدیم، مُستند اَور مُعتبر متن تھا، اَور غالباً اُن نُسخوں کے متن کی نقل تھا جو مُقدس رسُولوں کے پاک ہاتھوں نے لکھے تھے۔ کیونکہ اس لاطینی ترجمہ کا متن نُسخہ بینا کے یُونانی متن کے مُطابق ہے۔ ناظرین کو یاد رکھنا چاہیئے کہ "قدیم لاطینی متن" کے عنوان کے تحت وُہ تمام متن شامل ہیں جو ولگیٹ کے متن (جس کا ذکر ابھی

---

[۵] The old Latin version (or versions) [۶] Tertullian.

کیا جائے گا، کے مطابق نہیں ہیں۔ اس ترجمہ کے پچاس سے زیادہ نسخے موجود ہیں۔ ان میں سے ۲۰ نسخے اناجیل کے ہیں۔ سات نسخے اعمال کی کتاب کے ہیں۔ چھ نسخے مُقدس پولس کے خطوط کے ہیں اور باقی عام خطوں کے۔ اور مکاشفات کی کتاب کے پارے ہیں۔

یہ ترجمہ مغربی ممالک میں تقریباً اڑھائی سو سال تک رائج رہا۔ سپرین[1] اس ترجمہ کے اقتباسات اپنی تصنیفات میں کرتا ہے لیکن اس ترجمہ کی نقلیں کرنے والے کاتب عالم نہیں تھے لہٰذا ان کاتبوں نے مختلف نسخوں کے لکھتے وقت بہت غلطیاں کی ہیں۔ جب پوپ ڈیماسس[2] (از ۳۶۶ء تا ۳۸۴ء) نے یہ صورتِ حالات دیکھی تو اُس نے مُقدس جیروم سے کہا کہ معتبر ترین اور قدیم ترین یونانی نسخوں کو جمع کرکے اس قدیم لاطینی ترجمہ کی نظرثانی اور تصحیح کرے۔ پس مُقدس جیروم نے ایک نسخہ تیار کیا جو ولگیٹ[3] کہلاتا ہے۔ ۳۸۳ء میں جیروم نے اناجیلِ اربعہ کے لاطینی ترجمہ کی نظرثانی کی اور باقی کُتبِ عہدِ جدید کی اُس نے سرسری طور پر تصحیح اور نظرثانی کی۔ اُس نے ۳۸۶ء میں اناجیلِ اربعہ کا ترجمہ شائع کیا اور غالباً دو سال کے اندر انجیل مجموعہ کی باقیماندہ کتابوں کا ترجمہ شائع کر دیا۔ اس کے بعد اُس نے عبرانی کُتبِ مُقدسہ کا ترجمہ عبرانی زبان سے لاطینی میں کیا۔

مُقدس جیروم مغربی کلیسیا کا نہایت زبردست اور جید عالم تھا۔ وہ ہمیں بتلاتا ہے کہ

---

۱ Cyprian. ۲ Damasus

۳ Jerome's Vulgate i e. The Common Version.

اُس نے ترجمہ کرتے وقت صرف اعلیٰ ترین اور قدیم ترین نسخوں کو ہی پیشِ نظر رکھا تھا۔ یہ ترجمہ رفتہ رفتہ بڑا مقبولِ عام ہوگیا۔ حتیٰ کہ دورِ حاضرہ میں بھی رُومی کلیسیا کا مستند ترجمہ یہی ہے۔ مغربی ممالک میں جہاں کہیں رُومی کلیسیا ہے وہاں یہ ترجمہ پایا جاتا ہے۔ اس ترجمہ کا متن نسخۂ سیناٗ کے متن کے مُطابق ہے۔ اِس کے قدیم نسخے ہزاروں کی تعداد میں ملتے ہیں اور یورپ کے ممالک کے مُختلف کُتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔ اِس ترجمہ کے قدیم نسخوں کی تعداد اصل یُونانی نسخوں کی تعداد سے قریباً دُگنی ہے اور آٹھ ہزار سے زیادہ ہے۔

بائبل کے ترجموں میں سے ولگیٹ کے برابر غالباً کسی اور ترجمہ نے مغربی ممالک کی کلیسیاؤں کو متاثر نہیں کیا۔ گذشتہ ڈیڑھ ہزار سال سے اِس لاطینی ترجمہ کے ترجمے مغربی یورپ کی مُختلف زبانوں میں ہوتے چلے آتے ہیں۔ ہندوستان کی کلیسیا کے لئے نارووال کے مشہور مسیحی ڈاکٹر عُطارد مرحُوم نے پہلی دفعہ ولگیٹ کا ترجمہ اُردو میں کیا۔

ہمیں واثق یقین ہے کہ ناظرین کو اب پتہ لگ گیا ہوگا کہ تیسری صدی کے نصف تک انجیلِ جلیل کا ترجمہ یُونانی زبان سے سُریانی، لاطینی اور قبطی زبانوں میں ہوگیا اور اس کے بعد یُونانی اور سُریانی زبانیں بولنے والی کلیسیائیں تبلیغ و اشاعتِ انجیل کی خاطر دیگر ممالک کی زبانوں میں ترجمہ کرنے لگ گئیں۔ اور جُوں جُوں کلیسیائیں قائم ہوتی چلی گئیں دیگر زبانوں میں انجیل کے ترجمے بھی ہوتے چلے گئے۔

اب ناظرین پر ظاہر ہوگیا ہوگا کہ انجیل جلیل کے صحیح متن کو معلوم کرنے کے لئے

ہمارے پاس اس قدر زیادہ ذخیرہ موجود ہے۔ کل نسخے تیرہ ہزار سے زیادہ ہیں جو مختلف ممالک مشرقی و مغربی ہیں اور مختلف زمانوں میں مختلف ملکوں اور قوموں میں اور مختلف زبانوں میں مختلف اشیاء پر لکھے ہیں۔ ایران۔ عرب۔ شام۔ آرمینیہ۔ جارجیا۔ مصر۔ کنعان۔ فرانس۔ اٹالیہ اور افریقہ وغیرہ اکناف و اطرافِ عالم سے یہ تیرہ ہزار سے زیادہ معتبر گواہ آتے ہیں کسی کی عمر اٹھارہ سو سال کی ہے کسی کی ڈیڑھ ہزار سال کی ہے کسی کی سولہ سو سال کی ہے کسی کی اس سے زیادہ ہے اور کسی کی کم ہے۔ ان میں سے ہزاروں گواہ حضرت رسولِ عربی کی پیدائش سے صدیوں پیشتر کے ہیں۔ جو زیرِ زمین مدفون تھے۔ یہ گواہ اپنی اپنی قبروں سے نکل کر انجیل جلیل کے متن کی صحت پر گواہی دیتے ہیں۔

اگر معترضین کا دعوے کہ انجیل کی کتب محرف ہو گئی ہیں حق بجانب ہوتا تو یہ قدیم نسخے جو روم کے مقدس کلیمنٹ یعنی سن ۹۰ء سے لے کر حضرت رسولِ عربی کے بعد کے زمانہ (سن ۱۰۰۰ء) تک کے ہیں اس دعوے کے مصدق اور گواہ ہوتے کیونکہ یہ تو زیرِ زمین مدفون تھے اور ان کو کوئی شخص محرف نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن روئے زمین کی ہر قوم، ملت، ملک اور زبان کا ایک ایک گواہ اپنی اپنی بولی میں انجیل جلیل کی کتب مقدسہ کے صحیح متن پر گواہی دیتا ہے اور فنِ تنقید کے ماہروں نے ہر ایک گواہ کی شہادت کو قلمبند کر کے نہایت محنت و مشقت، صبر و استقلال، باریک بینی اور عرق ریزی سے اُس کی شہادت کی جانچ پڑتال کی ہے۔ اِس شہادت کو پرکھنے کے بعد ان واقفکار ماہروں نے فیصلہ دیا ہے کہ ان دو ہزار سالوں کے دوران میں انجیل جلیل کے متن کے ایک ہزار میں

حِصّہ میں اختلافاتِ قرأت وکتابت موجود ہیں لیکن اِس ہزار ویں حصہ میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس سے مسیحی تعلیم یا مسیحی عقائد پر کوئی اثر پڑ سکے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اِن کُتبِ مقدسہ کا اصلی اَور صحیح ترین متن اب ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔

باب ششم

ابتدائی مسیحی صدیوں کی تصنیفات کی شہادت

ہمارے پاس انجیلِ جلیل کے صحیح متن کو معلوم کرنے کے لئے نہ صرف پانچ ہزار کے قریب قلمی نسخے اصلی زبان یُونانی میں ہیں اَور نَو ہزار سے زیادہ قدیم قلمی نسخے مُختلف ممالک کی زبانوں کے ترجموں کے ہیں۔ بلکہ ان چودہ ہزار نسخوں کے علاوہ ہمارے پاس ابتدائی مسیحی صدیوں کے مُصنّفین کی تحریرات بھی موجود ہیں جو لاطینی۔ یُونانی۔ سُریانی اَور آرمینی وغیرہ زبانوں میں لکھی ہیں جن میں انجیلِ جلیل کے مقامات اَور آیات کو نقل کیا گیا ہے۔

ہر ظاہر ہے کہ ہر مسیحی مُصنّف جو اپنے عقیدہ کی اشاعت اَور دیگر عقائد کی تردید میں لکھتا ہے وُہ انجیلِ جلیل کے حوالے اپنی کتاب میں ضرور دیتا ہے۔ اِن ابتدائی مسیحی مصنفین کے شمار میں ہم نہ صرف راسخ الاعتقاد مسیحیوں کو ہی شامل کرتے ہیں بلکہ مُختلف بدعتی فرقوں کے مُصنفوں کو بھی شامل کرتے ہیں دونوں

اقسام کے مسیحی ایک دُوسرے کے عقائد کو از رُوئے انجیل باطل قرار دیتے تھے لہٰذا وُہ انجیل کُتب کا اقتباس اپنی تصنیفات میں بکثرت کرتے تھے۔

ابتدائی صدیوں کے مسیحی مصنفین نہ صرف مُشرکین اور کُفار کے عقائد کی تردید میں اور مسیحیت کے عقائد کی تائید اور صداقت میں انجیل جلیل کے حوالوں کا ذکر کرتے تھے بلکہ وُہ ایک دُوسرے کے عقائد کی صداقت اور تردید میں انجیل شریف پیش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ بشپ آرینیوس دُوسری صدی میں لکھتا ہے "ہماری انجیلیں ایسی مُسلّم اور مُستند کتابیں ہیں کہ بدعتی تعلیم دینے والے خود اُن کی سند کے گواہ ہیں کیونکہ وُہ اپنے اعتراضات کو انجیل آیات کی بُنیاد پر قائم کرتے ہیں۔" (Adv. Her. iii, ii, 7)

ان بدعتی اُستادوں میں سے دُوسری صدی کے پہلے نصف میں ویلینٹائی نس Valentinus. تمام اناجیل کا اور بالخصوص مُقدس یُوحنا کی انجیل کا استعمال کرتا ہے۔ ہیراکلیون نے انجیلِ یُوحنا کی تفسیر لکھی جس کے چند ٹکڑے ہمارے ہاتھوں میں موجود ہیں۔ بیسی لی ڈیز Basilides. نے ۱۱۷ء اور ۱۲۹ء کے درمیان اپنی غلط تعلیم کی بُنیاد اناجیل پر رکھی۔ اختصار کی خاطر ہم دُوسری صدی کے پہلے نصف کے صرف مذکورہ بالا تین بدعتی معلموں کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

ہم قدیم راسخ الاعتقاد مسیحی مصنفین کے انجیلی حوالوں اور اقتباسات کا مطالعہ کر کے معلُوم کر سکتے ہیں کہ آیا جو آیات اُس قدیم زمانہ میں انجیل میں پائی جاتی تھیں وُہ وہی ہیں جو دورِ حاضرہ میں پائی جاتی ہیں یا کہ نہیں اور یُوں ہم بے شمار

گواہوں کو انجیل شریف کے صحیح متن کو معلوم کرنے کے لئے طلب کر سکتے ہیں۔
حق تو یہ ہے کہ اِن ابتدائی صدیوں کے مسیحی مصنّفین اور آبائے کلیسیا نے اپنی تصنیفات میں انجیل کے اقتباسات اِس کثرت سے کئے ہیں کہ اگر خدانخواستہ انجیل جلیل کے تمام نُسخہ جات لاپتہ بھی ہو جائیں تو بھی اِن مصنّفوں کی کتابوں کے ذریعہ ہم انجیلی مجموعہ کی تمام کُتب کا متن معلوم کر سکتے ہیں۔

اِس سے پہلے کہ ہم ان گواہوں میں سے بعض کو طلب کریں چند ایک باتوں کا ذکر کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا، کیونکہ وُہ ان کی شہادت کی اصل حقیقت ہم پر واضح کر دیتی ہیں:۔

(۱) پہلی تین صدیوں میں قیاصرۂ رُوم مسیحیت کے جانی دُشمن تھے۔ پس اِن صدیوں کے بزرگانِ کلیسیا اپنی تصنیفات کو نہایت پریشان کُن حالات میں لکھا کرتے تھے۔ اُن کو نہ تو سکونِ خاطر نصیب ہوتا تھا اور نہ بیرونی حالات اُن کے مساعد تھے۔ اُن کے پاس کوئی کُتب خانے نہ تھے جن سے وُہ فائدہ اُٹھا سکتے اور نہ وُہ اس قدر مالدار تھے کہ کتابوں اور طوماروں کو خریدنے کی توفیق رکھتے۔ اُس زمانہ میں تو کتابوں کی تجارت بھی وسیع پیمانہ پر نہ ہوتی تھی۔

(۲) علاوہ ازیں پہلی تین صدیوں میں جیسا ذکر ہو چکا ہے، انجیل جلیل کی کُتب عموماً طوماروں پر لکھی جاتی تھیں اور اُن میں ابواب و آیات کی تقسیم موجود نہیں تھی۔ لہٰذا ہر مصنّف کو حوالہ نکالنے اور اُس کو دیکھنے اور پھر دیکھ کر نقل کرنے میں بہت دِقّت پیش آتی تھی۔ یہ ایسا ہی ہے جس طرح فی زمانہ اگر کسی کے پاس بائبل کی کنکارڈنس یا کلیدُ الکتاب موجود نہ ہو اور اُس کو آیت کے الفاظ یاد ہوں۔

لیکن یہ یاد نہ ہو کہ وُہ کس کتاب کے کس باب کی کونسی آیت ہے تو صحیح الفاظ کو نقل کرنے کے لئے اُس کو وُہ پُوری کتاب دیکھنی پڑتی ہے اور بہت وقت ضائع ہوتا ہے۔ لہٰذا وُہ وقت کو بچانے کی خاطر جس طرح آیت اُس کو یاد ہے وُہ حافظہ سے لکھ دیتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ آیت کے انجیلی الفاظ در حقیقت وُہی ہوں جو اُس کو یاد ہوں۔ مثلاً چند روز ہوئے میرے ایک دوست نے ایک مشہور آیت کو حافظہ سے یوں نقل کیا "جو کوئی اپنے آپ کو بچّے کی طرح چھوٹا بنائے گا وُہی خُدا کی بادشاہت میں بڑا ہوگا"۔ مَیں نے عرض کی کہ اِس آیت میں چار غلطیاں ہیں۔ اَور جب مُقدّس متّی کی انجیل کو کھولا تو میرا قول صحیح نکلا وہاں لکھا تھا "پس جو کوئی اپنے آپ کو اِس بچّے کی مانند چھوٹا بنائے گا، وُہی آسمان کی بادشاہت میں بڑا ہوگا"۔ (۱۸: ۴)۔ چُونکہ میرے دوست نے حافظہ سے نقل کیا تھا، وُہ آیۂ شریفہ میں چار غلطیاں کر گیا۔ یعنی پہلا لفظ "پس" اَور دوسرا لفظ "اِس" چھوڑ گیا اَور "مانند" کی جگہ "طرح" اَور "آسمان" کی جگہ "خُدا" لکھ گیا۔ یُوں وُہ اُنیس[19] الفاظ کی ایک آیت میں چار غلطیاں کر گیا۔ گو اِن غلطیوں سے آیت کے مفہوم میں کوئی فرق نہ پڑا۔

پس یہ ابتدائی مسیحی صدیوں کے مصنّفین بھی طُوماروں کے وجُود کی وجہ سے اَور ابواب و آیات کی تقسیم کی عدم موجودگی میں بعض اوقات اپنے حافظہ سے کام لیتے تھے۔ لہٰذا جہاں اُن کی تحریرات کے انجیلی الفاظ میں اَور انجیل جلیل کے موجُودہ متن میں فرق ہو ہم یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُن کی عبارتوں کے الفاظ صحیح ہیں اَور ہماری موجُودہ انجیل کے الفاظ غلط ہیں یا ہماری موجُودہ انجیل کا متن صحیح ہے اَور اِن

کی عبارت غلط ہے۔ ناظرین پر مخفی نہ رہے کہ یہ مصنف کتبِ مقدسہ کے زبردست حافظ تھے پس ایسے مقامات جن میں دونوں کی عبارتوں میں اختلاف ہے تعداد میں کثرت نہیں ہیں۔

(۳) ہمیں یہ امر بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ آبائے کلیسیا کی کتابیں بھی نقل ہوتی چلی آتی ہیں اور ان نقلوں میں اور بالخصوص مقدس کرسسٹم[1] کی تحریرات کی نقلوں میں سہوِ کاتب کی وجہ سے غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ پس اگر ان بزرگوں کی تصنیفات میں اور انجیلی متن میں اختلاف ہو تو اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ اختلاف سہوِ کاتب کی وجہ سے ہے۔

(۴) حاصل کلام ابتدائی مسیحی صدیوں کے بزرگان سلف کی کتابوں کے ذریعہ ہم انجیلی مجموعہ کتب کے متن کی جانچ پڑتال کر سکتے ہیں۔ مثلاً ہم یہ جان سکتے ہیں کہ مقدس کلیمنٹ۔ مقدس اتھاناسیس اور بشپ ہترل اسی متن کو استعمال کرتے تھے جو نسخہ ویٹی کن میں موجود ہے۔ ہم دیگر بزرگانِ کلیسیا کی کتابوں کے انجیلی اقتباسات کا اور انجیلی مجموعہ کا مقابلہ باب ہشتم میں کریں گے جس سے ناظرین پر واضح ہو جائیگا کہ ان بزرگانِ سلف کی کتابیں صحیح متن کی جانچ پڑتال میں کس قدر ممد و معاون ہیں۔

مشاہیر اساتذہ کی تصنیفات

اگر ہم ابتدائی صدیوں کے مسیحی مصنفین میں سے صرف مشاہیر اساتذہ کو ہی لیں اور صرف پہلی تین صدیوں تک ہی اپنی نظر کو محدود رکھیں تو ہمارے پاس پچاس سے زیادہ بزرگ مختلف ملکوں اور زمانوں کے مصنفین انجیل شریف کے متن کی صحت پر گواہی دینے کے لئے آجاتے ہیں۔ چونکہ ہم یہاں ان سب کا ذکر نہیں کر سکتے، لہٰذا ان پچاس سے زیادہ بزرگانِ دین کی تصانیف میں سے ہم صرف

1. Chrysostom

چند ایک کتب اور اشخاص کا ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں

(۱) "غیر یہود کے لئے دوازدہ رسولوں کی معرفت خداوند کی تعلیم"۔ اس کتاب کو عموماً اختصار کی خاطر "دوازدہ رسولوں کی تعلیم" بھی کہتے ہیں۔ یہ کتاب یروشلیم کی تباہی کے وقت ملک شام میں سنہ ۷۰ء کے قریب لکھی گئی تھی، اور اس قدر قدیم ہے کہ سکندریہ کا کلیمنٹ اس کو الہامی تصور کرتا تھا اور اس زمانہ میں تصنیف کی گئی جب کلمۃ اللہ کے بارہ رسولوں میں سے بعض زندہ تھے۔ یہ کتاب مقدس یوحنا کے مطالعہ میں آئی تھی[1]۔ اس کتاب کے ۲۳ مقامات میں کلمۃ اللہ کے کلمات طیبات درج ہیں جو چاروں انجیلوں سے لئے گئے ہیں۔ بالخصوص مقدس یوحنا کی انجیل سے بارہ مقامات اور اس کے چھٹے اور سترھویں باب سے حوالے اور الفاظ ہیں۔ اناجیل اربعہ کے اقتباسات کے علاوہ اس کتاب میں اعمال رسل رومیوں کا خط۔ کرنتھیوں کا پہلا خط۔ افسیوں کا خط۔ ططس کا خط۔ عبرانیوں کا خط ا۔ پطرس۔ تسلنیکی کے نام کے دونوں خط وغیرہ کے الفاظ اور اقتباسات پائے جاتے ہیں[2]۔

جب ہم اس بات کو مدنظر رکھتے ہیں کہ یہ کتاب اس زمانہ میں لکھی گئی تھی جب ابھی آنخداوند کے حواری زندہ تھے اور انجیل مجموعہ کی یہ کتابوں اور خطوط کو لکھے پندرہ بیس برس سے زیادہ نہیں گذرے تھے تو ہم پر اس کتاب کی شہادت کی اہمیت ظاہر ہو جاتی ہے اور یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ انجیلی مجموعہ کی کتاب میں نہ صرف کوئی

---

1. Teaching of the Twelve Apostles by Spence. (Excursus I. 2.)

2. Ibid. p. 105.

فتور واقع نہیں ہوا بلکہ ان کا متن وہی ہے جو آجکل ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ بالفاظ مرحوم عالم کینین .Kenyon انجیل مجموعہ کے متن کی صحت کی نسبت شک وشبہ کا اب امکان بھی جاتا رہا ہے کیونکہ متن کی حفاظت اب پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے[1]۔

(۲) "برنباس کا خط" یروشلیم کی تباہی کے بعد غالباً سکندریہ میں ۷۰ء میں لکھا گیا۔ مذکورہ بالا کتاب کی طرح یہ خط بھی کُنجی مالبین کی وفات کے صرف چالیس سال بعد کا ہے۔ بعض عُلماء کا خیال ہے کہ اس کا مُصنّف وُہی برنباس ہے جس کا ذکر اعمال کی کتاب میں کیا گیا ہے۔ بہرحال یہ خط ایسا قدیم ہے کہ نسخۂ سینا میں یہ خط دیگر انجیلی خطوط کے ساتھ ایک ہی جلد میں مجلّد ہے جس سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ اس خط کو کس احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس خط میں خُداوند مسیح کے متعدد وزنی اقوال پائے جاتے ہیں۔

(۳) کلیمنٹ کا خط۔ اس بزرگ کا ذکر مُقدّس پولُس رسُول نے فلپیوں کے خط (۴: ۳) میں کیا ہے۔ یہ بزرگ رُوم کے بشپ ہُوئے ہیں۔ یہ خط ۹۰ء کا ہے یعنی خُداوند مسیح کی وفات کے ساٹھ سال بعد کا ہے۔ اس کے متعلق بشپ آئرینیوس کہتا ہے "یہ خط کلیمنٹ نے لکھا تھا جس نے مُبارک رسُولوں کو دیکھا تھا اور اُن کی صُحبت سے فیض یاب ہُوا تھا۔ اُس کے کانوں میں رسُولوں کی آواز گونجتی تھی اور اُس کی آنکھوں کے سامنے کلیسیائی دستُورات اور روایات مرتب ہُوتے تھے۔"

بشپ کلیمنٹ نے یہ خط کرنتھیوں کی کلیسیا کی جانب لکھا تھا چنانچہ کرنتھس کا

---

[1] The Bible and Archaeology (1940) pp. 288 ff.

بشپ ڈایونی سیئس Dionysius. سنہ ۱۷۰ء میں کہتا ہے کہ "قدیم زمانہ سے اس خط کو گرجا میں پڑھنے کا دستور چلا آیا ہے" اس خط میں خداوند مسیح کے متعدد کلمات طیبات پائے جاتے ہیں۔

(۴) کتاب "ہرمس کا چرواہا" یہ کتاب بھی سنہ ۹۰ء کے قریب لکھی گئی تھی۔ اوریجن جیسے زبردست عالم اور مفسر کا خیال ہے کہ یہ ہرمس وہی ہے جس کا ذکر مقدس پولس نے رومیوں کے خط (۱۶: ۱۴) میں کیا ہے۔

اس کتاب میں بھی متی و یوحنا کے متعدد کلمات پائے جاتے ہیں۔ یہ کتاب اپنی قدامت کی وجہ سے ایسی قدر اور منزلت سے دیکھی جاتی تھی کہ وہ نسخہ سینا کے آخر میں لکھی ہوئی ہے۔

(۵) مقدس اگنیشیس Ignatius.[1] اس بزرگ کو مقدس یوحنا رسول نے خداوند مسیح کی وفات کے قریباً چالیس سال بعد انطاکیہ کا بشپ مقرر کیا تھا۔ اس نے یہ خط سنہ ۱۱۵ء میں روم کی جانب سفر کے دوران میں تاج شہادت حاصل کرنے سے پہلے مختلف مسیحی کلیسیاؤں کو لکھے تھے۔ ان خطوط میں انجیل متی۔ انجیل یوحنا۔ رومیوں کے خط۔ کرنتھیوں کے دونوں خطوط۔ گلتیوں کے خط۔ افسیوں کے خط۔ فلپیوں کے خط۔ ۱، ۲ تیمتھیس اور طیطس کے خطوط کے اقتباسات موجود ہیں۔ ان اقتباسات کے علاوہ خطوط میں مرقس اور لوقا کی اناجیل۔ اعمال رسل ۲ تھسلنیکی۔ فلیمون۔ عبرانیوں کے خط اور پطرس کے پہلے خط کے الفاظ اور ان حصوں کی جانب اشارے پائے جاتے ہیں۔

---

1. Bishop Lightfoot, Apostolic Fathers P. 294

(۶) پولی کارپ شہید:- یہ بزرگ مقدس یوحنا رسول کے شاگرد تھے۔ ان کی بابت بشپ آئرینوس لکھتا ہے۔ "میں اس جگہ کو گویا اب بھی دیکھ سکتا ہوں جہاں مبارک پولی کارپ بیٹھ کر تعلیم دیا کرتے تھے۔ میں ان کی نشست و برخاست اور اطوار و عادات سے بخوبی واقف تھا۔ آپ اکثر ان مکالمات کا ذکر فرمایا کرتے تھے جو آپ نے مقدس یوحنا رسول اور دیگر [illegible] سے سنے تھے جنہوں نے خداوند مسیح کے رو در رو دیکھنے کا شرف پایا تھا۔ یہ مکالمات بعینہٖ اناجیل کے بیانات کے مطابق تھے۔"

مقدس پولی کارپ مقدس اگنیشیس کا ہم عصر تھا اگرچہ عمر میں اس سے چھوٹا تھا۔ اس نے بھی تاجِ شہادت حاصل کرنے سے پہلے ۱۲۰ء میں ایک خط فلپیوں کی کلیسیا کو لکھا جس میں وہ پہلی تین انجیلوں سے اقتباس کرتا ہے۔ ان اقتباسات کے علاوہ اس کے خط میں اعمال الرسل۔ رومیوں۔ ۱، ۲ کرنتھیوں۔ گلتی۔ افسی۔ فلپی ۲ تھسلنیکی۔ ۱، ۲ تمتھیس۔ عبرانیوں، ۱ پطرس اور یوحنا کے پہلے خط کے الفاظ اور حوالے پائے جاتے ہیں۔

رسولی زمانہ کے آبائے کلیسیا کی تصنیفات میں انجیلی مجموعہ کے اقتباسات بکثرت پائے جاتے ہیں۔ یہاں ہم ناظرین کی توجہ کتاب "نیو ٹیسٹامنٹ اِن دی اپاسٹالک فادرس" کی جانب مبذول کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا بزرگانِ کلیسیا پہلی صدی اور دوسری صدی کے پہلے نصف یعنی سنہ [illegible] عیسوی سے ۱۲۵ء عیسوی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی تحریرات میں بارہا اناجیل اربعہ اور خداوند مسیح کے کلماتِ طیبات کے اقتباسات کئے گئے ہیں۔ یہ تحریرات ہم کو

بارہ رسولوں کے زمانہ تک پہنچا دیتی ہیں۔ ان میں نہ صرف خداوند کے کلمات اور رسالوں کا ذکر ہے ۔ بلکہ مقدس پولس رسول کے خطوط میں سے یہ بزرگ رومیوں کے خط کرنتھیوں کے دونوں خطوط ۔ گلتیوں ۔ افسیوں ۔ فلیمون ۔ کلسیوں کے خطوط ، دونوں تسلنیکیوں کے خطوط ۔ تیمتھیس کے دونوں خطوط اور طیطس کے خط کے اقتباسات پیش کرتے ہیں ۔ ان تحریرات میں عبرانیوں کے خط اور پطرس رسول کے دونوں خطوط کے اقتباس بھی پائے جاتے ہیں ۔ اور یہ اقتباسات تعداد میں ساڑھے چھ سو (۶۵۰) سے زائد ہیں[1]

(۷) جسٹن شہید ۔ ایک مسیحی فلاسفر تھا ۔ اُس نے ۱۳۹ء اور ۱۶۰ء کے درمیان غیر مسیحیوں کے اعتراضات کے جواب لکھے جو وہ انجیل پر کرتے تھے ۔ اس کی کتابوں میں انجیل کی آیات بکثرت موجود ہیں ۔ یہ کتابیں اب ہمارے ہاتھوں میں موجود ہیں ۔ ان کتابوں کا متن پرانے سریانی اور قدیم لاطینی ترجموں کے مطابق ہے

(۸) مارشیون[2] ۔ اہل بدعت کا سربرآوردہ لیڈر تھا ۔ اُس نے ۱۵۰ء میں ایک انجیل کا نسخہ تیار کیا جو انجیل سوم اور مقدس پولس کے خطوط پر مشتمل تھا ۔ اس بدعتی مصنف کے جواب میں اپی فے نیس[3] اور ٹرٹولین نے کتابیں لکھیں ۔ اس کی تحریرات کا متن بھی پرانے سریانی ترجمہ اور قدیم لاطینی ترجمہ کے ساتھ متفق ہے ۔

(۹) ٹیشین[4] ۔ اس قابل مصنف نے ۱۷۰ء میں اپنی کتاب ڈیا ٹیسرون تالیف کی جس میں اُس نے اناجیل اربعہ کے بیان کو انجیل الفاظ میں ترتیب دیا تھا ۔ اس کا ذکر تراجم کے ماتحت ہو چکا ہے ۔

[1] New Testament in the Apostalic Fathers. [2] Marcian.
[3] Epiphanius. [4] Tatian.

(۱۰) **آئرنیوس**[1] - (از ۱۱۵ء تا ۲۰۲ء) اِس اُسقف نے اپنی کُتب کو ۱۸۱ء اَور ۱۸۹ء کے درمیان یُونانی زبان میں لکھا - اُس کی عینِ حیات میں ان کُتب کا لاطینی میں ترجمہ ہوگیا - اس کی کُتب میں عہدِجدید کی کُتب کا بکثرت اقتباس کیا گیا ہے جن کا متن بھی قدیم سُریانی اَور قدیم لاطینی ترجمہ کے مُطابق ہے -

۱۹۳۵ء میں برطانیہ کے عجائب گھر نے ایک قدیم نُسخہ کے پارہ کو شائع کیا جس میں انجیل کی تفسیر ہے - یہ پارہ تیسری صدی کے اوائل کا ہے اگرچہ تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق دُوسری صدی سے ہے - یہ تفسیر یا تو بشپ آئرنیوس نے لکھی ہے اَور یا انطاکیہ کے بشپ تھیوفلس کے قلم سے ہے - اِس پارہ میں ۱۴۲ سطریں ہیں اَور ان میں نَو اقتباس موجُود ہیں -

(۱۱) **سکندریہ کا کلیمنٹ**[2] - (از ۱۵۰ء تا ۲۲۰ء) اس نے یُونان، اٹلی اَور مشرق میں فلسفہ کی تعلیم پائی تھی - وُہ مسیحی ہوکر ۱۹۰ء میں سکندریہ کے مدرسہ الہیات کا پرنسپل ہوگیا - اِس زمانہ میں اُس نے اپنی کُتب تحریر کیں - وُہ اپنی کُتب میں یہودیوں، مُشرکوں اَور مسیحیوں کی کتابوں کا کثرت سے اقتباس کرتا ہے - چُونکہ سکندریہ علم وفضل کا دارالعلوم تھا اَور مسیحی کُتبِ مُستند وہاں پڑھائی جاتی تھیں لہٰذا اِس مُصنّف کی کُتب کا خاص طور پر مُطالعہ کیا گیا ہے - ان کُتب کے انجیلی اقتباسات کا متن بھی پُرانے سُریانی اَور قدیم لاطینی ترجموں سے متفق ہے -

(۱۲) **قدیم مُصنّفین میں سے اوریجن**[3] - (از ۱۸۵ء تا ۲۵۴ء) سے زبردست قابل اَور نامور کوئی شخص نہیں گزرا - وُہ بالخصوص انجیلی متن کا مُسلّم الثبوت اُستاد نقاد تھی

---

[1] Irenaeus. [2] Clement of Alexandria. [3] Origen.

وُہ اٹھارہ سال کا نہیں ہُوا تھا کہ سکندریہ کے مدرسہ الہیات کا کلیمنٹ کی جگہ پرنسپل بنایا گیا۔ ۲۳۱ء تک وُہ اِس مدرسہ میں پڑھاتا رہا۔ اس کے بعد جب وُہ سکندریہ سے قیصریہ کو چلا گیا تو وہاں اُس نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ وُہ ایک نہایت زبردست مُصنّف تھا جس نے میدانِ مناظرہ میں منکرینِ مسیحیّت بالخصُوص سیلسس (Celsus) جیسے مخالف کے مُنہ توڑ جواب لکھے ہیں۔

اوریجن ایک نہایت فاضل شخص تھا۔ اُس کے علم وفضل کا ذکر ہم حِصّہ اوّل کے باب ششم میں کر آئے ہیں۔ اُس نے عہدِجدید کی کُتب پر تفاسیر لکھی ہیں، جن کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عہدِجدید کی کُتب کے بیسیوں نُسخے اُس کی نظر سے گذر چکے تھے اور اُس نے مختلف قرأتوں کی جانچ پڑتال نہایت عرقریزی سے کی تھی۔ جب ہم اِس بات کا لحاظ کرتے ہیں کہ اُس کا زمانہ دُوسری صدی کا ہے اور اُس نے نہایت قدیم نُسخوں کا مطالعہ کیا تھا تو اِس عالِم کی شہادت کی اہمیّت ہم پر عیاں ہو جاتی ہے۔ وُہ اپنی تفاسیر میں عموماً بتاتا ہے کہ فلاں قرأت "بہت نُسخوں میں" ملتی ہے۔ فلاں قرأت "قدیم ترین نُسخوں میں" ملتی ہے اور فلاں قرأت "بہترین نُسخوں میں" ملتی ہے۔ اُس کی کتابیں الہیات کے مدرسہ کے نصاب میں شامل تھیں۔

(۱۳) ٹرٹولین۔ کارتھیج کی کلیسیا کا زبردست عالِم تھا۔ (از ۱۵۰ء تا ۲۲۰ء) یہ شخص پہلے وکالت کا کام کرتا تھا جب وُہ مسیحی ہُوا تو بڑا زبردست مُصنّف ثابت ہوا۔ ۲۰۲ء میں وُہ ایک بدعتی فرقہ کا پیرو ہو گیا۔ پس وُہ راسخ الاعتقاد اور بدعتی کلیسیاؤں کا شریک رہ چکا تھا۔ اُس کی کُتب میں کُتبِ مُقدسہ کے اقتباسات کثرت سے پائے

جاتے ہیں۔

(۱۴) ہپولیطس[1]۔ (از ۱۷۵ء تا ۲۵۰ء) یہ مصنف اوریجن کی طرح کثرت سے کتابیں تصنیف کیا کرتا تھا۔ وہ رومی کلیسیا میں اپنے زمانہ کا بہترین عالم دینیات تھا۔ اُس نے عہدِ عتیق اور عہدِ جدید کی مختلف کُتب پر تفسیریں لکھی ہیں اور ان میں عہدِ جدید کے بے شمار حوالے دیئے ہیں۔

(۱۵) قیصریہ کا یوسی بیئس[2]۔ (از ۲۷۰ء تا ۳۴۰ء) قدیم کلیسیا کا مشہور مؤرخ گذرا ہے۔ اِس کے پاس نہایت اعلےٰ کُتب خانہ تھا جس کا وُہ کثرت سے استعمال کرتا تھا۔ اُس میں بہترین نسخے موجود تھے۔ اور وُہ اپنی تفاسیر میں عہدِ جدید کی مختلف قراتوں کا ذکر کرتا ہے۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ ہم اُوپر بتلا چکے ہیں کہ پہلے مسیحی شاہنشاہ کانسٹن ٹائن نے اِسی نامور عالم اور فاضل مصنف کو حکم دیا تھا کہ وُہ اُس کے نئے دارالسلطنت قسطنطنیہ کے لئے کتابِ مُقدّس کی پچاس جلدیں تیار کرے۔ یہ جلدیں اُس نے بہترین اور صحیح ترین نسخوں سے نفیس چرمی قرطاس پر نہایت ہوشیار اور خوشخط کاتبوں سے نقل کروائی تھیں۔

ناظرین کی واقفیت کے لئے ہم نے اِن ابتدائی مسیحی صدیوں کے یُونانی مُصنّفین میں سے صرف چند ایک کا مختصر ذکر بطور مُشتے نمونہ از خروارے کیا ہے۔ ہم نے اِن ابتدائی صدیوں کے دیگر سر برآوردہ مسیحی مُصنّفوں مثلاً مُقدّس کرسسٹم[3]۔ مُقدّس فوطیس[4] اور لاطینی مُصنّفوں مثلاً سپرین[5]۔ کیگلیاری کے لُوسیفر[6]۔ اور نوویشین[7] وغیرہ کا اور شامی مُصنّفوں مثلاً مُقدّس افرائیم[8] اور افراہات[9] وغیرہ جیسی مقتدر ہستیوں کا

1. Hippolytus. 2 Eusebius of Caesarea. ۳ Chrysostom, ۴ Photius, ۵ Cyprian, ۶ Lucifer of Cagliari, ۷ Novation, ۸ Ephraem, ۹ Aphrahat.

بخوفِ طوالت ذکر نہیں کیا۔ حق تو یہ ہے کہ اگر رُوئے زمین پر سے آج یونانی انجیل کی تمام کاپیاں مفقود بھی ہو جائیں تو بھی ہم ان ابتدائی صدیوں کے مسیحی مصنفین کے اقتباسات کو ترتیب دے کر انجیلِ جلیل کی تمام کُتب کے متن کو وصل کر سکتے ہیں۔

نقشۂ اقتباسات

ہم ذیل میں ایک نقشہ دیتے ہیں جس پر نظر کرنے سے ان قدیم بزرگوں کی شہادت کی اہمیت ہم پر کُھل جائے گی۔ اس نقشہ میں ہم صرف دوسری اور تیسری صدی کے فقط سات بزرگوں کی کُتب کے اقتباسات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔ ناظرین خود خیال کر سکتے ہیں کہ اگر ہم اس زمانہ پر صرف پہلی چار صدیوں کے چند سربرآوردہ مشاہیر اساتذہ کا ہی کلام لیں تو انجیل متن کی صحت کے حق میں اُن کی شہادت کیسی عالیشان اور زبردست ہو گی۔

نام مُصنف	اناجیل اربعہ	اعمال	خطوطِ عام	خطوطِ پولس	مکاشفہ	میزان کُل
جسٹن شہید	۲۶۸	۱۰	۶	۴۳	۳	۳۳۰
اُرینیوس	۱۰۳۸	۱۹۴	۲۳	۴۹۹	۶۵	۱۸۱۹
سکندریہ کا کلیمنٹ	۱۰۱۷	۴۴	۲۰۷	۱۱۲۷	۱۱	۲۴۰۶
اوریجن	۹۲۳۱	۳۴۹	۳۹۹	۷۷۷۸	۱۶۵	۱۷۹۲۲
طرطولین	۳۸۲۲	۵۰۲	۱۲۰	۲۶۰۹	۲۰۵	۷۲۵۸
ہپولیٹس	۷۳۴	۴۲	۲۷	۳۸۷	۱۸۸	۱۳۷۸
یُوسی بیس	۳۲۵۸	۲۱۱	۸۸	۱۵۹۲	۲۷	۵۱۷۶
میزان کُل	۱۹۳۶۸	۱۳۵۲	۸۷۰	۱۴۰۳۵	۶۶۴	۳۶۲۸۹

اب ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اگر دوسری اور تیسری صدیوں میں سے صرف سات اشخاص کی کتب میں چھتیس ہزار دو نواسی اقتباسات موجود ہیں تو باقی پچاسوں مشاہیر اساتذہ کی کتب میں کتنے لاکھ اقتباسات موجود ہوں گے اور اگر ہم صرف پہلی چار صدیوں کے تمام مصنفین کی کتابوں کی کھوج لگائیں تو یہ اقتباسات کروڑوں کے شمار سے بھی بڑھ جائیں گے۔ یہ کروڑوں اقتباسات انجیل جلیل کے متن کی صحت کے گواہ ہیں، جو تیرہ ہزار یونانی قلمی نسخوں اور دیگر زبانوں کے ترجموں کے ہزاروں نسخوں کے علاوہ ہیں اور مشرق و مغرب کی کلیسیاؤں کے مصنفین کی کتابوں میں موجود ہیں۔ کیا ان کروڑوں گواہوں کی موجودگی میں کوئی سنجیدہ انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ موجودہ انجیل محرف ہے اور پایۂ اعتبار سے ساقط ہے؟ یہ تمام گواہ یک زبان موجودہ انجیل کے متن کی اصلیت اور لفظی صحت کے شاہد ہیں۔ اس پر بھی؛

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ؟

باب ہفتم

موازنۂ صحت انجیل و قرآن

معروضی نقطۂ نگاہ

ہم اس کتاب کے دیباچہ میں لکھ آئے ہیں کہ انشاءاللہ ہم معروضی نقطۂ نگاہ کو ہمیشہ مدنظر رکھیں گے اور

صرف اصولِ علمِ تنقید سے مدد لے کر بائبل مقدس اور قرآن مجید کی صحت کے شواہد کی شہادتوں کی دیانت داری اور انصاف سے پرکھیں گے اور اپنے خصوصی اعتقادات کو اس کام میں مطلق دخل انداز ہونے نہ دیں گے۔ کچھ حد تک یہ صحیح ہے کہ کوئی مصنف بالکل خالی الذہن ہو کر کتاب کو تصنیف نہیں کر سکتا۔ لیکن ہم نے شعوری طور پر اس کتاب کی تالیف میں جہاں تک ممکن ہو سکا اپنے خصوصی معتقدات کو دخل انداز ہونے نہیں دیا اور ہر قسم کے مذہبی تعصبات کو بالائے طاق رکھ کر صرف حق کی تلاش ہی کی ہے۔

یہ کتاب مناظرانہ رنگ میں نہیں لکھی گئی بلکہ اس کا اصلی مقصد ایک علمی مذہبی اور ادبی ضرورت کو پورا کرنا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ ہمارے ناظرین اس کتاب کو ایک مسیحی پادری کی تصنیف خیال کر کے مناظرانہ انداز اختیار نہ کریں اور ان کا ردِ عمل مخالفانہ نہ ہو کیونکہ اس کتاب میں ہمارا روئے سخن ایسے تمام مسلم اہلِ اصحاب سے ہے جو تحقیقِ حق کی منزلِ مقصود میں سرگرداں ہیں اور بائبل و قرآن کی صحت کے متعلق حق بات کو جاننا اور اس کو تسلیم کرنا چاہتے ہیں خواہ یہ حق ان کے ان خیالات کے موافق یا غیر موافق ہو جس میں ان کے دماغوں نے بچپن سے پرورش اور تربیت پائی ہو۔

ہم نے ابواب ہذا میں ایسے اصحاب کے سامنے وہ نتائج پیش کئے ہیں جن پر دورِ حاضرہ کے علماء اور نقاد بعد از بحث و تمحیص پہنچے ہیں اور جو تمام نقادوں کے نزدیک مسلم ہیں۔ ان نتائج کے پیش کرنے میں ہم نے حد درجہ احتیاط برتی ہے کہ مناظرہ اور مکابرہ سے کنارہ کشی کی جائے۔ ہم نے بالخصوص اس امر کو مدنظر رکھا ہے کہ حتی الوسع کوئی ایسا لفظ قلم سے نہ نکلے جس سے برادرانِ اسلام کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگے۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر ہم نے اصولِ علمِ روایت و تنقید کا اطلاق

الکتاب اور قرآن دونو پر بے لاگ یکساں طور پر کیا ہے اور دیانتداری سے گزیدہ کتابِ مقدس کو تاریخی اور تنقیدی نگاہوں سے دیکھ کر علما کے مسلم نتائج کو ناظرین کے سامنے پیش کر دیا ہے تاکہ وہ خود فیصلہ کر سکیں کہ فریقین کا نظریہ کہاں تک حق بجانب ہے۔

اِس باب میں ہم اُنہی اصولِ درایت اور علمِ تنقید اور تاریخ کی رُو سے قرآنِ مجید کی صحت کا صرف مختصر طور پر موازنہ کریں گے۔ کیونکہ یہ اصول عام ہیں جو کسی کتاب کی اخواہ وہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی) جانبداری نہیں کرتے اور مذہبی کتب (خواہ وہ پُران ہوں یا وید، ژند اوستا ہو یا بھگوت گیتا۔ قرآن ہو یا بائبل) سب کو ایک ہی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کو جانچتے اور پرکھتے ہیں۔

حق تو یہ ہے کہ یہی طریقۂ درایت انجیل و قرآن دونوں کو مسلم ہی ہے۔ دونوں کتابیں حکم دیتی ہیں کہ اِس طریقہ کو استعمال کیا جائے۔ چنانچہ انجیل میں آیا ہے "سب باتوں کو پرکھو اور بہتر کو اختیار کرو" (۱۔تھسلنیکیوں ۵: ۲۱)۔ قرآن مجید میں بھی وارد ہوا ہے وزنوا بالقسطاس المستقیم یعنی سیدھی ترازو میں تولو کیونکہ یہ بہتر ہے اور اس کا انجام بھی بہت عمدہ ہے (سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۰)۔ پس کسی مومن مسلمان کو اس کارِ خیر سے گریز نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اصولِ تنقید کے مطابق قرآنِ مجید کا موازنہ کرے اور کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ وہ کسی ایسے شخص کی نیت پر شبہ کرے جو قرآنی ارشاد کے مطابق قرآن مجید کی صحت کا معروضی نقطۂ نظر سے موازنہ کرتا ہے۔

یہ کام درحقیقت موجودہ زمانہ کے علمائے اسلام کا ہے جن کے اذہان دور

حاضرہ کے علوم کی روشنی سے منور ہو چکے ہیں۔ ہم نے خلوص نیت سے محض تاریخی لحاظ سے ایک مختصر باب لکھ کر صرف نشان دہی کا کام دیا ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ اسلامی علماء خود اس عظیم کام کو سرانجام دینے کا بیڑا اُٹھائیں گے اور اصولِ تنقید کی روشنی میں قرآنِ مجید کی صحت پر ایک سیر حاصل نظر کریں گے جس طرح ہم نے کتابِ مقدس پر نظر کی ہے۔ ہم نے اس باب میں اصولِ درایت کی روشنی میں قرآن مجید کی نسبت جو کچھ صحیح سمجھا ہے وہ بے کم و کاست پُرمحبت پیرایہ میں لکھ دیا ہے۔ خدا کرے کہ ان سطور کو پڑھ کر علمائے اسلام کے دلوں میں اس معاملہ کو خود تلاش کرنے کی خواہش اور تڑپ پیدا ہو اور وہ بھی معروضی نقطۂ نگاہ سے اصولِ تنقید کے مطابق قرآن مجید کی اصلیت، سالمیت اور صحت پر بے لاگ مفصل بحث کریں ؎

من آنچہ شرطِ بلاغ است با تو میگویم
تو از سخنم خواہ پند گیر و خواہ ملال

گذشتہ ابواب میں ہم نے تصحیفِ کاتبین کی حقیقت پر غور کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ سہوِ کتابت سے انجیل جلیل کے متن میں کسی قسم کا فتور پیدا نہیں ہوا۔ اور کہ موجودہ انجیل کے الفاظ وہی ہیں جو اس کے الہامی مصنفین نے اپنے مبارک ہاتھوں سے لکھے تھے۔ گذشتہ دو ہزار سال کے ہزاروں نسخہ جات جو مختلف زبانوں ملکوں اور زمانوں کے ہیں اس نتیجہ کے مصدق ہیں۔ انجیل کے قدیم اور بیشمار ترجمے جو دو ہزار سال سے اقوامِ عالم کے ہاتھوں میں ہیں انجیل کی صحت کے گواہ ہیں۔ علاوہ ازیں مختلف ممالک اور ازمنہ کے راسخ الاعتقاد اور بدعتی مسیحی مصنفین کے کروڑوں اقتباسات انجیلِ جلیل کے الفاظ کی صحت پر بانگِ دہل شہادت

دے رہے ہیں۔ جس کے کان سننے کے ہوں وہ سن لے "۔

قرآن نبوی اور دیگر مصاحف

جہاں انجیل جلیل کی صحت پر ایسے زبردست شواہد موجود ہیں جن کی الگ الگ اور منفقہ شہادت سے کسی صحیح العقل شخص کو انکار کرنے کی مجال نہیں ہو سکتی وہاں اہلِ اسلام کی کتاب قرآن شریف کی تاریخ ہم کو یاد دلاتی ہے کہ قرآن نبوی کے اصلی الفاظ کو معلوم کرنا اب انسانی قدرت سے باہر ہے۔ ہاں اگر حضرت عثمان احراقِ قرآن کا حکم نہ دیتے اور آج ممالکِ اسلامیہ میں حضرت سالم کے مصحف۔ حضرت ابوبکر کے مصحف۔ حضرت انس بن مالک کے مصحف۔ حضرت ابوموسیٰ الاشعری کے مصحف۔ حضرت ابن عباس کے مصحف۔ حضرت عمر کے مصحف۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے مصحف۔ حضرت اُبیّ ابن کعب کے مصحف۔ حضرت علی کے مصحف اور دیگر دیار و امصار کے اصحاب کے مصاحف کے نسخوں کی نقلیں ہمارے ہاتھوں میں ہوتیں تو ان نسخوں کے مقابلہ سے قرآنِ نبوی کے اصل الفاظ کا پتہ چل سکتا تھا۔ ہم اس جگہ ناظرین کو قرآن شریف کی جمع و ترتیب کی مفصّل کہانی بتانا نہیں چاہتے۔ جن اصحاب کو اس کے بارے میں تحقیق کرنی منظور ہو وہ اسلامی تاریخ کی ورق گردانی کر سکتا ہے۔ لیکن اگر مذکورہ بالا مصاحف کے نسخے اور حضرت ابنِ عمر۔ حضرت ابن الزبیر اور صحابۂ رسول کے روایہ فی حروف اور دیگر مصاحف (جن کا ذکر ابنِ ابی داؤد کی کتاب، دیگر مصاحف اور دیگر قدیم اسلامی کتب میں کہیں کہیں آیا ہے، ہمارے پاس موجود ہوتے تو بہت سے متعے جواب طلب ہیں حل ہو جاتے۔ مثلاً سبعۃ احرف کے اختلافات کی نوعیت کا ہمیں پتہ لگ

جانا۔ قرأت کے اختلافات کو جانچ کر صحیح قرأت کا علم ہو سکتا تھا۔ ما بین الدفتین کے مسئلہ پر روشنی پڑتی۔ الہامی اور غیر الہامی عبارت میں تمیز کی جا سکتی۔ جو اصل قرآن میں نہیں تھا وہ خارج کیا جا سکتا اور جو اصل قرآن تھا (لیکن جس نے مصحفِ عثمانی میں دخل نہ پایا) قرآن میں پھر درج ہو سکتا تھا۔ یعنی جہاں تک ممکن تھا اصل عبارتِ قرآنِ نبوی کا پتہ چل سکتا تھا۔ لیکن خلیفہ عثمان کے فعل اور ناطق حکم نے سوائے صحیفہ عثمانی کے تمام دیگر مصحف کو آگ کی نذر کر دیا اور اب اصل قرآنِ نبوی کے الفاظ و آیات اور سورتوں کا پتہ لگانا، ناممکنات میں سے ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جہاں انجیل جلیل کی اصلی عبارت کو معلوم کرنے کے لئے ہمارے پاس ہزاروں نسخوں کا ایک بڑا ذخیرہ ہے وہاں قرآنِ نبوی کی اصلی اور مکمل عبارت کو معلوم کرنے کے ذرائع مفقود ہیں۔

(۲)

حق تو یہ ہے کہ اگر مذکورہ بالا مصاحف کے نسخوں کی نقلیں آج اس دنیا میں موجود بھی ہوتیں تو بھی ان کا مقابلہ کر کے ایک جامع قرآن مرتب نہ ہو سکتا۔ ایسے قرآن کی نسبت ہم وثوق کے ساتھ یہ کبھی نہ کہہ سکتے کہ یہ جامع اور مانع قرآن ہے اور تمام آیات جو رسولِ عربی پر نازل ہوئیں اس میں موجود ہیں اور اس میں کوئی آیت ایسی نہیں جو ان پر نہ اتری ہو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ نبوی کا ہمارے ہاتھوں میں ہونا قطعی ناممکن امر ہے۔ کیونکہ آنحضرت کی جیتے جی حیات میں کوئی قرآن جمع نہیں تھا۔ اس حقیقت پر قرآن خود شاہد ہے چنانچہ لکھا ہے "ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضیٰ الیک وحیہ" اے محمد قرآن

د کے جمع کرنے میں) قبل اس کے کہ تجھ پر اس کی وحی پوری ہو جائے جلدی مت کر (طٰہٰ آیت ۱۰۳)۔ پھر لکھا ہے کہ قرآن کا جمع کرنا اور اس کی صحیح تاویل کرنا خدا کا ذمہ ہے " ان علینا جمعہ وقرانہ - ثم ان علینا بیانہ" یعنی قرآن کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارا ذمہ ہے اور اس کی تاویل کرنا بھی ہمارا ہی کام ہے (قیامہ ۱۷ و ۱۸)۔ پس رسولِ عربی کی زندگی میں قرآن جمع نہیں کیا گیا تھا۔ چنانچہ جب آپ کی وفات کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو قرآن جمع کرنے کا مشورہ دیا تو اُنہوں نے جواب دیا "تم کیونکر وہ کام کرنا چاہتے ہو جس کو خود رسول اللہ نے نہیں کیا۔"

مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کو بھی اقبال ہے کہ "جو تحریریں انحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رُو برُو لکھوائی تھیں، وُہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی میں سب کی سب ایک جگہ جمع نہ کی گئی تھیں اور نہ ہی ان کو کوئی ترتیب دی گئی تھی اور مہبط وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ان تحریروں کی جمع اور ترتیب بھی نہ ہو سکتی تھی۔ کیونکہ حافظ قرآن کے لئے تو یہ ایک آسان امر تھا کہ جب کوئی نئی آیت نازل ہوتی اور اُن کو بتا دیا جاتا کہ اس کو فلاں سورۃ میں فلاں آیت کے بعد پڑھو تو وُہ آسانی سے یہ کر سکتے تھے۔ مگر ایک مکمل جلد میں بعد ایسی آیتیں داخل نہیں ہو سکتی تھیں۔" (جمع قرآن صفحہ ۶۵)

جب جمع قرآن کا کام زید بن ثابت کے سپرد کیا گیا تو وُہ کہتا ہے کہ "میں نے قرآن کو تلاش کرنا شروع کیا اور میں اُسے جمع کرتا تھا، کھجور کی ٹہنیوں اور پتھر کی تختیوں سے اور آدمیوں کے سینوں یعنی حافظوں سے۔" جمع قرآن کا کام

ایسا دُشوار تھا کہ زید کہتا ہے کہ" خدا کی قسم اگر مجھے اس بات پر مجبور کرتے کہ تُم ایک پہاڑ کو ایک جگہ سے دُوسری جگہ کر دو تو یہ بات مجھے زیادہ دُشوار معلوم نہ ہوتی بہ نسبت اِس کے کہ مجھے قرآن کا حکم دیا " اِس حدیث کو مولوی صاحب موصُوف" اوّل درجہ کی معتبر اور صحیح احادیث میں سے تسلیم" کرتے ہیں۔ صفحہ ۶۵۔ زید کو قرآن کے جمع کرنے کا حکم اِس حدیث کے مطابق اِس لئے ہُوا کیونکہ" یمامہ کے جنگ میں قرآن کے قاریوں میں بہت قتل واقع ہُوا تھا" اور" خدشہ " تھا کہ بہت ساحصہ قرآن مجید کا گم ہو جائے گا "۔ پس چونکہ" قرآن کا بہت ساحصہ" قاریوں کے سینوں میں تھا اور " قاریوں میں بہت قتل واقع "ہو گیا تھا لہذا قرآن کا بہت ساحصہ" جو صرف اُن قاریوں کو ہی یاد تھا اُن کی شہادت کے وقت ضائع ہو گیا۔ چنانچہ ابن ابی داؤد سے مروی ہے کہ" عمر نے قرآن کی کسی آیت کو دریافت کیا تو اُن سے کہا گیا کہ وُہ آیت فلاں شخص کو یاد تھی جو کہ معرکہ یمامہ میں قتل ہو گیا۔ یہ سُن کر عمر نے کہا اِنَّا لِلّٰه اور انہوں نے قرآن کو جمع کرنے کا حکم دیا۔" دیگر بہت سی آیات۔ آیت، رجم اور آیت رضاع کی طرح ضائع بھی ہو گئیں۔ صاحب دبستان مذاہب ہم کو ایک سُورت بھی بتاتا ہے جو ضائع ہو گئی ہے (صفحہ ۲۲۰ تا صفحہ ۲۲۱)۔ پس جیسا امام جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے۔ قال ابو عبیدہ حدثنا اسمعیل بن ابراھیم عن ایوب عن نافع عن عمر قال لا یقولن احدکم قد اخذت القرآن کلہ ما یدریہ ما کلہ قد ذھب منہ قرآن کثیراً یعنی "تم میں سے کوئی شخص بھی یہ نہیں دعوے کر سکتا کہ اُس نے پُورا اور مکمل قرآن حاصل کیا ہے۔ اور اس کو کیونکر معلوم ہو سکتا ہے کہ مکمل اور پُورا قرآن حاصل کیا ہے جبکہ اس قرآن کا بہت سا

حصّہ اس میں سے ضائع ہوگیا ہے۔"

(۳)

مصحفِ عثمانی اور دیگر مصاحف میں عظیم فرق تھا۔ اصول کافی میں لکھا ہے کہ حضرت علی نے اپنے جمع شدہ قرآن کو مجمع صحابہ میں پیش کیا اور فرمایا۔ هٰذا كتاب الله كما انزل الله على محمد فقالوا لاحاجة لنا فيه فقال اما والله ما ترونه بعد يومكم هٰذا ابداً۔ (ص ۶۷۱)

"یعنی یہ وہی قرآن ہے جو اللہ نے رسول پر نازل کیا تھا۔ صحابہ نے کہا ہم کو اس قرآن کی ضرورت نہیں، ہمارے پاس جو قرآن ہے وہی ہم کو کافی ہے۔ حضرت علی نے جواب دیا خدا کی قسم آج کے بعد تم کو اصلی قرآن دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔"

تفسیرِ صافی مطبوعہ طہران میں لکھا ہے کہ "اس میں کچھ شک نہیں کہ جو قرآن ہمارے پاس ہے وہ مکمل نہیں ہے جس طرح وہ محمدؐ پر نازل ہوا تھا۔ بلکہ اس میں وہ چیز ہے جو محرّف اور مبدل ہے اور اس قرآن میں ملحدین کا کلام ہے اور وہ خدا اور اس کے رسول کی مرضی کے مطابق مرتّب نہیں ہوا۔" صفحہ ۲۳۰۔

قابل امریکن مستشرق اور نقاد ڈاکٹر آرتھر جیفری نے اپنی کتاب[1] میں ابنِ مسعود کے قرأت جمع کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابنِ مسعود کا مصحف ایک ہزار چھ سو پچاس (۱۶۵۰) سے زائد مقامات میں موجودہ قرآن سے مختلف تھا۔ اس عالم نے محنتِ شاقہ کرکے دیگر مصاحف کے قرأت بھی اکٹھے کئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اُبی بن کعب کا مصحف قریباً ایک ہزار ایک سو پچاس

1 Materials for the History of the Text of the Quran, by Arthur Jeffery 1937.

مقامات میں موجودہ قرآن سے اختلاف رکھتا ہے۔ ابنِ مسعود اور اُبَی بن کعب کے مصاحف متعدد مقامات میں ان اختلافات کے معاملہ میں نہ صرف حرکات اور حروف کا بلکہ الفاظ۔ فقرات اور آیات بلکہ سورتوں کا بھی موجودہ قرآن سے اختلاف ہے۔ ان اختلافات کے متعلق ڈاکٹر صاحب موصوف کہتے ہیں کہ "ہمیں یہ امر کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئیے کہ ہم تک قرأت کے صرف وہی اختلافات پہنچے ہیں جن سے شرر اور فتنہ کا کوئی اندیشہ نہیں ہو سکتا تھا" (ص ۱۶) تفسیر کبیر میں امام فخرالدین رازی لکھتے ہیں کہ "ابنِ مسعود سورہ فاتحہ اور معوذتین کے داخلِ قرآن ہونے سے انکار کرتے تھے" اتقان نوع ۲۰ میں ایسی سورتوں کی تعداد ستر بتائی گئی ہے" جن کی آیات کی تعداد میں اجمالاً اور تفصیلاً دونوں طرح پر اختلاف پڑ گیا ہے" اسی کتاب میں اُبَی بن کعب کا قول ہے کہ "سورہ احزاب اگر پوری رہنے دی جاتی تو سورۂ بقر کے برابر ہوتی" جس سے ظاہر ہے کہ رسولِ عربی کے زمانہ میں اس سورت میں دو صد آیات تھیں لیکن صحیفۂ عثمانی میں صرف ۷۳ آیات ہیں۔ اتقان نوع ۱۸ میں ہے کہ "ابنِ مسعود کے مصحف میں سب سے پہلے سورہ بقر تھی پھر سورہ نسا اس کے بعد سورہ آل عمران نہایت سخت اختلاف کے ساتھ اور اسی طرح پر اُبَی بن کعب اور دیگر صحابہ کے مصاحف تھے" تفسیر درِ منثور میں حذیفہ کا قول ہے کہ "تم سورۂ توبہ میں نہیں پڑھتے ہو جو کچھ کہ ہم پڑھا کرتے تھے۔ مگر اس کا چوتھا حصہ" اسی طرح قرآن کی سورتوں کی تعداد۔ اس کی آیات کی تعداد۔ فقرات کی تعداد اور الفاظ اور حروف کی تعداد میں اختلاف ہے اور یہ اقوال کسی ایرے غیرے نتھو خیرے کے نہیں بلکہ امہات المومنین حضرت عائشہ حضرت حفصہ اور

اُن مسلّم الثبوت اُستادوں کے ہیں جو رسُولِ عربی کے زمانہ میں دُوسروں کو قرآن سکھانے پر مقرر تھے۔

سبعۃ الاحرف

علاوہ ازیں تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ حضرت رسُول کی عینِ حیات میں ہی قرآنی الفاظ حافظوں کو درُستی سے معلوم نہیں تھے۔ چنانچہ ابنِ مسعود سے روایت ہے کہ اُس نے کہا کہ "میں نے ایک شخص کو قرآن پڑھتے سُنا لیکن میں نے نبی صلعم کو اس کے خلاف پڑھتے سُنا تھا۔ پس میں اُس کو آپ کے پاس پکڑ لایا اور آپ کو اس امر کی اطلاع دی۔ میں نے حضرت کے چہرے پر باہمی جھگڑے کی وجہ سے غصہ کے آثار دیکھے۔ آپ نے فرمایا کہ "تم دونوں صحیح پڑھتے ہو پس آپس میں اختلاف نہ کیا کرو جس طرح تم سے پہلے ایک دُوسرے کو جھٹلانے والے لوگ ہلاک ہو گئے" اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب کا قول ہے کہ "میں نے ہشام بن حکیم کو سورہ فرقان اور لوگوں سے خلاف پڑھتے سُنا اور وہ اس سُورت کو بہت سے ایسے الفاظ کے ساتھ پڑھ رہا تھا جو مجھ کو نبی اللہ صلعم نے نہیں پڑھائے تھے۔ قریب تھا کہ میں نماز پڑھتے ہی میں اُس پر حملہ کر دوں مگر میں نے صبر کیا اور اُس کو سلام پھیر لینے دیا۔ میں نے اُس سے پوچھا تجھ کو یہ سُورت کس نے پڑھائی ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ رسُول اللہ نے۔ میں نے کہا کہ تو جھوٹ بولتا ہے۔ رسُول اللہ نے تجھ کو اس طرح کبھی نہیں پڑھایا۔ تب میں اُس کی چادر اُس کے گلے میں ڈال کر اُس کو رسُول اللہ تک کھینچتا لایا اور کہا اے رسُول اللہ میں نے اس سے سورہ فرقان سُنا خلاف اس کے جیسا آپ نے مجھے پڑھایا" (مسلم کتاب فضیلت القرآن مشکوٰۃ۔ سنن

نسائی وغیرہ)

اِس اختلاف کی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ قرآن سات حرف پر نازل کیا گیا ہے۔ جب یہ سوال کیا جاتا ہے کہ "سات حرف" کا کیا مطلب ہے تو سب اپنے اپنے گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ چنانچہ صاحب اتقان نے اس امر کے متعلق قریباً چالیس اقوال نقل کئے ہیں! شیخ عبدالحق محدث لکھتے ہیں کہ قرآن قریش کی زبان اور لغت پر نازل ہوا تھا لیکن حضرت عمر اور حضرت ہشام دونوں قبیلہ قریش کے تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اختلافِ قرأت کا اختلافِ لغت سے کوئی تعلق نہیں۔ ہر شخص پر جو غور و فکر کرنے کا عادی ہے ظاہر ہے کہ اس اختلاف قرأت کی نوعیت اہم قسم کی ہوگی کہ حضرت عمر اور حضرت ہشام جیسے جید صحابہ جیسے جو نہ صرف قریشی اور ایک ہی جگہ کے رہنے والے بلکہ ایک ہی قبیلہ کے شریک تھے ایک دوسرے پر مار آور ہوئے۔ مشارق الانوار حدیث نمبر ۳۱۵ و ۳۲۹ و ۱۱۹۱ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے واقعات اکثر رونما ہوتے تھے۔ ان حالات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ قرآن نبوی کے اصلی الفاظ کا حضرت کے وقت ہی کچھ پتہ نہیں تھا۔ پس اگر قرآن نبوی بھی ہمارے ہاتھوں میں ہوتا تو یہ یقین اور وثوق کے ساتھ ہم نہ کہہ سکتے کہ اس کے الفاظ درحقیقت قرآن کے اصلی الفاظ ہیں جو رسول عربی نے اپنے صحابہ کرام کو سکھائے تھے۔

عربی قرآن اور حضرت عثمان

جہاں تو انجیل جلیل کے ہزاروں نسخوں کا باہم مقابلہ کرنے سے اس کے اصلی الفاظ کو یقین اور وثوق کے ساتھ پا سکتے ہیں وہاں قرآن نبوی کے اصلی الفاظ کو معلوم کرنا

اور مکمل قرآن کا پانا ناممکنات سے ہے۔ قرآن نبوی کے بعض قاریوں کے سینوں پر ہونے کی وجہ سے اُن کی شہادت کے وقت اور دیگر وجوہ کے باعث ضائع ہو گئے۔ لیکن انجیل جلیل کی کتب ابتدا ہی سے احاطہ تحریر میں آچکی تھیں اور اُن کی ہزاروں نقلیں ممالک شرق و غرب میں کی گئی تھیں۔ اِن نقلوں کی ہزاروں نقلیں دَورِ حاضر میں ہمارے پاس موجود ہیں۔ لہٰذا انجیل جلیل کے اصلی متن کا یک شوشہ بھی ضائع نہیں ہُوا۔ سہوِ کاتب البتہ اِن نسخوں میں موجود ہیں لیکن اِن ہزارہا نسخوں کے مقابلہ کرنے سے کتابت کی غلطیاں دُرست ہو جاتی ہیں۔

مولوی محمد علی صاحب قرآن میں کاتب کی غلطیوں کے بھی قائل ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں "اِس قسم کے اختلافات آج چھپے ہوئے نسخہ جات قرآنی میں بھی دکھائے جاسکتے ہیں جو کاتب کی غلطی کا نتیجہ ہیں۔ ہم یہ نہیں مانتے کہ پچھلے زمانہ کے کاتب فرشتے تھے وُہ بھی انسان تھے، بلکہ ذرائع ہمہ دمقابلہ چونکہ اِس قسم کے موجود نہ تھے جیسے ہمارے زمانہ میں ہیں، اِس لئے اُن سے غلطی کا ہوجانا اور پھر اُس کا دُرست نہ ہوسکنا اور بھی قرینِ قیاس ہے۔ یہی تو وُہ بات تھی جس کی اصلاح کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ نے مختلف مسوّدات کو جو لوگوں نے اپنے طور پر رکھے ہُوئے تھے جلوا دیا۔ (جمع قرآن صلا)

لیکن افسوس تو یہ ہے کہ خود عثمانی مصحف غلطیوں سے پاک نہ تھا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اپنی کتاب ازالۃ الخفا میں فرماتے ہیں کہ "بعد ازانکہ قرآن شریف در مصحف مجموع شد فاروق اعظم سالہا در فکر تصحیح او صرف فرمود

ومناظرہ ہا بہ صحابہ میبارد۔ کا ہے بر حق بروفق مکتوب ظاہر مے شد پس آنرا باقی مے گذاشت ومردماں را از خلاف آں باز میداشت۔ وگاہے حق برخلاف مکتوب ظاہر مے شد۔ ازیں صورت مکتوب راحک مے فرمود۔ وبجائے دے آنکہ محقق مے شد مے نوشت" یعنی بعد اس کے کہ قرآن شریف مصحف میں جمع کیا گیا۔ حضرت فاروقِ اعظم نے کئی سال اس کی تصحیح کی فکر میں صرف کئے، اور صحابہ کے ساتھ اکثر مناظرہ کیا کرتے تھے کبھی تو حق مکتوب کے موافق ظاہر ہوتا (حق کے معیار کے اصول کیا تھے؟ از مؤلف) پس اس کو باقی رہنے دیتے اور لوگوں کو اس کی مخالفت سے باز رکھتے اور کبھی حق اس مکتوب کے برخلاف ہوتا اس صورت میں لکھے ہوئے کو مٹا ڈالتے اور بجائے اس کے وہی لکھ دیتے جو حق ثابت ہوتا تھا۔ (ماخوذ از ضمیمہ تاویل القرآن ص۸۳)

اس پر بھی مصحفِ عثمانی میں غلطیاں باقی رہ گئیں۔ چنانچہ تفسیر دُرِّ منثور مطبوعہ مصر جلد دوم میں علامہ سیوطی لکھتے ہیں۔ کہ ابی داؤد نے قتادہ سے روایت کی ہے۔ ان عثمان لما رفع الیہ المصحف قال ان فیہ لحنا وستقیمہ العرب بالسنتھا۔ یعنی جب قرآن حضرت عثمان کے سامنے پیش کیا گیا تو عثمان کہنے لگے اس میں غلطیاں ہیں لیکن کچھ مضائقہ نہیں عرب خود اپنی زبان کے مطابق درست کر لیں گے"۔ (صفحہ ۲۴۶)

قرآن کی آخری تالیف

عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ قرآن کی آخری تالیف خلیفہ عثمان کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ اس امر کے لئے صرف امام بخاری کی سند موجود ہے۔ لیکن قدیم مسیحی تصنیفات

سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمان کے بعد حجاج بن یوسف نے قرآن کی آخری تالیف کی تھی۔ چنانچہ امام بخاری (تاریخ وفات ۲۵۶ھ) سے چالیس برس پہلے خلیفہ مامون (از ۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ) کے زمانہ میں مشہور مسیحی مصنف عبدالمسیح ولد اسحاق نے (جو عرب کے قبیلہ بنی کندہ سے تھا) ایک خط میں ایک مسلمان عالم عبداللہ بن اسمٰعیل کے مکتوب کے جواب میں لکھا:۔

"جب حضرت محمد نے وفات پائی تو ابوبکر کو حکومت ملی۔ یہ امر علی بن ابی طالب کی خاطر پر ناگوار گذرا جب وہ خلافت پانے سے نااُمید ہو گئے تو چالیس دن کے بعد اور بروایت بعض چھ مہینے کے بعد ابوبکر کے پاس گئے اور اُن کی بیعت کی۔ ابوبکر نے کہا۔ اے ابوالحسن اب تک تم کہاں رہے۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ میں کلامِ الٰہی کے جمع کرنے میں مصروف رہا کیونکہ نبی مجھ سے یہ وصیت کر گئے تھے۔ ابوبکر نے کہا کہ کچھ ہمارے پاس ہے اور کچھ تیرے پاس ہے پھر بھلا کتاب اللہ کیونکر جمع ہو سکتی ہے؟ پس وہ اِس کام پر اکٹھے ہوئے۔ کچھ حافظوں سے لیا، کچھ ٹھیکروں سے اور کھجور کے پتوں سے اور ہڈیوں سے اور اسی طرح کی دوسری چیزوں سے جمع کیا لیکن سب ایک کتاب میں جمع نہ کئے گئے۔ اُن کے پاس یہودی کتابوں کی طرح الگ الگ نوشتے ہوتے۔ پس لوگوں کے درمیان قرأت میں اختلاف واقع ہو گیا۔ بعض علی بن ابی طالب کے قرآن کے موافق پڑھنے لگ گئے اور وہ آج تک اُنہیں کی پیروی کرتے ہیں۔ بعض اُس مجموعہ کے مطابق پڑھتے ہیں جس کے جمع کرنے کا ذکر ہوا ہے۔ بعض ابن مسعود کی قرأت پر پڑھتے ہیں۔ بعض اُبی بن کعب کی قرأت پر پڑھتے ہیں۔ ابنِ مسعود اور اُبی بن

کعب کی قرأت پر پڑھتے ہیں۔ ابنِ مسعود اور اُبے بن کعب کی قرأتیں بہت کچھ ملتی ہیں۔

"جب عثمان بن عفان کا زمانہ آیا لوگوں میں قرأت کا اختلاف تھا۔ کوئی شخص ایک آیت کو ایک طرح پڑھتا تھا۔ کوئی اُسی آیت کو دُوسری طرح پڑھتا تھا۔ ہر شخص اپنی قرأت کی حمایت کرتا اور دُوسرے کو کہتا تھا کہ میری قرأت تیری قرأت سے بہتر ہے۔ اس سے کمی اور بیشی اور تبدیل اور تحریف واقع ہوئی۔ تب عثمانؓ سے کہا گیا کہ لوگ قرأت میں اختلاف ڈالتے ہیں اور کمی بیشی کی وجہ سے عداوت رکھتے ہیں، اور فساد پر آمادہ رہتے ہیں اور ہر شخص اپنی قرأت کی طرفداری کرتا ہے۔ اندیشہ ہے کہ بات بڑھ جائے اور کشت و خون تک نوبت پہنچے اور کتاب اللہ خراب ہو جائے پھر تجھے درست کرنا دُشوار ہوگا۔ یہ سُن کر عثمان آمادہ ہوئے اور جہاں تک ممکن تھا نوشتوں سے اور پارچوں سے اور دُوسری چیزوں سے جمع کیا۔ لیکن علی بن ابی طالب کے پاس جو قرآن تھا نہ اُس سے اور نہ اُن لوگوں سے جو اُن کی قرأت پر پڑھتے تھے کچھ تعرض کیا اور نہ اپنی تالیف میں اُن کو شریک کیا۔ اُبے بن کعب اِس نُسخہ کے مرتب ہونے سے پہلے مر چکے تھے۔ جب ابنِ مسعود سے نُسخہ طلب کیا تو اُنہوں نے اُس کے دینے سے انکار کر دیا۔ عثمان نے زید بن ثابت انصاری اور عبداللہ بن عباس کو اور بعض کہتے ہیں کہ محمد بن ابی بکر کو بھی حکم دیا کہ اُسے جمع اور درست کریں اور جو بات غلط ہو نکال ڈالیں۔ وہ دونوں نوجوان تھے۔ اُن کو یہ ہدایت تھی کہ جب تم کسی بات میں یا لفظ یا نام میں اختلاف کرو تو اُسے قریش کے محاورہ پر لکھو کیونکہ وہ بہت سی باتوں میں

اختلاف کرتے تھے۔

"جب دونوں قرآن کو مرتب کر چکے تو اُس کی چار نقلیں بڑے خط میں کروائی گئیں۔ ایک نقل مکّہ کو اور ایک مدینہ کو اور ایک شام کو بھیجی گئی۔ شام کا نسخہ اب تک ملاطیہ میں موجود ہے۔ مکّہ والی نقل آبی سرایا کے زمانہ تک رہی۔ مگر اسی عہد میں (سنہ ۲۰۰ھ) جب کعبہ برباد ہُوا تو وہ جل گئی۔ مدینہ والی نقل یزید بن معاویہ کے عہد میں گم ہو گئی۔ چوتھی نقل عراق کے کوفہ میں بھیجی گئی جو مختار کے زمانہ میں تباہ ہو گئی۔ تمام حاکموں اور عاملوں کے نام پروانے جاری ہُوئے کہ تمام قرآن جمع کیے جائیں تاکہ کسی کے پاس کچھ رہ نہ جائے اور جو کوئی دینے سے انکار کرے اُسے سخت سزائیں دی جائیں۔ احکام نے اس معاملہ میں ایسی سرگرمی دکھلائی کہ پھر کسی کے پاس بجز چند متفرق اور پراگندہ آیتوں اور سُورتوں کے کچھ نہ رہا۔ اب بعض کہتے ہیں کہ سورۂ نور سُورۂ بقر سے بھی بڑی تھی اور سُورہ احزاب کم ہو گئی ہے اور سورۂ برات اور انفال میں فصل نہ تھا چنانچہ اسی وجہ سے اِس پر بسم اللہ نہیں تھی۔ مسعود کا قول معوذتین کی نسبت ہے کہ جب تم اسے قرآن میں پاؤ تو جو اس میں نہیں ہے وہ مت بڑھاؤ۔ عمرؓ نے منبر پر سے کہا تھا کہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آیتِ رجم قرآن میں نہیں تھی کیونکہ بالتحقیق ہم پڑھا کرتے تھے کہ "مرد اور عورت جو زنا کریں اُن کو سنگسار کرو"۔ اگر مجھے لوگوں کے اِس قول کا خیال نہ ہوتا کہ عمرؓ نے قرآن میں جو نہیں تھا وہ بڑھا دیا ہے تو مَیں خود اپنے ہاتھ سے اِس آیت کو بڑھا دیتا۔ ایک اور خطبہ میں عمرؓ نے کہا کہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آیتِ متعہ قرآن میں نہیں تھی۔ ہم خود اِس آیت کو قرآن میں پڑھا کرتے تھے لیکن وہ اب نکال دی گئی ہے۔ جس شخص نے

اس کو نکال ڈالا ہے خدا اُس کو کبھی مُعاف نہیں کرے گا۔ کیونکہ اُس نے حقِ امانت پُورا نہیں کیا اور خدا رسُول کی نصیحت کو نہیں مانا۔ اُبی بن کعب نے کہا کہ دو سُورتیں قنوت اور وتر جو لوگ قرآن میں پڑھتے تھے اور پہلی تالیف میں موجود تھیں وُہ اب قرآن میں نہیں ہیں۔

"پھر حجاج بن یوسفؒ کے حکم سے قرآن جمع ہوا۔ اس نے بھی عثمانی قرآن سے بہت سی باتیں نکال دیں اور حکم دیا کہ تمام قرآن جمع کئے جائیں اور ان میں سے وُہ سب باتیں نکال ڈالیں جن میں بنی اُمیہ اور بنی عباس کے لوگوں کے نام تھے۔ جو کچھ حجاج نے چاہا وُہ قرآن میں رہنے دیا گیا۔ اے میرے دوست عبداللہ بن اسمٰعیل! تُو اور تیرے ہم مذہب ان باتوں کو جانتے ہیں اور ان کا انکار نہیں کر سکتے کیوں کہ تمہارے ہی معتبر راویوں نے ان باتوں کو نقل کیا ہے اور درست جانا ہے اور اس بارے میں اُن کے درمیان کچھ اختلاف نہیں کیونکہ سب اس پر متفق ہیں۔"

ؒ حجاج بن یوسف خلیفہ عبدالملک بن مروان (۶۵ھ تا ۸۶ھ) کے عہدِ سلطنت میں عراق کا گورنر تھا۔ یہ شخص نہایت ظالم اور سفاک تھا۔ اس نے ۷۳ھ میں کعبہ کو منہدم کر دیا اور اس کے اگلے سال مدینہ میں حضرت انس وغیرہ جلیل القدر صحابہ جو رہ گئے تھے ان کی گردنوں اور ہاتھوں پر مُہر لگوائی۔ بہت سے صحابہ اور بزرگ اشخاص تابعین کو جن کی فضیلت زبان زدِ خاص و عام تھی قتل کر دیا۔ اصمعی کہتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان اور حجاج بن یوسف نے کبھی بھول کر بھی نیک کام نہ کیا اور زندگی میں کبھی خطا نہ کی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر برادرِ حضرت عائشہ نے جب یہ سُنا کہ عبدالملک خلیفہ بنا ہے تو اس نے قرآن کی طرف (جو اُس کی بغل میں تھا) مخاطب ہو کر کہا کہ بس اب تیرا زمانہ ہو چکا۔ (تاریخ الخلفا جلال الدین سیوطی)۔

حجاج کو عموماً لوگ "دشمنِ خدا" کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ اس نے ۹۵ھ میں وفات پائی۔

"حجاج نے قرآن کی چند نقلیں لکھوا کر مرتب کیں جو مصر۔ شام۔ مدینہ۔ کوفہ۔ مکہ اور بصرہ بھیجی گئیں۔ اُس نے حکم دیا کہ سب لوگ پہلے نسخوں کو چھوڑ کر اُس کے تالیف کردہ قرآن کو اختیار کریں۔ اِس امر میں اُن پر نہایت سخت زیادتی تشدد اور جبر کیا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ عثمان کی تمام کوششیں بیکار اور اُس کی سب کارروائی رائیگاں ہوگئی۔ حجاج نے قرآن میں بہت تصرف کیا اور تُو خود تمام باتوں میں حجاج کی روش کو بخُوبی جانتا ہے۔ پھر بھلا ایسے شخص پر کتاب اللہ کے معاملہ میں کس طرح بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ اُس نے قُرآن میں تغیر و تبدل نہ کیا ہو؟ وُہ تو ایسا شخص تھا کہ بنی اُمیہ کی خاطر جو کچھ اُس کے دل میں آتا تھا کر گذرتا تھا۔ ہم نے تیرے سامنے سچی سچی باتیں رکھ دی ہیں۔ ہم نے اِس بیان میں کوئی بات بڑھا نہیں لکھی بلکہ وُہی کچھ لکھا ہے جو تُمہارے معتبر اور منصف راویوں نے جن کے قول تم خود نقل کرتے ہو صحیح صحیح بیان کیا ہے۔ اگر ہمیں طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم تفصیل وار بیان کرتے لیکن جس قدر ہم نے لکھا ہے وُہ دانشمندوں کے واسطے کافی ہے۔" (ملخصاً از عبدالمسیح ولد اسحاق کندی صفحہ ۱۱۳ تا ۱۲۳)۔

سطورِ بالا سے ظاہر ہے کہ قرآن کی آخری تالیف حضرت عثمان نے نہیں کی تھی بلکہ سفاک اور ظالم حجاج بن یوسف نے کی تھی۔ حضرت عثمان کو قرآن جمع کرنے کا بیان پہلے پہل امام بُخاری نے لکھا، اور مابعد کے مصنفوں نے اِس بیان کو صحیح تسلیم کرکے دُہرا دیا ہے۔ لیکن اِس قدیم مسیحی مصنف کے مطابق جو امام بخاری سے بھی قریباً نصف صدی پہلے ہو چکا ہے قُرآن کی آخری تالیف کا سہرا حجاج کے سر ہے۔ ابن الاثیر بتاتا ہے کہ حجاج نے ابن مسعود کے قرآن کی تدوین کی قطعی طور

پر ممانعت کر دی۔ ابنِ خلکان کہتا ہے کہ حجاج نے قرأتوں کے اختلافات کی کثرت کی وجہ سے جو قرآن کے نسخوں میں پیدا ہو گئے تھے حکم دیا کہ ان اختلافات کو ختم کرنے کا تدارک کیا جائے۔ توحیدی ہم کو بتلاتا ہے کہ حجاج بن یوسف کے سامنے علماء کے درمیان قرآن کی ایک آیت (۸ : ۱۷) کے صحیح الفاظ و معانی پر زبردست مباحثہ ہوا اور افسوس ظاہر کر کے کہتا ہے کہ رسولِ خدا کا ایک شاندار قول قرآن میں درج ہونے سے رہ گیا۔ وہ ہم کو یہ بھی بتلاتا ہے کہ حجاج پہلا شخص تھا جس نے قرآن کو پےپارس پر لکھوایا (اوّل من کتب فی القراطیس)۔

پس مذکورہ بالا اسلامی علماء بھی قدیم مسیحی عالم عبدالمسیح کے ساتھ اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کا آخری جمع کرنے والا حجاج بن یوسف تھا۔

اصولِ جمع قرآنِ عثمانی

ایک بات ہم ناظرین پر واضح کرنا چاہتے ہیں، کہ حضرت عثمان نے جو کمیٹی اپنے مصحف کے تیار کرنے کے لئے بنائی وہ اِس بات کی اہل نہ تھی کہ قرآن کے صحیح متن کو معلوم کر سکے۔ گو اِس کمیٹی کے ممبروں کے پاس چند ایک مختلف مسودات موجود تھے جو مابعد جلا دیئے گئے، لیکن چونکہ اُن کے پاس بقولِ مولوی محمد علی صاحب" ذرائع علم و مقابلہ اس قسم کے موجود نہ تھے جیسے ہمارے زمانہ میں ہیں، اِس لئے اُن سے غلطی کا ہو جانا اور پھر اُس کا درست نہ ہو سکنا اور بھی قرینِ قیاس ہے"۔ مثال کے طور پر خلیفہ اوّل کا زمانہ ہے لو۔ جب قرآن جمع کیا گیا تو جب کوئی شخص قرآن کا کوئی حصہ لے کر آتا تو اُس سے گواہی اور حلف اور سوگند لی جاتی اس بات کے ثبوت میں کہ وہ دراصل قرآن کی آیت ہے۔ تب اُس حصہ کو قرآن کے نسخہ میں جگہ ملی

جاتی۔ دیکھئے یہ معیار تھا جو جامعین قرآن نے وضع کیا تھا۔ صرف سوگند اور حلف ہی واحد اور فیصلہ کن امر تھا۔ لیکن انجیل کی صحیح عبارت کسی انسان کی حلف پر مبنی نہیں ہے خواہ وہ کیسا ہی معتبر ہو۔ انجیل کے ہزاروں نسخے ماہرین فن تنقید کے سامنے رکھتے ہیں جن کے پاس حیرت انگیز" ذرایعہ علم و مقابلہ" موجود ہیں اور وہ کاتبوں کی غلطیوں کو درست کر کے انجیل کی اصلی عبارت کو جیسا اس کے مصنفین نے لکھا تھا ہمارے سامنے رکھ دیتے ہیں۔

انجیل و قرآن کے متن کی صحت کا موازنہ

پس جب ہم انجیل جلیل کے نسخوں کا مقابلہ قرآن شریف کے نسخوں کے ساتھ کرتے ہیں تو ہم پر چند امور واضح ہو جاتے ہیں :-

اول - جہاں انجیل مقدس کی کتب کے ہزاروں قدیم نسخے ہمارے پاس اصل زبان میں موجود ہیں وہاں قرآن مجید کا کوئی نسخہ سوائے مصحف عثمانی کے نسخے کے ہمیں نہیں ملتا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جہاں ہم انجیل کا صحیح متن ان ہزاروں قدیم نسخوں کے مقابلہ اور تنقید سے معلوم کر سکتے ہیں وہاں ہم قرآن نبوی کے صحیح متن کو معلوم کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ ہمیشہ یہی خدشہ دامنگیر رہتا ہے کہ ممکن ہے کہ عثمانی مصحف کی آیات فی الحقیقت قرآن نبوی کا جزو ہوں یا نہ ہوں، اور ہم واثق یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کی آیات وہی ہیں جو رسول عربی پر نازل ہوئی تھیں اور کہ ان آیات کی ترتیب فی الحقیقت وہی ہے جو نبی نے مقرر کی تھی۔

دوم - انجیل جلیل کی کتب کا متن تواتر سے ثابت ہے۔ اوائل مسیحی صدیوں کے نسخے قدیم ترین ترجمے اور مسیحی مصنفین کے کروڑوں اقتباسات اس متن کے تواتر

اَور تسلسل پر گواہ ہیں لیکن قرآنِ نبوی اَور مصحفِ عثمانی میں تواتر اَور تسلسل ثابت نہیں ، برعکس اِس کے قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مروجہ قرآن کا معیاری متن خلفاء عباسیہ کے زمانہ میں مقرر ہُوا۔ کم ازکم اس زمانہ سے پہلے معیاری متن کے لئے تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔ تاریخ ہم کو بتلاتی ہے کہ حجاج کے زمانہ کے مدتوں بعد ۳۲۳ھ میں بغداد میں مشہور و معروف فاضل شنبوذ قرآن کو مصحفِ عثمان کے خلاف پڑھا کرتا تھا جس کے لئے اُس کو تازیانوں کی سزا دی گئی اَور وہ ۳۲۸ھ میں زندان میں ہی مرگیا۔ صاحبِ فہرست اُس کے قرآن کی تفاصیل بتلاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے مصحف میں اَور موجودہ قرآن میں اختلاف تھے۔ ابنِ قدید (تاریخ وفات ۳۱۲ھ) کے پاس عقبہ بن عامر کا قرآن تھا جو عثمانی قرآن سے مختلف تھا اسلامی مفسرین بالخصوص زمخشری مختلف قراتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ دیار بکری کتاب تاریخ الخمیس میں ابنِ مسعود کے نسخہ کی بابت یہاں تک لکھتا ہے کہ " اگر ابنِ مسعود کا قرآن لوگوں کے ہاتھوں میں رہ جاتا تو اختلافات کی وجہ سے اسلام میں فتنہ برپا ہو جاتا "۔

پس اُمہات المومنین، صحابہ کرام کے اقوال اَور اسلامی تاریخ شاہد ہیں کہ مصحفِ عثمانی زیادہ سے زیادہ قرآنِ نبوی کا جزو ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے جس میں فتور واقع ہو گیا ہُوا ہے اَور یہ نقص دیگر مصحف کی عدم موجودگی کے باعث دُور نہیں ہو سکتا۔

سوم۔ انجیل جلیل کی کتب ابتدا ہی سے پائدار شے پر لکھی گئیں۔ یہ شے ایسی پائیدار تھی کہ اب اُنیس ۱۹ صدیاں گزرنے پر بھی اَور حوادثِ زمانہ کے باوجود پہلی چار صدیوں کے نسخے من وعن ہمارے پاس محفوظ ہیں لیکن سارے قرآن شریف کی اوّل

تو نقل نہ کی گئی، جس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ قرآن کا ایک بڑا حصّہ تلف ہو گیا اور جب نقل کی گئی تو ناپائیدار شے پر نقل نہ ہوئی۔ یعنی بقول کاتبِ قرآن زید بن ثابت "میں نے جا بجا کھوج کیا قرآن کا اور جمع کیا اُس کو کھجور کے پتوں اور سفید پتھر کی تختیوں۔ کاغذ کے پرزوں۔ چمڑے کے پارچوں۔ شانے کی ہڈیوں اور کجاوہ کی لکڑیوں اور لوگوں کے سینوں سے"۔ اب ظاہر ہے کہ ان تمام اشیاء میں بجز کاغذ کے پرزوں چمڑے کے پارچوں اور پتھر کی تختیوں کے جن پر قرآن نسبتاً کم لکھا جا سکتا تھا، دُوسری کوئی شے بھی پائدار نہیں ہے اور نہ کوئی جگہ تھی جس میں یہ پائدار اشیاء بھی بحفاظت تمام رکھی جاتی ہوں۔ اور نہ کوئی ثبوت ہے کہ اِن کی حفاظت کے لئے کوئی خاص احتیاط بھی کی گئی تھی۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلوی کہتے ہیں کہ "سب سے عظیم میراث جو آنحضرت سے اُمّت مرحومہ کو ملی وُہ قرآن عظیم ہے۔ جو آں حضرت صلعم کے آخری وقت بھی صحف میں جمع نہ ہؤا تھا بلکہ جس طرح آج کوئی مُنشی اپنی منشیات کو یا کوئی شاعر اپنے قصائد مقطعات اور اشعار کو بیاض اور کاغذوں میں متفرق لوگوں کے پاس چھوڑ کر اِس جہان سے چلا جائے، وُہ اُن چڑیوں کے جھُنڈ کی طرح جن کو ہوا کا ذرا سا جھونکا منتشر کر دیتا ہے یہ منشیات اور قصائد بھی تلف ہو جائیں اور اگر اِن کاغذوں پر پانی پڑ جائے یا آگ لگ جائے یا اُس کے حافظ فوت ہو جائیں تو حرفِ غلط کی طرح وُہ بھی مِٹ جاتے ہیں" (ازالۃ الخفا)

زمانۂ سلف میں قرآن مجید کا کیا حال ہؤا ہو گا، جب اُمّتِ محمدیہ میں منافقین کے گروہ کی تعداد بے شمار تھی۔ علاوہ ازیں حافظ آخر بشر تھے۔ اِن حافظوں کے سینوں سے بھی یاد کردہ آیتیں مِٹ سکتی تھیں۔ حافظہ میں بھی گڑبڑ ہو سکتی تھی، اور اگر حافظ

راہِ خُدا میں جہاد کرتا ہُوا شہید ہوگیا تو وُہ حِصّہ قُرآن کا جو صرف اُس کو یاد تھا اُس کے ساتھ ہی رُوئے زمین سے مفقود ہوگیا۔ غرضیکہ جہاں انجیل جلیل کی کُتب شروع ہی سے باہتمام اشخاص تحریر کی گئیں وہاں قُرآن شریف نہایت غیر محفُوظ حالت میں رہا اَور تحفظِ قرآن کا کوئی محکم آلہ نہ تھا۔

چہارم۔ جہاں انجیل جلیل کی کُتب کے کاتب نہایت احتیاط اَور ہوشیاری سے اپنی کُتبِ مُقدسہ کی نقل کیا کرتے تھے، وہاں قُرآن مجید کے کاتب مومن مسلمان نہیں بلکہ اہلِ یہُود ہوتے تھے۔ جب تک کہ حضرت نے زیدؔ بن ثابت کو یہُود سے لکھنا سیکھنے کا حُکم دیا۔ چنانچہ زید سے روایت ہے کہ "مُجھ کو رسُول اللہ صلعم نے حکم دیا تو میں نے یہُود سے لکھنا سیکھا کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ خُدا کی قسم مُجھ کو ہرگز اِس کا اعتبار نہیں جو یہُود میرے واسطے لکھتے ہیں"۔ ایک اَور کاتب عبداللہ بن ابی سرح کی نسبت لکھا ہے کہ وُہ "قُرآن کو بحکم محمدؐ لکھا کرتا تھا اَور جیسا چاہتا تھا بدل کر لکھ دیتا تھا" (مغازی الرسُول۔ واقدی)

حضرت کے وقت کاتبوں کا یہ حال تھا۔ آپ کی وفات کے بعد قُرآن کے قابل ترین حافظوں کی طرف سے اِس قدر بے پروائی برتی گئی کہ حضرت کے زمانہ کے بعد اُن اشخاص کو جن کو آنحضرت نے مُستند قرار دیا تھا کسی نے جمعِ قرآن کے وقت نہ پُوچھا۔ چنانچہ بُخاری اَور مُسلم میں آیا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسُول اللہ نے فرمایا کہ سیکھو قُرآن کو چار شخصوں سے یعنی عبداللہ بن مسعودؓ وسالم مولیٰ ابن حذیفہ و ابی بن کعب اَور معاذ بن جبل سے" (مشارق الانوار ۱۹۱۲ حدیث) عبداللہ بن مسعود ایسے زبردست قرآن داں تھے کہ قُرآن کی کوئی سُورت

نہ تھی جس کو وُہ نہ جانتے تھے کہ کہاں اُتری، اَور کوئی آیت نہیں تھی جس کو وُہ نہ جانتے تھے کہ کس باب میں اُتری۔ (صحیح مُسلم)۔ ابی بن کعب قُرآن کے اعلیٰ پایہ کے قاری تھے۔ اُن کی اِتنی بڑی شان تھی کہ بُخاری اَور مُسلم میں انس سے روایت ہے کہ "حضرت نے ابیؔ بن کعب سے فرمایا کہ خُدا نے مجھ کو حُکم کیا ہے کہ مَیں تیرے آگے لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا۔ کی سورت پڑھوں۔ ابی بن کعب نے کہا کہ یا رسُول اللہ کیا خُدا نے میرا نام لیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں" (مشارق الانوار ۲۵۶) جب حضرت عثمان نے قُرآن جمع کیا تو یہ دونوں صحابہ ذیشان زندہ تھے لیکن اِن کو قُرآن کی جمع ترتیب کی خدمت پر مامور نہ کیا گیا بلکہ حضرت عثمان نے زید بن ثابت کو اِس کام پر مامور فرمایا جو نہ مشہُور صحابہ میں سے تھا اَور نہ حافظِ قُرآن تھا بلکہ وُہ بعد ہجرت مدینہ میں مسلمان ہُوا تھا اَور بوجہ خورد سال ہونے کے آنحضرت کے ساتھ جنگوں میں شریک ہونے کے قابل خیال نہ کیا جاتا تھا۔ وُہ قرآنی آیات و الفاظ و ترتیب سے ناواقف تھا۔ زید جیسے شخص کا جمع و ترتیبِ قُرآن پر مقرّر کیا جانا حضرت کے مُستند اَور مُسلم الثبوت اُستاد عبداللہ بن مسعُود کو بُرا معلوم ہُوا۔ اَور اُس نے کہا کہ "اَے مسلمانو۔ اندھیر ہَے کہ مجھ سا شخص تو قُرآن لکھنے پر مقرّر نہ کیا جائے اَور اُس پر ایک ایسا شخص مامور ہو کہ بخدا جب مَیں مُسلمان ہو چکا تھا، تو اُس وقت وُہ ایک کافر کی پُشت میں تھا" یعنی وُہ ابھی پیدا بھی نہ ہُوا تھا۔ پس تاریخ شاہد ہَے کہ قُرآن کو جمع کرنے والے اِس بات کے اہل نہ تھے کہ تمام قُرآن کو جمع کر سکتے یا دُرستی سے اُس کی نقل کر سکتے۔

پنجم۔ مولوی سیّد ممتاز علی مرحُوم عثمانی مُصحف اَور موجُودہ قُرآنوں کا مقابلہ

کرکے بتاتے ہیں کہ ان میں یہ فرق ہے کہ مصحفِ عثمانی کی "ایک آیت سے دُوسری آیت جُدا نہ تھی۔ نہ ان کے جُدا ہونے کا کوئی نشان مقرر کیا گیا تھا۔ اُس زمانہ میں سُورتوں کی ابتدا میں بسم اللہ کے اُوپر سُورت کا نام اور تعداد آیات وغیرہ نہ لکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے قرآن مجید کا پڑھنا بجز اہلِ زبان کے دُوسروں کے لئے بہت مُشکل تھا، بلکہ سب اہلِ زبان بھی اُس کو آسانی سے نہیں پڑھ سکتے تھے۔ قرآن مجید کو صُورتِ موجُودہ میں لانے کے بعد میں جو تبدیلیاں ہُوئیں وہ کس کس وقت ہُوئیں اور کس نے کیں پُورے طور پر معلوم نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں رکوع کس نے اور کب مقرر کئے یہ مجھے باوجُود بہت تلاش کے معلوم نہیں ہو سکا۔ ہاں مختلف زمانہ کے قرآن مجیدوں میں رکوعوں میں کسی قدر اختلاف پایا جانا ضرور سُنا گیا ہے" (تہذیبِ نسواں ۳ مئی ۱۹۳۰ء صفحہ ۳۱۶)۔

اب ناظرین قیاس کر سکتے ہیں کہ وفاتِ نبوی کے بعد کی صدیوں کے دَوران میں قُرآن مجید میں عبادت اور رسم الخط کی تبدیلیوں اور غیر عرب اور کم استعداد کاتبین کی وجہ سے کس قدر قرأت میں اختلاف پیدا ہو گیا ہوگا۔

نہ تھی جس کو وُہ نہ جانتے تھے کہ کہاں اُتری، اور کوئی آیت نہیں تھی جس کہ وُہ نہ جانتے تھے کہ کس باب میں اُتری۔ (صحیح مُسلم)۔ ابی بن کعب قرآن کے اعلیٰ پایہ کے قاری تھے۔ اُن کی اتنی بڑی شان تھی کہ بُخاری اور مُسلم میں انس سے روایت ہے کہ "حضرت نے ابی بن کعب سے فرمایا کہ خُدا نے مجھ کو حکم کیا ہے کہ مَیں تیرے آگے لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ کی سُورت پڑھوں۔ ابی بن کعب نے کہا کہ یا رسُول اللہ کیا خُدا نے میرا نام لیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں" (مشارق الانوار ۲۵۶)۔ جب حضرت عثمان نے قرآن جمع کیا تو یہ دونوں صحابہ ذیشان زندہ تھے لیکن اِن کو قرآن کی جمع ترتیب کی خدمت پہ مامُور نہ کیا گیا بلکہ حضرت عثمان نے زید بن ثابت کو اِس کام پر مامُور فرمایا جو نہ مشہور صحابہ میں سے تھا اور نہ حافظِ قرآن تھا بلکہ وُہ بعدِ ہجرت مدینہ میں مسلمان ہُوا تھا اور بوجہ خورد سال ہونے کے آنحضرت کے ساتھ جنگوں میں شریک ہونے کے قابل خیال نہ کیا جاتا تھا۔ وُہ قرآنی آیات و الفاظ و ترتیب سے ناواقف تھا۔ زید جیسے شخص کا جمع و ترتیبِ قرآن پر مقرر کیا جانا حضرت کے مُستند اور مُسلّم الثبوت اُستاد عبداللہ بن مسعودؔ کو بُرا معلوم ہُوا۔ اور اُس نے کہا کہ "اَے مسلمانو۔ اندھیر ہے کہ مجھ سا شخص تو قرآن لکھنے پر مقرر نہ کیا جائے اور اُس پر ایک ایسا شخص مامُور ہو کہ بخدا جب مَیں مُسلمان ہو چکا تھا۔ تو اُس وقت وُہ ایک کافر کی پُشت میں تھا۔" یعنی وُہ ابھی پیدا بھی نہ ہُوا تھا۔ پس تاریخ شاہد ہے کہ قرآن کو جمع کرنے والے اِس بات کے اہل نہ تھے کہ تمام قرآن کو جمع کر سکتے یا دُرستی سے اُس کی نقل کر سکتے۔

پنجم۔ مولوی سید ممتاز علی مرحوم عثمانی مُصحف اور موجودہ قرآنوں کا مقابلہ

کرکے بتاتے ہیں کہ ان میں یہ فرق ہے کہ مصحفِ عثمانی کی "ایک آیت سے دُوسری آیت جُداگانہ تھی۔ نہ ان کے جُدا ہونے کا کوئی نشان مقرر کیا گیا تھا۔ اُس زمانہ میں سُورتوں کی ابتدا میں بسم اللہ کے اُوپر سُورت کا نام اور تعداد آیات وغیرہ نہ لکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے قرآن مجید کا پڑھنا، بجز اہل زبان کے دُوسروں کے لئے بہت مشکل تھا، بلکہ سب اہلِ زبان بھی اُس کو آسانی سے نہیں پڑھ سکتے تھے۔ قرآن مجید کو صُورتِ موجُودہ میں لانے کے بعد میں جو تبدیلیاں ہُوئی ہیں وُہ کس کس وقت ہُوئیں اور کس نے کیں پورے طور پر معلوم نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں رکوع کس نے اور کب مقرر کئے یہ مجھے باوجود بہت تلاش کے معلوم نہیں ہو سکا۔ ہاں مختلف زمانہ کے قرآن مجیدوں میں رکوعوں میں کسی قدر اختلاف پایا جانا ضرور سُنا گیا ہے"۔ (تہذیبِ نسواں ۳ مئی ۱۹۳۰ء صفحہ ۲۱۶)۔

اب ناظرین قیاس کر سکتے ہیں کہ وفاتِ نبوی کے بعد کی صدیوں کے دَوران میں قرآن مجید میں عبادت اور رسم الخط کی تبدیلیوں اور غیر عرب اور کم اِستعداد کاتبین کی وجہ سے کس قدر قرأت میں اختلاف پیدا ہو گیا ہوگا۔

بابِ ہشتم

اصُولِ تنقیح و تنقید

اِس رسالہ کے ناظرین پر عموماً اَور ہمارے مسلمان بھائیوں پر خصُوصاً ظاہر ہوگیا ہوگا کہ مسیحی، انجیلِ مُقدّس کے متن کی صحت کے ثبوت میں ہزاروں قدیم نُسخے اَور لاکھوں دیگر شواہد پیش کرتے ہیں اَور اِن نُسخوں کو اصُولِ تنقیح و تنقید کے مطابق پرکھ کر کھوٹے کو کھرے سے الگ کر کے اَور غلط اَور صحیح میں تمیز کر کے انجیلِ جلیل کا صحیح ترین متن ہمارے ہاتھوں میں رکھ دیتے ہیں۔ یہ اصُولِ تنقیح و تنقید کیا ہیں؟ ظاہر ہے کہ نُسخوں کے متن کو معلوم کرنے کے بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں:۔

(۱) سب سے آسان طریقہ متن کو معلوم کرنے کا یہ ہے کہ نقاد اپنے سامنے مُختلف نُسخے رکھے اَور جہاں اختلافِ قرأت ہو وہ مُختلف نُسخوں کا ملاحظہ کرے اَور جو قرأت اُس کو پسند آئے وہ اختیار کرے۔

پس ظاہر ہے کہ یہ طریقہ صحیح متن کے معلوم کرنے میں مدد نہیں دیتا کیونکہ ممکن ہے کہ جو قرأت ایک شخص کو بھلی لگے وہ دُوسرے شخص کی مقبُولِ نظر نہ ہو اَور وہ صحیح قرأت بھی نہ ہو۔ مثل مشہور ہے۔ ع نگاہ اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

(۲) یہ معیار معیوب تھے پس مسیحی علماء نے ان اصولوں کو ترک کیا۔ نہ کیا بلکہ نسخوں کی تاریخ کے ہر دور میں اُن کو ہمیشہ مردود و مطعون گردانتے رہے۔ اس کے برعکس مسیحی محققین نے مختلف ممالک اور ازمنہ کے نسخہ جات اور اُن کے تراجم اور اقتباسات وغیرہ کروڑوں شواہد کو تنقیدی نظر سے دیکھا اور علم تنقید کو درجہ کمال تک پہنچا دیا۔ انہوں نے اس علم کے اصول وضع کئے ہیں۔ جن کی روشنی میں انہوں نے نہایت باریک نگاہ سے ہر نسخہ کا مطالعہ کیا۔

چونکہ اس رسالہ میں ہم کو اختصار مدِ نظر ہے لہٰذا ہم ان جامع اصول کا مفصل بیان نہیں کر سکتے لیکن یہ بیان کرنا کافی ہے کہ مسیحی علماء نے انجیل جلیل کے ہزار ہا نسخوں کا جو اب تک دستیاب ہوئے ہیں نہایت باریکی اور عرقریزی سے مطالعہ کیا ہے اور ہر ایک نسخہ کے ایک ایک لفظ اور حرف کو پیشِ نظر رکھ کر مختلف قراٗتوں کو قلمبند کیا ہے۔ ان ہزاروں یونانی نسخوں کا مقابلہ کر کے اُن کو اُن کے متنوں کی قراٗتوں کی مشابہت کی بنا پر مختلف گروہوں اور قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ مثلاً اس اصول کے مطابق اگر اُن کو چند نسخوں میں ایک ہی لفظ کے ہجا کی غلطی نظر آئی تو وہ ایک گروہ میں شامل کئے گئے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ نسخے ایک دوسرے کی نقل ہونگے۔ پھر ایک ہی گروہ کے مختلف نسخوں کا مقابلہ کیا تاکہ معلوم ہو کہ کونسا نسخہ کس نسخہ کی نقل ہے اور اس گروہ کا قدیم ترین نسخہ یا جدِ امجد کونسا نسخہ ہے جس سے باقی نسخے نقل کئے گئے۔ ظاہر ہے کہ مختلف گروہوں کے قدیم ترین نسخوں میں سب سے کم کتابت کی غلطیاں واقع ہوئی ہوں گی لہٰذا اُن کا متن اُس گروہ کے نسخوں میں سب سے زیادہ صحیح ہوگا۔

اسی طرح مختلف گروہوں کے قدیم ترین نسخوں کا باہم دگر مقابلہ کر کے مسیحی علما نے اُن کو اُن کی قدامت اور اعتبار کے لحاظ سے تقسیم کیا اور مختلف قراتوں میں سے اُس قرات کو اختیار کیا جس کی سند سب سے زیادہ قدیم اور معتبر ہے اور جس کی تصدیق اور تائید قدیم ترین ترجموں، اور ابتدائی صدیوں کی مسیحی تصنیفات سے ہوتی ہے۔

یُوں اِن ماہرینِ فنِ تنقید نے انجیل جلیل کے نسخوں کا مقابلہ کر کے اُس اصل متن کو معلوم کیا جو اُس کے الہامی مصنفین کے مبارک ہاتھوں نے لکھا تھا۔

(۲)

چونکہ ہمیں اختصار منظور ہے ہم اِس طریقۂ کار کی ایک مثال دیتے ہیں۔ فنِ تنقید کے ماہرین بشپ وسٹکٹ اور ڈاکٹر ہورٹ[1] جن کا نام چار دانگ عالم میں مشہور ہے اور جو اِس فن کے مسلم الثبوت اور بےنظیر اُستاد ہو گزرے ہیں، ان ہزاروں نسخوں کو چار اقسام میں تقسیم کرتے ہیں:-

اوّل - وہ تمام نسخے جن کا متن انگریزی "آتھورائزڈ ورشن" یعنی پرانے ترجمہ کے مطابق ہے۔ اِس قسم میں ہزاروں نسخوں کی ایک بڑی اکثریت شامل ہے، کیونکہ یہ وہ متن ہے جو چھٹی صدی مسیحی سے مروج اور مقبولِ عام ہے لیکن یہ متن مُقدس کرسسٹم[2] سے پہلے (۳۰۰ء) ابتدائی مسیحی صدیوں کے مصنفین کی تصانیف میں نہیں ملتا۔ لہٰذا یہ متن قدیم نہیں ہے۔ اِس متن کو ہم الف متن[3] کے نام سے موسوم کریں گے۔ اِس متن کی ابتداء انطاکیہ کے قُرب وجوار میں چوتھی صدی کے

1. Westcott and Hort. 2. Chrysostom. 3. Alpha Type.

آخر میں ہوئی جب مُقدّس کرسّسٹم وہاں تھا۔ چونکہ یہ متن قدیم نہیں ہے، بنابریں کہ اگر کوئی قرأت صرف اِس قسم کے نُسخوں میں ہوگی تو وُہ غالباً قدیم اور معتبر نہیں ہوگی۔

دوم۔ دُوسری قسم میں وُہ تمام نُسخے شامل ہیں جن میں وُہ متن محفوظ ہے جو نُسخہ سینا میں پایا جاتا ہے۔ اِس متن کو ہم ب متن[1] کے نام سے موسُوم کریں گے۔ یہی متن نُسخہ ویٹی کن میں پایا جاتا ہے، جو قدیم ترین اور معتبر ترین نُسخہ ہے، اور نُسخہ سینا سے زیادہ قدیم ہے۔ نُسخہ سینا کا متن گو قریب قریب وُہی ہے جو نُسخہ ویٹی کن کا ہے، تاہم اِس کا اختلافِ قرأت اِس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ جس نُسخہ سے یہ دونوں نقل کئے گئے ہیں اُس میں اور اِن دونوں نُسخوں کے درمیان کئی نُسخوں کی پُشتیں حائل ہیں، اور کہ وُہ نُسخہ جس سے یہ دونوں نقل کئے گئے ہیں، عہدِ جدید کے مُختلف مصنّفین کے اصل نُسخوں (کُلسیوں ٦ : ١١) کی پہلی نقل تھا جس سے ظاہر ہے کہ یہ نُسخہ صحیح ترین اور معتبر ترین تھا، کیونکہ وُہ اُن طوماروں کی پہلی نقل تھا، جو انجیل شریف کے مُصنّفوں کے مُقدّس ہاتھوں نے لکھے تھے۔ پس چونکہ نُسخہ ویٹی کن اور نُسخہ سینا دونوں اِن طوماروں کی پہلی نقل کی نقلیں ہیں، لہٰذا یہ نہایت صحیح اور نہایت معتبر ہیں اور اِن سے زیادہ معتبر اور صحیح نُسخے ملنے کی اُمید نہیں ہو سکتی۔ پس ب متن سے زیادہ صحیح متن اِس وقت رُوئے زمین پر موجود نہیں ہے۔

قدیم قبطی ترجمہ بحیری کے نُسخوں میں یہی متن پایا جاتا ہے اور صعیدی ترجمہ میں بھی کہیں کہیں یہ متن ملتا ہے۔ مُقدّس جیروم نے اپنے لاطینی ترجمہ ولگیٹ کے تیار کرنے

1. B. Type.

میں اِسی متن کو استعمال کیا ہے۔ اِس متن کو نہ صرف جیروم نے اختیار کیا ہے، بلکہ اوریجن جیسا مسلّم الثبوت اُستاد بھی اِسی متن کے نُسخے استعمال کرتا ہے۔ سکندریہ کا کلیمنٹ بھی بعض اوقات اِس متن کی قرأت کو دیگر قرأتوں پر ترجیح دیتا ہے۔

پس اگر کوئی قرأت ایسی ہو جو الف متن میں پائی جائے لیکن ب متن سے مختلف ہو تو چونکہ ب متن پہلے کی نسبت زیادہ صحیح اور زیادہ قدیم ہے ہم ب متن کی قرأت کو ترجیح دیں گے۔ بلکہ ڈاکٹر ہورٹ تو یہاں تک کہتا ہے کہ اگر کوئی قرأت نسخہ ویٹی کن سے اختلاف رکھتی ہو تو گو اُس کی حمایت میں بہت سے نُسخے ہوں تاہم نسخہ ویٹی کن کی قرأت کو ترجیح دی جائے گی اور اگر نسخہ ویٹی کن اور نسخہ سینا دونوں کسی قرأت پر متفق ہوں تو ان دونوں کی متفقہ شہادت ایسی زبردست ہے کہ کوئی دوسرا نسخہ اُس کو توڑ نہیں سکتا۔ ڈاکٹر وائس[1] جو بعض امور میں ڈاکٹر ہورٹ کے ساتھ اتفاق نہیں کرتا اِس امر کو تسلیم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ نسخہ ویٹی کن ہی عہدِ جدید کا ایک ایسا نسخہ ہے جس میں صحیح ترین اور اصلی متن محفوظ ہے۔

سوم:- اِن ہزاروں نسخوں میں سے بعض نسخے ایسے بھی ہیں جو بالعموم ب متن سے متفق ہیں لیکن کہیں کہیں ب متن سے اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ اِس گروہ کے نسخوں کے متن کو ہم ج متن کے نام[2] سے موسوم کریں گے۔ اِس متن کی ابتدا اسکندریہ سے ہوئی۔ ب متن اور اِس متن کے اختلاف کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اسکندریہ علم وفضل کا گہوارہ تھا اور اِس جگہ کے مسیحی علم وفضل میں یگانۂ روزگار تھے۔ لہٰذا ب متن کو اپنے نسخوں میں نقل کرتے وقت انہوں نے اصلی یونانی متن (جو زبان

---

1. Weiss. 2. Y. Type

کے لحاظ سے اعلیٰ پایہ کا نہیں ہے، میں سے خامیوں کو ہٹا کر زبان کو زیادہ صحیح کر دیا
لہٰذا اصل یونانی متن کے معلوم کرنے میں (جس میں وُہ خامیاں موجُود تھیں) یہ متن بہت
مدد نہیں دیتا۔

چہارم: نُسخوں کی آخری قسم کے متن کو ہم د متن[1] کے نام سے موسُوم کریں گے۔ اس متن کے نُسخے بھی نہایت قدیم ہیں۔ اِن نُسخوں کے متن میں اور دیگر تمام متنوں کے نُسخوں میں یہ تمیز ہے کہ ان نُسخوں میں چند آیات زیادہ ہیں گو چند آیات ایسی بھی ہیں جو دیگر اقسام کے نُسخوں میں پائی جاتی ہیں اور اِن نُسخوں میں نہیں ملتیں۔ ان نُسخوں میں آپس میں بھی بہت اختلاف ہے، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وُہ کسی ایک نُسخہ کی نقل نہیں ہیں بلکہ مُختلف نُسخوں کی نقلیں ہیں لیکن چُونکہ اِس قسم کے نُسخے چند اغلاط و آیات کی موجُودگی یا عدم موجُودگی پر مُتفق ہیں لہٰذا اُن کو الگ کر کے اُن کے متن کا نام د متن رکھ دیا گیا ہے۔

اِس متن کے نُسخے نہایت قدیم ہیں اور یہی متن دُوسری صدی کے قدیم لاطینی تراجم اور قدیم لاطینی ترجمہ میں پایا جاتا ہے۔ قبطی ترجمہ صعیدی میں بھی یہی متن ملتا ہے۔ نُسخہ بیزا میں بھی یہی متن محفُوظ ہے۔ مُختلف ممالک کے قدیم ابتدائی مسیحی مصنّفین کی تصنیفات میں بھی یہی متن ہم کو ملتا ہے۔ مثلاً دُوسری صدی میں جسٹن شہید، مُشین، مارشیّن اور اِرینیوس اور دُوسری صدی کے آخر میں سکندریہ کا کلیمنٹ اور ٹرٹولین اور تیسری صدی کے شروع میں ہپولیٹس اور چوتھی صدی میں شامی مُصنّفین خطاً افراتیس[2] اور افرائیم وغیرہ اِس متن کا استعمال کرتے ہیں۔

---

[1] Δ Type [2] Aphraates, Ephraem.

اب اگر الف متن کو غیر مستند سمجھ کر چھوڑ دیا جائے تو محققین کے سامنے یہ سوال درپیش ہے کہ کیا ب متن صحیح ترین متن ہے یا د متن زیادہ معتبر ہے۔ ہم نے اُوپر دیکھا ہے کہ ب متن نہایت قدیم متن ہے، کیونکہ یہ اُس نسخہ کی نقل ہے جو خود انجیل شریف کے مصنفین کے طوماروں سے نقل کیا گیا تھا۔ د متن کی قدامت بھی ظاہر ہے اور مختلف ممالک کے قدیم تراجم اور قدیم مسیحی مصنفین کی کتب اُس کی قدامت کے شاہد ہیں۔

لیکن جیسا ہم اُوپر ذکر کر چکے ہیں د متن کے نسخے سوائے اُن چند آیات کی موجودگی کے کسی اور بات میں اتفاق نہیں کرتے۔ لہٰذا صحیح معنوں میں یہ ہرگز متواتر اور مسلسل متن نہیں ہے۔ اوریجن جیسے مسلم الثبوت اُستاد اور نقاد نے دوسری صدی کے آخر اور تیسری صدی کے شروع میں د متن کو مستند تسلیم نہ کیا، اور ب متن کو ہی اختیار کیا۔ ب متن کے نسخے نہایت معتبر ثابت ہوئے ہیں اس متن کی اندرونی صحت اور بیرونی تاریخ اور قدیم مسلم الثبوت اساتذہ کا اس کو مستند اور صحیح قرار دینا اس امر پر دال ہے کہ یہ اپنے حریف د متن سے زیادہ معتبر اور زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ جیسا ہم بتلا چکے ہیں، د متن کے نسخوں میں آپس میں اختلاف ہے اور اگر اتفاق ہے تو صرف چند الفاظ اور آیات کی موجودگی اور عدم موجودگی پر ہی اتفاق ہے۔ باقی امور میں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

پس مذکورہ بالا دونوں محققین تمام شہادتوں کو مدِنظر رکھ کر اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ الف متن اور ج متن کے نسخے صحیح الفاظ اور معتبر ترین متن کو معلوم کرنے میں بہت مدد نہیں دے سکتے، کیونکہ ان نسخوں میں کاتبوں کی غلطیاں موجود ہیں۔ د متن

گو اِن دونوں سے زیادہ قدیم ہے تاہم وُہ ب متن کے پایہ کو نہیں پہنچتا۔ کیونکہ ب متن کے نسخے صحیح ترین معتبر ترین اَور قدیم ترین ہیں۔ اَور یہ نسخے اُس نسخہ کی نقل ہیں جو خود اناجیل نویسوں کے طوماروں سے نقل کیا گیا تھا۔

اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ جتنی آیات عہدجدید کے پُرانے اڈیشن میں سے خارج کی گئی ہیں (جن کا ذکر حِصّہ دوم کے باب اوّل میں کیا گیا ہے)، وُہ د متن کا حِصّہ ہیں اَور ب متن میں نہیں پائی جاتیں۔ چونکہ ب متن صحیح ترین ہے پس ظاہر ہے کہ یہ آیات اَور دیگر الفاظ (جن کو خارج کیا گیا ہے) بعد کے کاتبوں کی غلطیوں کی وجہ سے ایزاد ہو گئے تھے اَور انجیل جلیل کی اصلی عبارت کا حِصّہ نہیں تھے کیونکہ ب متن صحیح ترین متن ہے اَور اُن طوماروں سے نقل کیا گیا ہے، جو انجیلِ جلیل کے الہامی مصنفین کے مُبارک ہاتھوں نے لکھے تھے۔

بابِ نہم

کتابِ مُقدّس کے اُردُو تراجم

انجیلِ جلیل کا سب سے پہلا اُردُو ترجمہ ڈنمارک کے پادری شلٹز (Schultze) نے ۱۷۳۹ء میں شروع کیا، اَور ۱۷۴۱ء میں ختم کیا۔ پادری صاحب مرحوم نے کتاب

پیدائش کے چند ابواب۔ زبور کی اور دانی ایل کی کتاب کا بھی اردو میں ترجمہ کیا لیکن چونکہ مرحوم جنوبی ہند میں رہتے تھے اور اردو زیادہ تر شمالی ہند میں مروج تھی لہٰذا اس ترجمہ کی اردو نہایت معمولی قسم کی تھی۔ سنہ ۱۸۰۴ء میں پادری ولیم ہنٹر (William Hunter) نے چند ہندوستانی اصحاب کی مدد سے اناجیل کا ترجمہ کیا۔

پادری ہنری مارٹن[1] کا نام اردو ترجمہ کے سلسلہ میں تا ابد زندہ رہے گا۔ وہ سنہ ۱۸۰۶ء میں ہندوستان آیا۔ آتے ہی اس نے سنہ ۱۸۰۸ء میں انجیل جلیل کا ترجمہ مرزا فطرت کی مدد سے شروع کیا اور مارچ سنہ ۱۸۰۸ء میں اختتام کو پہنچایا۔ یہ ترجمہ بہت اچھے پایہ کا ہے۔ اس کی ایک جلد راقم الحروف کے پاس سنہ ۱۸۲۹ء کی ہے۔ اس اردو ترجمہ کو دیوناگری رسم الخط میں سنہ ۱۸۱۷ء میں چھاپا گیا اور اس پر پادری بولی Bowley نے انجیل کے ہندی ترجمہ کی بنیاد رکھی۔

سنہ ۱۸۴۱ء میں بنارس کی کمیٹی نے عہدِ جدید کی کتب کا اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ پادری ہنری مارٹن مرحوم کے ترجمہ پر مبنی تھا۔ اس کمیٹی کا صدر ڈاکٹر میتھر[2] تھا اور اس میں مرزا پور کے دو ہندوستانی مسیحی بھی شریک تھے۔ ان میں سے ایک ہری بلد تھے، جو برہمنوں میں سے عیسائی ہوئے تھے اور دوسرے جان مسیح تھے جو ایک مسیحی شاعر تھے۔ ڈاکٹر فنڈر بھی گاہے گاہے اس کمیٹی کی مدد کرتے تھے۔

سنہ ۱۸۴۴ء میں عہدِ عتیق کی تمام کتب کا اردو میں ترجمہ ہو گیا۔ ڈاکٹر میتھر نے عہدِ جدید کے سنہ ۱۸۴۱ء کے ترجمہ کی نظرِ ثانی کر کے دونوں عہدناموں کو شائع کرایا۔ اس ترجمہ کا نام ہم سہولت کی خاطر بنارس کا ترجمہ رکھیں گے۔ جناب رمہ بابو صاحب سکینہ

---

[1] Henry Martyn.　　[2] Mather.

اپنی کتاب "تاریخ ادب اردو" میں لکھتے ہیں کہ "پوری بائبل کا ترجمہ سیرام پور کے پادریوں نے سنہ ۱۸۱۶ء لغایت سنہ ۱۸۱۹ء میں پانچ جلدوں میں شائع کیا۔" (حصہ دوم صفحہ ۲) سنہ ۱۸۵۵ء سے سنہ ۱۸۶۰ء تک ڈاکٹر میتھر بنارس کے ترجمہ کی نظرثانی کرتا رہا۔ نظرثانی کے بعد ایک نئی ایڈیشن رومن اور عربی رسم الخط میں سنہ ۱۸۶۷ء میں مرزاپور سے شائع کی گئی اور مدت تک اردو خوان پبلک اس کو استعمال کرتی رہی۔ سہولت کی خاطر ہم اس کا نام مرزاپور کا ترجمہ رکھیں گے۔

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں پرانا انگریزی "ترجمہ" آتھورائزڈ ورشن سنہ ۱۶۱۱ء میں کیا گیا تھا۔ ہم گذشتہ باب میں بتلا چکے ہیں کہ اُس وقت انگریز مترجمین کے پیش نظر قدیم ترین نسخے نہ تھے۔ ان تمام نسخوں کا متن بھی الف متن تھا۔ پس ظاہر ہے کہ یہ انگریزی ترجمہ بہترین متن پر مبنی نہ تھا۔ بنارس اور مرزاپور کے اردو ترجمے اسی انگریزی ترجمہ کے الفاظ کے تراجم تھے۔ یونانی کے ہزاروں نسخے جو اب ہمارے پاس موجود ہیں بنارس اور مرزاپور کے ترجموں کے شائع ہونے کے بعد دستیاب ہوئے ہیں۔ پس یہ ضرورت لاحق ہوئی کہ ایک نیا ترجمہ اردو میں کیا جائے جو صحیح ترین متن پر مبنی ہو۔

بنارس اور مرزاپور کے ترجموں میں ایک اور نقص بھی تھا۔ اُن کی زبان ناقص تھی کیونکہ وہ شمالی ہند کے جنوب مشرقی علاقہ کی اردو تھی۔ لیکن دہلی اور لکھنؤ کی زبان ٹکسالی زبان خیال کی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں اردو نثر نے سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ پس زبان کے لحاظ سے بھی یہ ضرورت لاحق ہوئی کہ ایک نیا ترجمہ کیا جائے جس کی اردو اعلیٰ قسم کی ہو۔

بائبل سوسائٹی نے اس غرض کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جو سنہ ۱۸۹۴ء سے

۱۸۹۹ء تک کتبِ عہدِ جدید کی نظرِ ثانی کرتی رہی۔ یہ کمیٹی پادری ایچ۔ ای۔ پرکنس[1]
پادری ایچ۔ یو۔ واٹ بریجٹ سٹینٹن۔ لالہ چندو لعل۔ پادری آر۔ ہاسکنس۔ پادری
سی۔ بی۔ نیوٹن۔ پادری ٹی۔ جے۔ سکاٹ۔ پادری تاراچند۔ پادری جے۔ جی۔ ڈین
ڈاکٹر جے۔ سی۔ آر۔ یوئنگ۔ پادری ڈبلیو۔ ہوپر۔ پادری سی۔ اے۔ آر۔ جنویر۔ پادری
ڈبلیو۔ مانسل اور ڈاکٹر ایف۔ جے۔ نیوٹن پر مشتمل تھی۔ یہ نیا اُردو ترجمہ ۱۸۸۱ء کے
انگریزی ترجمہ پر جس کو ریوائزڈ ورشن کہتے ہیں مبنی تھا۔ اس انگریزی ریوائزڈ ترجمہ کی کمیٹی
کے ممتاز ترین رکن بشپ ویسٹکٹ (Westcott) اور ڈاکٹر ہورٹ (Hort)
تھے جن کا ذکر ہم گذشتہ باب میں کر چکے ہیں۔ یہ ترجمہ نسخہ ویٹی کن اور نسخہ سینا کے
متنوں پر مبنی ہے۔ انگریزی کمیٹی کے ارکان اُن ہزاروں نسخوں کی مختلف قراتوں سے
بخوبی واقف تھے اور اُنہوں نے سب متن کو اختیار کر کے انگریزی خوانوں کے سامنے
ایک ایسا ترجمہ رکھ دیا جو صحیح ترین متن پر مشتمل تھا۔ اس ترجمہ میں سے وہ تمام آیات
والفاظ خارج کر دیئے گئے ہیں جو صحیح ترین اور قدیم ترین نسخوں میں نہیں تھے۔

۱۹۰۰ء کا نیا اُردو ترجمہ اسی صحیح ریوائزڈ انگریزی ترجمہ پر مبنی ہے۔ بنارس
اور مرزا پور کے ترجموں کے وقت قدیم اور معتبر اور صحیح نسخے مترجمین کے سامنے
نہیں تھے، کیونکہ وہ اُس کے بعد دستیاب ہوئے ہیں اور نہ وہ مترجمین ایسے محقق
تھے کہ مختلف متنوں کی صحت کو اصولِ تنقید کے مطابق جانچ سکتے۔ علاوہ ازیں اُردو
ان مترجمین کی مادری زبان نہ تھی۔ وہ مبلغین تھے جنہوں نے مسیحی پیغام کو اُردو لباس
پہنایا۔ اب جو نیا کتبِ عہدِ جدید کا ترجمہ ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے وہ سب متن

1. H. E. Perkins, H. U. W. Stanton, R Hoskins, C. B Newton
T. J. Scott, J. G. Dann, Ewing, Hooper, Janvier, Mansell.

پر مبنی ہے جو صحیح ترین متن ہے کیونکہ اس متن کے نسخے اُن نسخوں کی نقل تھے جو کتب عہدِ جدید کے مصنفین کے مقدس ہاتھوں نے لکھے تھے۔ پس ہم وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انجیل کا جو اُردو ترجمہ اب ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ اس صحیح اور معتبر ترین متن کا ترجمہ ہے جو انجیل جلیل کے مصنفین نے لکھی تھی۔ جہاں تک انسانی عقل کام کر سکتی ہے اِس سے زیادہ معتبر اور زیادہ صحیح عبارت رُوئے زمین پر موجود نہیں۔

۱۹۳۰ء میں عہدِ عتیق کی کتبِ مقدسہ کا نیا اُردو ترجمہ شائع ہو گیا۔ یہ اُردو ترجمہ مرزا پور کے اُردو ترجمہ کی تصحیح ہے۔ مترجمین کمیٹی کے صدر پادری جرئیل واعظ لال صاحب دہلوی تھے لیکن آپ امثال ۱۰ : ۲۸ تک ہی ترجمہ کر سکے جب آپ اس آیت کے الفاظ "صادقوں کی اُمید خوشی ہوگی" لکھ چکے تو آپ کے دل کی حرکت اچانک بند ہو گئی اور آپ کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ آپ کے وفات کے بعد پادری ولیم محمد اسمٰعیل صاحب صدر مترجم ہوئے۔ یہ کمیٹی مختلف اوقات میں پادری ولیم مچن[1]۔ بشپ سی۔ ڈی۔ راکی۔ ڈاکٹر عنایت اللہ ناصر۔ پادری دینا ناتھ گوڑ دہلوی اور راقم الحروف پر مشتمل تھی۔ اِن مترجمین کی کوشش یہ تھی کہ جہاں تک انسانی طاقت سے ہو سکتا ہے اُردو ترجمہ زبان اور متن کے لحاظ سے صحیح اور معتبر ہو۔ اور اب اُردو خوان پبلک کے ہاتھوں میں کتبِ مقدسہ کا صحیح ترین متن خدا کے فضل و کرم سے موجود ہے۔ اِس نعمت کے لئے اُس کی حمد و تمجید ابدالآباد ہوتی رہے۔ آمین۔

---

1. W. Machin, Bishop Rockey.

ضمیمہ

(رئیس المناظرین مسٹر اکبر مسیح صاحب مرحوم کے مضامین کا مجموعہ)

صحتِ کُتبِ مُقدّسہ از رُوئے قُرآن

فصل اوّل۔ قُرآن اور الکتاب

مسئلہ تحریف کی ابتدا

نہایت چلتی ہوئی دلیل عیسائی پادریوں کے پاس یہ تھی کہ قُرآن اپنی صداقت پر توریت اور انجیل وغیرہ کُتبِ مُقدّسہ کو گواہ لاتا ہے اور اپنے آپ کو اُن کا مصدّق ٹھہراتا ہے۔

مسلمانوں نے نفس الامر کو دیکھا نہیں یا عیسائیوں کی کتابیں پڑھی نہیں یا پڑھیں تو سمجھی نہیں۔ اِس مشکل سے نکلنے کی اُنہیں بس یہی راہ سجھائی دی کہ عیسائیوں نے قُرآن کی عداوت میں اپنی کتابیں بدل کر بگاڑ ڈالیں۔ پس یہ وہ کتابیں ہی نہیں جن کی تصدیق قرآن شریف نے کی تھی۔

یہاں سے صاف عیاں ہے کہ مسئلہ تحریف جو عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان اتنے زمانہ سے نزاعی ہے۔ اُس کی پیدائش جاہلوں کے مکابرہ میں ہوئی۔

ورنہ اِس کا وجود نہ کُتبِ مُقدسہ میں ہے نہ قرآن شریف میں بلکہ یہ محض ایک بے بُنیاد افترا ہے جو نہ صرف حقیقت الامر کے خلاف ہے جیسا ناظرین پر ظاہر ہو جائے گا۔ بلکہ معمولی فہم و فراست کے بھی، اور قرآنی نصوص کے تو عین ضد ہی ہے۔

الکتاب کی اصطلاح

قرآن شریف نے یہودیوں اور عیسائیوں کو اہل الکتاب کا نام دیا یعنی کتاب والے۔ نہ اس لئے کہ اُن سے پہلے اور پیچھے دُنیا میں کسی قوم کے پاس کتابیں نہیں رہیں بلکہ اس لئے کہ عیسائیوں کے پاس مقدس کتابوں کا ایک ایسا ذخیرہ تھا جس کو تخصیص کے ساتھ الکتاب کہا گیا۔

واضح ہو کہ قرآن شریف نے جس کو عربی اصطلاح میں الکتاب کہا ہے اُسی کو عیسائی اپنی مذہبی زبان یونانی میں اصطلاحاً بائبل کہتے ہیں۔ ہر دو لفظ ہم معنی ہیں۔ مسلمانوں کے کان اِس عیسائی اصطلاح سے بالعموم ناآشنا تھے۔ اِس لئے اُن کو یہ سمجھنے میں دقت رہی کہ الکتاب اور بائبل اور اہل الکتاب اور بائبل والے بالکل ایک ہی بات ہے۔ مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم کو بھی جنہوں نے ایک عمر بائبل شریف کو محرّف ثابت کرنے میں کاٹی آخر ایک جگہ ضرورت لاحق ہوئی کہ وُہ اِس حقیقت پر سے پردہ اُٹھا دیں۔ چنانچہ آپ نے اپنی آخری مشہور کتاب اظہار الحق میں فرمایا ہے اور بہت سچ فرمایا۔" اہل کتاب نے اپنی کتابوں کو دو قسموں پر منقسم کیا ہے۔ ایک وُہ جن کی نسبت دعوے ہے کہ وُہ بواسطہ انبیاء اُن کو قبل عیسیٰ علیہ السلام کے پہنچیں دُوسری وُہ جو جن کی نسبت دعویٰ ہے کہ الہام کے بعد سے عیسیٰ علیہ السلام کے لکھی گئیں پہلی قسم کی کتابوں کے مجموعہ کو عہد عتیق کہتے ہیں دُوسری قسم کے مجموعہ کو عہد جدید اور پھر دونوں عہدوں کے مجموعہ کو بائبل کہتے ہیں۔ یہ لفظ یونانی ہے بمعنی" الکتاب"

(ترجمہ صفحہ ۳۲۸) تمام جہان کی کتابوں میں یہ کتاب ایسی عزت والی اور واجب التعظیم مان لی گئی کہ یہ نام خصوصیت کے ساتھ اس کا پڑ گیا اور صرف اسی کے ماننے والے صاحب کتاب کہلائے۔

قرآن عربی بائبل

قرآن شریف کریم بلا مبالغہ اور واقعی عربی بائبل کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ زیادہ حق یہ ہوگا کہ خود قرآن شریف نے اپنے آپ یہی مانا اور منوایا ہے۔ لیکن بعض لوگ جو اصولی اتحاد پر پردہ ڈال کر ہمیشہ فروعی تضاد کا جھنڈا بلند کرکے میدانِ کارزار گرم رکھنا چاہتے ہیں، اس حقیقت کو گویا بالکل بھلا چکے۔ لہٰذا انہیں یاد دلانا پڑا کہ قرآن شریف میں ایک آیت اس طرح وارد ہوتی ہے۔ وَهٰذَا الْكِتٰبُ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ○ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ (انعام ع ۱۹) "یہ کتاب (قرآن) جو ہم نے اُتاری برکت والی اس کی پیروی کرو، اور ڈرتے رہو۔ شاید تم پر رحم کیا جائے کہ تم کبھی یہ نہ کہو کہ بائبل (الکتاب) تو صرف دو ہی قوموں (یہود و نصاریٰ) پر اُتاری گئی تھی۔ مگر ہم تو اس کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر تھے۔ یا کہو کہ اگر بائبل (الکتاب) ہمارے اُوپر اُتاری جاتی تو بلاشک ہم اُن لوگوں سے زیادہ راہِ راست پر چلنے والے بنتے۔ پس تمہارے پاس بھی تمہارے رب کی طرف سے ایک دلیل اور ہدایت اور رحمت آگئی"۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ اہلِ عرب انبیاء کے دین پر نہ چلنے کا یہ عذر

کرتے تھے کہ بائبل خدا کی کتاب یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے نازل ہوئی اور وہ عبرانی اور یونانی غیر زبانوں میں ہے، جن کو ہم نہ پڑھ سکتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں پس انبیاء کا دین اُن کو مبارک رہے۔ اگر وہ ہمارے واسطے ہوتا تو بائبل (الکتاب) ہم پر عربی میں نازل ہوتی اور اگر ایسا ہوا ہوتا تو ہم یہودیوں اور عیسائیوں سے بڑھ کر ہمارا استنباط اور دینداری نکلتے۔ قرآن نے رفعِ حجت کی خاطر اُن کی بات مان کر اُن کا عذر مٹایا اور فرمایا کہ تم بائبل کو نہیں سمجھ سکتے تھے، اسی لئے خدا نے تم پر بھی مثل یہود و نصاریٰ کے ایک کتاب تمہاری اپنی زبان میں اتاری۔ یہی عربی قرآن تمہاری عربی بائبل ہے جو تم سے مخصوص ہے۔ اس میں بھی وہی ہدایت درج ہے۔ تم اس کی پیروی کرو جس طرح وہ اپنی بائبل کی کرتے ہیں۔

اب یہ سوچنا چاہئے کہ قرآن شریف یہ نہیں کہتا کہ یہود و نصاریٰ کی کتابیں بگڑ گئیں یا محرف و مبدل ہو گئیں یا قابلِ تمسک نہیں رہیں۔ اس لئے ایک نئی کتاب دنیا پر نازل کرنا پڑی بلکہ برعکس اس کے اپنے وجود کی علتِ غائی یہ بیان کرتا ہے کہ ان کتابوں سے اہل عرب اپنی جہالت کی وجہ سے غافل رہے اس لئے ان کی زبان میں ایک کتاب نازل ہوئی جو انہی پہلی کتابوں کے مضامین پر شامل ہے یعنی کتب مقدسہ میں کوئی کمی یا کمی واقع نہیں ہوئی تھی جس کا رفع کرنا ضروری تھا، بلکہ کمی اور کمی قوم عرب میں تھی جو بجز اس کے دور نہ ہو سکتی تھی کہ اُن کی اپنی زبان میں بھی ایک ویسی ہی کتاب نازل کی جائے۔ پس قرآن مجید کی نوعیت سے ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ کا فیصلہ ٹھہرا اور اس سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ اگر عرب بائبل مقدس کو سمجھ بوجھ سکتے یا اُن کا جہل اور ضد رفع ہو سکتا تو قرآن شریف کے آنے کی مطلق حاجت نہ

ضرورت نہ ہوتی۔

یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ کفارِ عرب کا یہ بہانہ کہ ہم بائبل کو نہیں سمجھ سکتے واقعی تھا یا نہیں لیکن جب قرآن نے اُس کو باطل کر دیا اور اُن کو عذر باقی نہ رہا۔ اُنہوں نے کھل کے بے ایمانی اختیار کی اور علانیہ یہ قابل نفرین بات کہی۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ۔ کہنے لگے کافر لوگ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے اس قرآن پر اور نہ اُس پر جو اس کے آگے (یعنی الکتاب بائبل پر) (سباع ۴)۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ قرآن شریف کو صرف عربی بائبل ہونے کا دعویٰ تھا اور اسی حیثیت سے وہ کفارِ عرب کے سامنے آیا اور اسی حیثیت سے یہود و نصاریٰ کے عتی کر اس نے اپنا نام ہی رکھ دیا۔ هٰذَا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا۔ یہ کتاب ہے مصدق کتب سابقہ کی زبان عربی میں (احقاف ع ۱)۔ اور مسلمانوں کی تعریف یہ بتلائی تُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ (آل عمران ع ۱۲) جو ایمان لاتے ہیں ساری کی ساری الکتاب (بائبل) پر۔ اس لئے قرآن نے یہودیوں سے استدعا کی کہ تم بھی قرآن کو مان لو۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ (بقرہ ع ۱۱) یعنی "جب اُن سے کہا جاتا ہے ایمان لاؤ اُس پر جو خدا نے اُتارا۔ کہتے ہیں ہم تو اُس پر ایمان لاتے ہیں۔ جو ہم پر اُتارا گیا اور انکار کرتے ہیں اُس کا جو اس سے علاوہ ہے۔ حالانکہ وہ بھی حق ہے اور تصدیق کرتا ہے اُس کی جو اُن کے پاس ہے"۔ یہاں قرآن کا ذکر نہیں آیا لیکن زیادہ لطیف اشارہ ہے، یہودی بائبل شریف کا صرف ایک حصہ مانتے ہیں جس

کو عہد عتیق کہتے ہیں۔ اور دُوسرے حصّہ یعنی عہدِ جدید کا اِنکار کرتے ہیں۔ اِسی لئے قرآن شریف نے اُن کو اَلَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ (نساء ع ۸) یعنی وُہ جن کو الکتاب کا ایک حصّہ ملا پس اُن سے یہ کہا گیا کہ خُدا نے جو کچھ بائیبل کہیں اُتارا اُس کو مانو۔ اگر وُہ یہ بات مان لیتے تو اُن کو انجیل بھی ماننا پڑتی اور اُس کے ساتھ قرآن بھی۔ لہٰذا اُنہوں نے ایسا جواب دیا جس سے دونوں کے مُنکر بنے رہنے کا حیلہ ہاتھ میں رہے۔ اور بولے "جو کچھ ہم پر اُترا، اُس کے علاوہ کسی اور کو ہم نہیں مانتے"۔ یہ اپنی نوعیت میں اُسی قسم کا حیلہ تھا جو کفارِ عرب نے کیا تھا یعنی وُہ توریت و انجیل دونوں کے منکر ہونے سے۔ یہ کہہ کے کہ وُہ ہم پر نہیں نازل ہُوئیں اور یہُودی صرف انجیل کے منکر تھے کہ وُہ ہم پر نہیں اُتری۔ قرآن نے اُن کے عذر کو اِس قول سے باطل کیا کہ جو اِس کے علاوہ ہے وُہ تو اُسی کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے اور یہ تعریف انجیل اور قرآن دونوں پر حاوی ہے۔ کیونکہ قرآن نے فرمایا کہ جس طرح انجیل توریت وغیرہ کی تصدیق کرتی ہے جو اُس سے پہلے موجود تھیں اُسی طرح قرآن۔ توریت و انجیل سب کی تصدیق کرتا ہے جو اُس کے پہلے موجود تھیں (مائدہ ع ۷)۔ غرضیکہ صاف روشن ہے کہ قرآن شریف نے اپنی صداقت کی بُنیاد ہر حالت میں بائبل شریف ہی پر رکھی۔ کُفارِ عرب کے رد بھی اور یہُودِ عرب کے رد بھی اور عیسائیوں کے رد بھی۔ پس وُہ علماء لوگ جو قرآن شریف کو ماننے کی خاطر اُس کی حمایت میں بائبل شریف کو بے اعتبار قرار دیتے ہیں بالکل اُسی شخص کی مانند ہیں جو اُس ڈال کو کاٹ رہا تھا جس پر وُہ آپ کھڑا تھا۔ مگر سرسید احمد صاحب مرحوم نے ہندوپاک کے مُسلمانوں کو سمجھا دیا کہ وُہ کیا غضب کرتے ہیں اور یہ شرم کی بات ہے مُسلمانوں

کے لئے بھی اور عیسائیوں کے لئے بھی۔

لفظِ انجیل کی اصطلاح عیسائی اپنی اصطلاح میں کل مجموعہ عہدِ جدید کو انجیل کہتے ہیں اور اس لفظ کا اطلاق بالخصوص اناجیلِ اربعہ پر ہوتا ہے۔ اب ہم اِس امر پر ناظرین کو سرسید صاحب کی تحقیق بھی سُن دیتے ہیں: "ہم مسلمان باوجودیکہ حواریینِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہایت مقدس اور پاک اور صاحبِ وحی اور الہام سمجھتے ہیں، اور ان کے کلام کو سچ اور واجب العمل جانتے ہیں مگر انجیل میں داخل نہیں کرتے کیونکہ حقیقت انجیل کی ہمارے مذہب میں وہ وحی ہے جو خدا کی طرف سے لوگوں کی ہدایت کو خاص عیسیٰ علیہ السلام پر اتری۔ اور خود حواری اور تمام لوگ اِس زمانہ کے اُسی کے تابع اور اُسی کے بجانے والے تھے۔ کسی کا یہ منصب نہیں تھا کہ اُس کلام کے سوا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اُترا اپنے الہام یا وحی سے کوئی نیا حکم پیدا کرے اور حواریینِ حضرت عیسیٰ کے بھی اُسی حکم اور اُسی کلام کے پھیلانے والے تھے، نہ اور کسی کے۔ اس سبب سے ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ نامہ ہائے حواریین اور اعمالِ حواریین اور مشاہداتِ حواریین اگرچہ پاک اور مقدس ہیں مگر انجیل میں داخل نہیں۔ لیکن اُن کی تعظیم اور تسلیم ہمارے مذہب کے بموجب ایسی ہے جیسی کہ ہم اپنے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے کلام کو سچ اور واجب التعظیم اور واجب التسلیم سمجھتے ہیں۔"

"اِس کا نتیجہ... ہے کہ بالفرض اگر کسی حواری کا کلام حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے کلام کے برخلاف ہو، اور کوئی تاویل ایسی نہ نکلے جس سے حضرت مسیح اور اس حواری کے کلام کا ایک مطلب ہو جائے، تو ہم حضرت مسیح علیہ السلام کے کلام کو

واجب العمل سمجھیں گے نہ حواری کے کلام کو۔ اور اگر دو حواریوں کے کلام میں باہم اختلاف پائیں گے تو جس حواری نے زیادہ تر تعلیم اور صحبت حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی پائی ہے اُس کے قول کو اختیار کریں گے۔ اور باوجود اس اختلاف کے کسی حواری کی بزرگی اور تقدس میں کچھ شبہ نہیں کریں گے اور نہ اُن کے صاحب وحی اور الہام ہونے میں کچھ شبہ کریں گے، کیونکہ اجتہادیات میں اختلاف ہونا کسی بزرگ کی بزرگی میں کچھ خلل نہیں ڈالتا۔"

سرسید کے زیر اثر مولوی محمد علی صاحب بھی اپنی بیغام محمدی میں یہی کچھ فرماتے ہیں "اس بیان کے بعد یہ سوال ہوگا کہ جس کتاب کو اس وقت انجیل کہا جاتا ہے وُہ تو حواریوں وغیرہ کی تاریخ اور کچھ خطوط ہیں۔ قرآن مجید اُن کو انجیل نہیں کہتا پھر وُہ انجیل کہاں ہے جس کی تصدیق قرآن مجید کرتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید نے حضرت مسیح کی تعلیمات کو انجیل کہا ہے پس اس مجموعہ عہد جدید میں جو تعلیمات اور نصیحتیں حضرت مسیح کی ہیں وُہ انجیل ہے۔ قرآن مجید اُس کی تصدیق کرتا ہے ماسوا اس کے جس قدر تواریخی امور حواریوں نے بچشم خود دیکھ کر یا سُن کر لکھے ہیں یا جو باتیں اپنی رائے اجتہاد سے بیان کی ہیں اُسے قرآن مجید ہرگز انجیل نہیں کہتا۔۔۔ ہم نہایت مسرت سے بیان کرتے ہیں کہ علمائے محققین مسیحیہ کا قول بھی اسی کے قریب ہے۔" ملہ

بائبل کا مجموعہ اب ہم سرسید کی زبانی یہ بھی سُنائے دیتے ہیں کہ ان کتابوں کا ذکر قرآن شریف نے کس طرح کیا ہے؟ چنانچہ وُہ فرماتے ہیں:۔ "یہ بات جان لینی چاہیئے کہ اگلے نبیوں کی کتابوں کے چار طرح سے نام

ہماری مذہبی کتابوں میں آتے ہیں :-

اوّل "توریت"۔ یہ نام اگرچہ خاص حضرت مُوسیٰ کی کتاب کا ہے مگر ہم مسلمانوں کے استعمال میں کبھی اِس نام سے خاص حضرت مُوسیٰ کی کتاب مُراد ہوتی ہے اور کبھی کُل کتابیں عہدِ عتیق کی۔

دوم "صحیفہ"۔ اِس سے عُموماً بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی کتابیں مُراد ہوتی ہیں۔ مگر اُس صُورت میں جب خاص کسی پیغمبر کا صحیفہ کہا جائے تو اُس وقت اُسی پیغمبر کی کتاب مُراد ہوتی ہے۔

سوم "زبُور"۔ یہ نام خاص حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب کا ہے۔

چہارم "انجیل"۔ یہ نام خاص حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی کتاب کا ہے۔

اب سمجھنا چاہیئے کہ ہم مسلمان دِل سے اِس بات پر یقین کرتے ہیں کہ توریت اور زبُور اور جمیع انبیاء کے صحیفے اور انجیل سب سچ اور برحق ہیں اور خُدا کی طرف سے اُتری ہیں۔ اور سب سے آخیر جو کلامِ الٰہی نازل ہُوا وہ قُرآن مجید ہے اور بلاشک محمد رسُول اللہ صلعم پر اُترا ہے۔

"قرآن مجید ہی سے ہم کو اِس بات کی دلی تصدیق ملتی ہے کہ توریت اور زبُور اور صحفِ انبیاء اور انجیل برحق اور خُدا کی طرف سے اُتری ہُوئی ہیں"

اس کے علاوہ ایک اور اصطلاح بھی ہے جس کی رُو سے کبھی کبھی عہدِ عتیق اور عہدِ جدید کے مجموعۂ کُتب کو صرف توریت اور انجیل ہی کہتے ہیں۔ اِس لئے عہدِ عتیق کے شرُوع میں پانچ کتابیں یعنی توریت ہیں اور عہدِ جدید کے شرُوع میں اناجیل اربعہ جن کو بالتخصیص انجیل کہتے ہیں اور اسی اعتبار سے سرسیّد نے لکھا ہے کہ کبھی عہد

عتیق کی کُل کتابوں کو "توریت" کہتے ہیں: اور مولوی رحمت اللہ اور مولوی عبدالحق نے لکھا کہ کبھی لفظ انجیل کا اطلاق "کتب عہدِ جدید" کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔

چنانچہ بعض آیات قرآن شریف میں اسی تقسیم کا حوالہ ہے۔ مثلاً یا اھل الکتب لستم علی شیء حتی تقیموا التوراۃ والانجیل۔ اے اہلِ کتاب (بائبل والو) تم کسی بات پر نہیں جب تک قائم نہ رکھو توراۃ (عہدِ عتیق) اور انجیل (عہدِ جدید) کو۔ وانزل التوراۃ والانجیل من قبل ھدی للناس۔ اُتاری توریت (عہدِ عتیق) اور انجیل (عہدِ جدید) اس سے پہلے ہدایت لوگوں کو۔

پس ہم توریت اور انجیل کی صداقت پر علاوہ اَور گواہی کے جو اس رسالہ میں درج کی گئی ہے، قرآن شریف کی گواہی مستزاد کرتے ہیں۔ (دیکھو باب ششم، حصہ اوّل) برکت اللہ۔

چنانچہ قرآن بائبل کی صحت کی حفاظت کی نسبت کہتا ہے۔ وَالرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتٰبِ اللہِ وَکَانُوْا عَلَیْہِ شُھَدَآءَ۔ (مائدہ ع ۶) "اللہ کی کتاب (بائبل) پر عابد اور عالم لوگ نگہبان بنے رہے اور اُس کی صداقت پر شاہد رہے" حتیٰ کہ دورِ اسلام آیا اور وہ پاک اور حفاظت میں ملیں کہ حضرت محمد نے اور قرآن نے اُن کی صداقت پر بار بار گواہی دی۔

فصلِ دُوم۔ قُرآن مصدّقِ بائبل

آیاتِ تصدیق قُرآن میں کُتبِ مُقدسہ سابقہ کے وجُود کا مجمل ذکر اس طرح تعظیم کے ساتھ ہوتا ہے۔

(۱) اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۔ یہ کچھ تو لکھا ہُوا ہے پہلے صحیفوں میں (اعلےٰ)۔

(۲) اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۔ آیا اُن کو نہیں پہنچ چکیں نشانیاں اگلے صحیفوں کی (طہ ع ۸)

(۳) وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۔ قرآن موجود ہے اگلوں کی کتابوں میں۔ (شعراء ع ۱۱)۔ اِن کتابوں کے الہی الاصل ہونے کا صاف لفظوں میں اعتراف کیا گیا۔

(۴) فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۔ پھر اللہ نے نبیوں کو اُٹھایا جو خوشی اور ڈر کی خبر سُنانے والے تھے، اور اُن کے ساتھ سچی الکتاب (بائبل) اُتاری تاکہ وہ فیصلہ چُکا دے لوگوں کے درمیان اُن باتوں کا جن میں جھگڑا کریں (بقرہ ع ۲۶)

(۵) لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۔ ہم نے بھیجے رسُول

کھلی نشانیاں دے کر اور ہم نے اُتاری اُن کے ساتھ الکتاب (بائبل) یعنی میزانِ (حق و باطل) تاکہ لوگ قائم رہیں انصاف پر (حدید ع ۱)

مفسّرین نے اِس بات کو خُوب سمجھ لیا ہے کہ اِن دونو آیتوں میں لفظ الکتاب سے مُراد ہیں مجموعہ کُتبِ ہادی اور ہم اُوپر یہ تبلا چکے کہ جس مجمُوعہ کو الکتاب عربی میں کہا گیا ہے اُسی کو اصطلاحاً بائبل کہتے ہیں۔ پس ہم کو الکتاب کا ترجمہ بائبل کرتے ہُوئے کوئی تامل نہیں ہو سکتا اور نہ ہونا چاہئے۔

دُوسری بات غور طلب یہ ہی ہے کہ قُرآن شریف نے نہ صرف ان تمام متفرق کتابوں کو جو مختلف اوقات میں مُختلف نبیوں کے ہاتھ سے ملیں بمنزلہ ایک کتاب واحد کے مان لیا، اور اُن کو الکتاب کہا (بالکل عیسائیوں کے خیال کے موافق)، بلکہ اُن تمام نبیوں کو جو صدیوں کا بیچ دے کر آتے گئے بمنزلہ شخص واحد کے مانا جن کی بعثت کی ایک ہی غرض تھی یعنی وُہ لوگوں کو خوشی اور ڈر کی خبر سُنا دیں اور اُس آسمانی دستُور العمل کے مُطابق جو اُن کو دُنیا کی ہدایت کے لئے ملا تھا بنی آدم کے درمیان عدل و انصاف قائم کریں۔ پس چُونکہ وُہ تمام کتابیں خُدا نے نازل کیں اِس لئے وُہ الہٰی کتابیں ہُوئیں اور انبیاء شخص واحد کا کام دے گئے۔ اب قُرآن شریف کے متعلق جو کہا جاتا ہے کہ وُہ ایک واحد کتاب ہے مگر دفعتہً واحدۃً نہیں بلکہ نجماً نجماً ایک کوڑی برسوں سے زیادہ میں نازل ہُوئی۔ یہ خیال بالکل اُسی خیال کا چربا ہے جو بائبل کی نسبت مسیحی رکھتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ اِس میں مُدّت کم رکھی گئی اور قاصد صرف ایک مانا گیا تاکہ اِس لحاظ سے بھی قُرآن کو عربی بائبل کہا جا سکے۔ اب مُسلمان بہت آسانی سے

سمجھ سکتے ہیں کہ بائبل مُقدس ایک کتاب واحد ہے جس کے اندر ۶۶ کتابیں ہیں۔ جو بجاً بجاً ۱۴ سو سال کے اندر اَلنَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ کے اُوپر اللہ نے نازل فرمائیں۔ اور کہ فِیْهَا کُتُبٌ قَیِّمَةٌ اِسی طرح کا سچا حلیہ ہے جس کو دُوسرے الفاظ میں یُوں لکھا ہے وَ مَا اُوْتِیَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی وَ مَا اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ۔ جو کچھ ملا مُوسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو کچھ ملا نبیوں کو اُن کے رب کی طرف سے۔ یہ ایک ہی مضمون سورہ بقر ع ۱۶ میں اور پھر سورہ آلِ عمران ع ۹ میں آیا ہے اور اُس میں کم سے کم کُل عہدِ عتیق کی تصدیق ہے جس کو توریت اور نبیوں کی کتابوں پر تقسیم کرتے تھے جیسا ہم سطور بالا میں دکھا چکے ہیں۔ اور نیز چاروں اناجیل کی تصدیق ہے جن پر مَا اُوْتِیَ عِیْسٰی کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ بائبل شریف کی تصدیق میں یہی گواہی بھی کافی تھی مگر قرآن نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اِس مضمون کی تکرار میں اُس کو قندِ مکرر کا مزا ملتا ہے۔ چنانچہ ذیل کی چند آیات ملاحظہ ہوں:-

(۶) وَ مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰی مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ تَفْصِیْلَ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥ اور یہ قرآن ایسا نہیں جسے خُدا کے سوا کوئی اور گھڑے بلکہ وُہ اُس کی تصدیق ہے جو اُس کے سامنے موجود ہے یعنی الکتاب (بائبل) کی تفصیل ہے جس میں شک نہیں کہ وہ پروردگار عالم کی طرف سے ہے (یُونس ع ۴)۔

اس جگہ بائبل مُقدس کو جیسا عیسائی سمجھتے تھے نہ صرف اَلْكِتٰب

لَا رَیْبَ فِیْہِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ فرمایا بلکہ قرآن کے منجانب اللہ ہونے کا مدار تصدیق بائبل پر رکھا۔ گویا اعتراف کیا کہ اگر قرآن پہلی کتابوں کی تصدیق نہ کرتا تو ایسا گمان کرنا بیجا نہ ہوتا کہ سوائے خدا کے وہ کسی اور کی من گھڑت ہے۔

(۷) مَا کَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی وَلٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ (یوسف رکوع ۱۲)، "یہ قرآن کوئی بنائی ہوئی بات تو ہے نہیں بلکہ ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس (کے زمانۂ نزول) سے پہلے (موجود) ہیں (ترجمہ نذیر احمد بقرہ ع ۱۲)۔

(۸) ھٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ مُبٰرَکٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ۔ "یہ (قرآن بھی) کتاب (آسمانی) ہے۔ جس کو ہم نے اُتارا ہے۔ برکت والی (کتاب) ہے اور جو (کتابیں) اس (کے زمانۂ نزول) سے پہلے (کی موجود) ہیں اُن کی تصدیق (بھی) کرتی ہے" (ترجمہ نذیر احمد۔ انعام ع ۱۱)۔

(۹) وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ الْکِتٰبِ وَمُھَیْمِنًا عَلَیْہِ۔ "اور (اے پیغمبر) ہم نے تمہاری طرف (بھی) کتاب برحق اُتاری کہ جو کتابیں اس کے اُترنے کے وقت پہلے سے (موجود) ہیں اُن کی تصدیق کرتی ہے، اور اُن کی محافظ (بھی) ہے" (ترجمہ نذیر احمد۔ مائدہ ع ۷)۔ ہم جیسا بتا چکے ایسے مقام پر الکتاب سے مراد بائبل ہے۔ پس اس کا بھی ترجمہ یہی ہونا چاہیئے کہ "قرآن تصدیق کرتا ہے بائبل کی جو اس کے سامنے موجود ہے اور اس کا محافظ ہے"۔

بَیْنَ یَدَیْہِ کے لفظی معنے ہیں "درمیان دونو ہاتھوں اُس کے کے" جس سے مُراد کسی شے کا سامنے موجُود ہونا ہوتا ہے۔ اور اس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ ہم پوری آیت کو اُوپر نقل کر چکے ہیں جہاں دکھلایا گیا کہ جس معنی میں حضرت محمدؐ اور قرآن نے کُتبِ یہود و نصاریٰ کی تصدیق کی تھی اُسی معنی میں قرآن کے نزدیک مسیح و انجیل نے کُتبِ یہود کی تصدیق کی تھی۔ جس کا ترجمہ مُطابق حافظ نذیر احمد صاحب یہ ہے "اور بعد کو انہیں پیغمبروں کے قدم بقدم ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو چلایا کہ وہ توریت کی جو اُن کے (وقت میں) پہلے سے (موجُود) تھی تصدیق کرتے تھے" اور ہم بسند سرسید مرحُوم کہہ چکے ہیں کہ توریت سے یہاں "کُل کتابیں عہدِ عتیق کی" مُراد ہیں۔ یعنی حضرت مسیح نے کُتبِ عہدِ عتیق کو اپنے رُوبرُو جس حیثیت سے پایا، اُن کی تصدیق فرما دی اور اب بجنسہٖ اسی روش پر حضرت محمد تشریف لائے۔ اور آپ نے عہدِ عتیق و عہدِ جدید کے مجموعہ یعنی الکتاب (بائبل) کو اپنے سامنے موجُود پایا اور جس حیثیت سے پایا بسر و چشم قبُول کر کے اُس کی تصدیق فرما دی۔ پس بَیْنَ یَدَیْہِ کہہ کر گویا آپ نے یہ کہہ دیا کہ ہم کسی غائب و فرضی کتاب کی نہیں بلکہ اُسی کی تصدیق کر رہے ہیں جو ہمارے اپنے مُلک میں ہمارے عصر میں ہماری آنکھوں کے آگے موجُود ہے۔

ہم قُرآن کی حق شناسی کی کہاں تک داد دیں۔ اس نے اسی پر بس نہیں کیا، گو یہ بہت تھا۔ بلکہ یہ کہتے بھی دریغ نہ کیا کہ جن کتابوں کی مَیں تصدیق کر رہا ہُوں وہ وُہی ہیں جو یہودیوں اور عیسائیوں دونو کے ہاتھوں میں موجُود

ہیں اور اُن میں سے ہر ایک فرقہ کے پاس الگ الگ بھی ہیں۔

(۱۰) یَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ۔ اے اہلِ کتاب (قرآن، ہم نے نازل فرمایا ہے۔ اور وہ اُس (کتاب) کی جو تمہارے پاس ہے تصدیق بھی کرتا ہے۔ اُس پر ایمان لے آؤ" ترجمہ نذیر احمد۔ نساء ع ۶)

(۱۱) یَا بَنِي إِسْرَائِيلَ .... وَآمِنُوا بِمَا أَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ اے بنی اسرائیل تم اِس (کتاب) پر ایمان لاؤ جو نازل ہوئی جو تصدیق کرتی ہے اُس (کتاب) کی جو تمہارے پاس موجود ہے۔ (بقرہ ع ۵)

(۱۲) وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ۔ اور پہنچی اِن (یہود) کے پاس ایک کتاب (قرآن) خدا کی طرف سے، جو تصدیق کرنے والی ہے اُس (کتاب) کی جو اُن کے اپنے پاس ہے۔ (بقرہ ع ۱۱)۔

(۱۳) وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَهُمْ۔ حالانکہ وہ (قرآن) حق ہے اور تصدیق کرنے والا اُس (کتاب) کی جو اِن (یہودیوں) کے پاس موجود ہے (بقرہ ع ۱۱)۔

پس پہلی آیت جس میں اہل کتاب عموماً مخاطب ہیں، یعنی یہودی بھی اور عیسائی بھی۔ اِس میں دونوں کی کتابوں کی یکجا تصدیق کر دی اور دُوسری آیتیں جہاں صرف یہودی مخاطب ہیں، اُن میں صرف اُنہیں کتابوں کی جو اُن کے پاس موجود ہیں تصدیق کر دی۔

جو آیتیں ابھی ہم اُوپر نقل کر چکے ہیں۔ اِن پر مولوی صاحب مذکُور کا ایک اعتراض ہے "قرآن مجید میں لفظ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ اور مَعَكُمْ" چار جگہ آیا ہے۔ اِن چاروں مقام پر خاص یہُود مخاطب ہیں اَور توریت کی تصدیق مُراد ہے .... فقرہ مذکور کو انجیل کی تصدیق سے کچھ واسطہ نہیں"۔

مولوی صاحب نے نہایت غلط بات کہی، کیونکہ سورۃ نساء والی آیت میں جس پر ہم نے نمبر ۱۰ ڈالا ہے۔ جُملہ اہلِ کتاب کو خطاب ہے جس میں عیسائی ضرُور شامل ہیں اَور مولوی صاحب کبھی نہیں کہہ سکتے کہ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْنَا کے حکم سے اُن کو خارج کیا گیا ہے۔ پس اس کو صرف یہُودیوں سے مخصُوص کرنا خطا ہے۔ اِس حُکم میں عیسائی اَور اُن کے پاس جو انجیل ہے ضرُور داخل ہیں۔

مولوی صاحب کا یہ فرمانا بھی غلط ہے کہ اگر صرف یہُود مُراد ہوں، تو صرف "توریت کی تصدیق مُراد" ہو گی۔ وُہ بھُولتے ہیں کہ یہُود کے پاس صرف ایک کتاب توریت ہی نہ تھی، بلکہ عہدِ عتیق کی جملہ کتابیں اَور اُن کے سوائے کچھ اَور بھی۔ پس تصدیق بہُت وسیع ہے اَور آپ "مَعَكُمْ" کے زور کو تاویلوں سے گھٹا نہیں سکتے۔ مگر مَعَهُمْ پر ایسی رقیق حُجّت اُٹھانے کے بعد بھی آپ کو امان نہیں مِل سکتی، جبکہ اس کا مترادف کلمہ عِنْدَهُمْ اِسی موقع پر موجُود ہے۔ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ " پاتے ہیں اس کو لکھا ہُوا اپنے پاس توریت کے اندر اَور انجیل کے اندر" (اعراف ع ۱۹)۔ اَور جب بَيْنَ يَدَيْهِ کہہ کر قرآن انجیل کی بھی تصدیق کر چکا جبکہ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ"۔ اُس کے اندر ہدایت و نور"

کا قائل ہو چکا جس کی ہم بہت جلد تفصیل بیان کرنے والے ہیں۔

اب جو اس قدر روشن ہو گیا کہ قرآن شریف نے کس قسم کی کتابوں کی تصدیق فرمائی ہم چند آیتیں ایسی نقل کرتے ہیں جن سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس تصدیق اجمالی کی نوعیت کیا ہے اور آیا اس سے بڑھ کر تصدیق ممکن بھی ہے :-

(الف) **توریت موسیٰ کی شان میں :-**

(۱۴) وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِندَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝ إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِن كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ۚ " اور (یہ لوگ) کیوں تمہارے پاس مقدمے فیصلے کو لاتے ہیں جب کہ خود اُن کے پاس توریت ہے (اور) اُس میں حکم خدا (موجود) ہے۔ پھر اس کے بعد (بھی حکم خدا سے) رُوگردانی کرتے ہیں۔ اور ان کو ذرا بھی ایمان ہی نہیں۔ بیشک ہم ہی نے توریت نازل کی جس میں (ہر طرح کی) ہدایت اور نور (ایمان) ہے (خدا کے فرمانبردار بندے) انبیاء کے علاوہ یہودیوں کے ربّی (یعنی مشائخ) اور علماء (بھی) جو کتاب اللہ کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے۔ اور (وہ) اس کے محافظت کرتے بھی رہے " (مائدہ ع ۷ ترجمہ حافظ نذیر احمد)۔

(۱۵) قُلْ مَنْ أَنزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى لِّلنَّاسِ ۖ تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا ۝

وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ط قُلِ اللّٰهُ (انعام
ع ۱۱) اے محمدؐ۔ یہودیوں سے، پوچھو کس نے اُتارا اُس کتاب کو جسے مُوسیٰ
لایا جو نُور اور ہدایت ہے لوگوں کے لئے جس کو تم نے ورقوں (پے پارے)
پر لکھ رکھا ہے۔ جس کو تم ظاہر بھی کرتے ہو، اور اکثر کو پوشیدہ رکھتے ہو جس کے
ذریعہ تم کو وُہ کچھ سکھایا جو نہ تم جانتے تھے، اور نہ تمہارے باپ دادا (اے
محمدؐ جواب میں) کہو اللہ نے (اُس کو اُتارا) ترجمہ نذیر احمد۔

(۱۶) ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا
لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً۔ ہم نے مُوسیٰ کو کتاب (توراۃ) عطا فرمائی
جس سے نیکو کاروں پر ہماری نعمت پُوری ہُوئی اور اس میں کُل باتوں کے
تفصیلی احکام موجُود ہیں اور (لوگوں کے لئے) ہدایت اور رحمت ہے۔

(انعام ع ۱۹۔ ترجمہ نذیر احمد)

عہدِ عتیق کی شان:-

(۱۷) وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ
هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ۔ اور بے شک ہم نے مُوسیٰ کو ہدایت
بخشی اور ہم نے وارث بنایا بنی اسرائیل کو اس کتاب کا جو ہدایت ہے اور
نصیحت عقلمندوں کے لئے۔ (مومن ع ۶)

ہم نے اِس آیت میں لفظ الکتاب سے مُراد صرف عہدِ عتیق لی ہے جو بنی
اسرائیل سے مخصُوص ہے، جس میں توریت بھی داخل ہے اور زبُور بھی اور کُتب
انبیائے بنی اسرائیل۔ اگرچہ صاحبِ مدارکؔ الکتاب کو اس جگہ بھی ہم جنس قرار

دے کر اس میں تورات وانجیل وزبور سب کو شامل کرتے ہیں (ای التوراۃ والانجیل و الزبور لان الکتاب جنس) لیکن ہم اس میں انجیل کو اس لئے نہیں شامل کرتے کیونکہ وہ بنی اسرائیل سے مخصوص نہیں بلکہ اقوام جہان کے ورثہ میں پڑی۔

انجیل جلیل کی شان:-

(۱۸) فَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ ۝ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ۔ اور ہم نے اُس عیسیٰ کو انجیل دی اور اُس کے اندر ہدایت ہے اور نور اور وہ تصدیق کرتی ہے، توراۃ کی جو اُس کے آگے تھی۔ اور وہ ہدایت ہے اور نصیحت ہے، پرہیزگاروں کے لئے اور واجب ہے کہ حکم کریں انجیل والے اُسی کے مطابق جو اللہ نے اُس کے اندر نازل فرمایا (مائدہ ع ۷)۔

(۱۹) يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ "اے اہل کتاب (بائبل والو) جب تک تم تورات اور انجیل اور اُن (صحیفوں) کو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں قائم نہ رکھو گے تو (دین سے جس کا تم دعوےٰ کرتے ہو) تم کو کچھ بہرہ نہیں۔ (مائدہ ع ۱۰- ترجمہ نذیر احمد)

(۲۰) وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ "اور اگر یہ لوگ تورات اور انجیل اور اُن (صحیفوں) کو جو اُن پر اُن کے پروردگار کی طرف

سے اُترے ہیں، قائم رکھتے تو ضرور (ہم اُن کو ایسی برکت دیتے کہ اُن کے) اُوپر سے (رزق برستا) اور پاؤں کے تلے سے اُبلتا اور یہ فراغت سے کھاتے"۔ (مائدہ ۹ ع ترجمہ نذیر احمد)۔

اِن اخیر دونوں آیتوں میں توریت وانجیل اصطلاحی نام ہے ساری کُتب عہدِ عتیق و عہدِ جدید کا یعنی یہود اور عیسائیوں کی جملہ کُتبِ مُقدسہ کا ان میں ذکر ہے جیسا ہم سطُور بالا میں لکھ آئے ہیں۔

آیات کا مطلب

غور کرنے کا مقام ہے کہ قُرآن کی حقانیت کے اقرار کے لئے اِس سے بہتر کون الفاظ آ سکتے تھے جو ہم آیت نمبر ۱۰ میں نقل کر چکے ہیں۔ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ۔ (اے محمد، اُتاری ہم نے تیری طرف یہ کتاب برحق۔ پھر بجنسہٖ یہی بائبل شریف کی کتابوں کے حق میں فرمایا گیا۔ اَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ۔ (دیکھو آیت نمبر ۴)۔

بڑی سے بڑی تعریف قرآن شریف کی یہ تھی۔ تَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی وَّرَحْمَۃً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔" اس میں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان والے ہیں ہر چیز کا تفصیلی بیان اور ہدایت اور رحمت ہے"۔ (یوسف ع ۱۲، ترجمہ نذیر احمد) توریت کی تعریف میں بھی تو یہی سب کچھ کہا بلکہ اِس سے بھی بڑھ کر اِس کو تَمَامًا عَلَی الَّذِیْٓ اَحْسَنَ کہا جو قرآن کو نہیں کہا گیا۔ (دیکھو آیت نمبر ۱۶) آنحضرت کو قُرآن کے حق میں یہی حکم ہوا تھا۔ اَحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ۔ جو (کتاب) خُدا نے (تم پر) اُتاری ہے اُسی کے مُطابق اُن لوگوں میں حکم دو"۔ (مائدہ ع ۷، ترجمہ نذیر احمد) بجنسہٖ یہی حکم عیسائیوں کو انجیل کے حق میں ہُوا اور اسی سُورہ

کے اِسی رکوع میں (دیکھو آیت نمبر ۱۹)۔

اب اِن آیات کی شہادت سے جو چند امور مستنبط ہوتے ہیں، ان کو ہم اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ مثلاً آیت نمبر ۱۵ سے روشن ہے کہ (۱) ایک کتاب توریت کے نام کی زمانِ نزولِ قرآن میں موجود تھی (۲) وہ کتاب یہود کے پاس تھی (۳) اُس میں اللہ کے احکام تھے (۴) اُس میں ہدایت و نور تھا (۵) اُس کی تلقین انبیاء و مشائخ نسلاً بعد نسل برابر کرتے آتے تھے۔ (۶) اور وہی لوگ اُس کی محافظت کرنے پر مقرر کئے گئے تھے (۷) اُس کتاب کو اللہ نے اُتارا تھا (۸) اور وہ کتاب اُس وقت بھی قابلِ تمسک تھی اور اس سے فتویٰ لیا جاتا ہے۔ (۹) اور کہ وہ کتاب یہودیوں کے لئے کافی و شافی ہے۔

آیت نمبر ۱۶ سے ثابت ہے کہ (۱) جس کتاب کو یہودی توراۃ کہتے تھے اُسی کو حضرت رسول بحکم خدا اللہ کی اُتاری ہوئی مانتے تھے (۲) اُسی کو موسیٰ کی لائی ہوئی مانتے تھے (۳) اُسی کو نور اور ہدایت مانتے تھے (۴) اُسی کو یہودیوں کے ہاتھوں میں موجود مانتے تھے۔

آیت نمبر ۱۹ سے ثابت ہوتا ہے کہ (۱) ایک اور کتاب ہے جس کو انجیل کہتے ہیں (۲) اُس میں ہدایت اور نور ہے (۳) وہ توریت کی تصدیق کرتی ہے (۴) تمام پرہیزگاروں کے لئے وہ ہدایت و نصیحت ہے (۵) وہ اہلِ انجیل یعنی عیسائیوں کے پاس موجود ہے (۶) وہ کتاب پوری طرح قابلِ تمسک ہے (۷) جو مضمون اُس کے اندر ہے، وہ اللہ کا اُتارا ہوا ہے۔

آیت نمبر ۲۰ و ۲۱ سے ثابت ہوتا ہے کہ (۱) جن کتابوں کو تورات و انجیل کہا ہے وہ واجب العمل ہیں (۲) وہ اہلِ کتاب کی مقدس کتابیں ہیں (۳) کہ علاوہ ان کے کچھ اور کتابیں ہیں جو یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس ہیں وہ بھی واجب العمل ہیں (۴) اور کہ اگر اہلِ کتاب اپنی اُن کتابوں پر عمل نہ کریں تو اُن کی بھلائی نہیں۔

اب جس کو زیادہ تحقیق منظور ہو کہ وہ کون کون کتابیں تھیں۔ وہ جو زمانہ نزولِ قرآن میں یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس موجود تھیں۔ وہ مولینا رحمت اللہ صاحب کے اظہار الحق میں ان کی تفصیل دیکھ لے جس کو ہم اُوپر نقل کر چکے ہیں پس ثابت ہو گیا کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے پاس والی کتابوں کی تصدیق کر کے قرآن شریف نے کُل بائبل کی تصدیق کر دی یعنی پرانے عہد نامہ کی اور نئے عہد نامہ کی، بلکہ ان کے علاوہ اُس نے اور کتابوں کی بھی تصدیق کر دی جن کے الہامی ہونے میں اہلِ کتاب کو اختلاف رہا۔ اُس نے اہلِ کتاب کو مخاطب بنا کے اُنہیں کی اصطلاح کا استعمال کیا اور جب وہ انجیل کی تصدیق کرتا ہے تو وہ سارے عہدِ جدید کی تصدیق کرتا ہے جس کو عیسائی انجیل کہتے تھے۔ جیسا کہ عہدِ جدید کے سرورق پر لکھا ہوا موجود ملتا ہے ”کتاب عہدِ جدید یعنی خداوند یسوع مسیح کی انجیل“ قرآن شریف نے کُل کو ایک کتاب سمجھا جیسا عیسائی سمجھتے ہیں اور سب کو خداوند مسیح سے منسُوب کیا اور سب کو برحق اور الہامی مانا اور اس امر کے قطعی ثبوت میں ہم سُورہ عَبَسَ اور اُس کی شانِ نزول بطورِ مثال پیش کرتے ہیں۔

”تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اُس سے کہ آیا اُس پاس اندھا اور تجھ کو کیا خبر ہے شاید کہ وہ سنورتا یا سوچتا تو کام آتا اس کے سمجھانا۔ وہ جو پروا نہیں کرتا سو

تو اُس کی فکر میں ہے، اور تجھ پر گناہ نہیں کہ وہ نہیں سنورتا۔ اور وہ جو آیا تیرے پاس دوڑتا اور وہ ڈرتا ہے۔ سو تو اس سے تغافل کرتا ہے۔ یوں نہیں یہ تو سمجھوتی ہے پھر جو کوئی چاہے اس کو پڑھے۔ لکھی ہے ادب کے ورقوں میں اونچے دھوئے ستھرے ہاتھوں میں لکھنے والوں کے جو سردار ہیں نیک" (ترجمہ شاہ عبدالقادر)

تفسیر عزیزی میں شان نزول اس سورۃ کی یہ بیان ہوئی کہ نبی صاحب مسجد الحرام میں بیٹھے ہوئے عتبہ و ربیعہ و ابوجہل وغیرہ روسا اور امرائے قریش کو اسلام کا وعظ سُنا رہے تھے کہ ہنگام تقریر میں عبداللہ ابن ام مکتوم ایک اندھا اور نہایت غریب صحابی دوڑتا ہوا مجلس میں گھس پڑا اور حضرت کے پاس آ بیٹھا اور بیچ بات کاٹ کر سوال پوچھنے لگا۔ امرا کی موجودگی میں اُس اندھے کا اس طرح آپ سے گفتگو کرنے لگنا آپ کو بہت برا معلوم ہوا۔ اس کو آپ نے چپ کرا دیا اور نہیں پسند فرمایا کہ ان دولتمندوں کو چھوڑ کر آپ اس سے التفات کریں۔ فوراً حضرت جبرائیل یہ آیات لے کر نازل ہوئے اور حضرت کو تنبیہ فرمائی۔

اب غور طلب یہ بات ہے کہ جو نصیحت حضرت جبرائیل لائے اُس کی نسبت کھلے الفاظ میں لکھا ہے "جو کوئی اُس کو پڑھے، لکھی ہے ادب کے ورقوں میں" اب کوئی مولوی صاحب ہم کو بتائے صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ والی وہ کونسی کتاب ہے جس میں اس قسم کی نصیحت لکھی ہوئی مل سکے کہ جو کوئی چاہے اس میں پڑھ لے؟ اس کا پتہ ہم بتلائے دیتے ہیں۔ انجیل مقدس کے اندر جو ۲۰ کتابیں ہیں ان میں ایک کا نام یعقوب کا خط ہے۔ اس کے باب دوم آیت ۱ سے ۹ تک یہ لکھا ہے:-

"اَے میرے بھائیو۔ ہمارے خُداوند یسُوع مسیح کا جو ذوجلال ہے ایمان ظاہر پرستی کے ساتھ مت رکھو۔ اِس لئے کہ اگر کوئی سونے کی انگوٹھی اور براق کپڑے پہنے تمہاری جماعت میں آئے اور ایک غریب بھی میلے کچیلے کپڑے پہنے داخل ہو اور تم اُس ستھری پوشاک والے سے متوجہ ہو اور اُس سے کہو آپ یہاں بخوبی بیٹھئے اور غریب سے کہو تُو وہاں کھڑا رہ یا یہاں میرے پاؤں کی چوکی تلے بیٹھ۔ تو کیا تم نے آپس میں طرفداری نہ کی اور بدگمان حاکم نہ بنے؟ سُنو اَے میرے پیارے بھائیو۔ کیا خُدا نے اِس جہان کے غریبوں کو نہیں چُنا کہ ایمان کے دولتمند اور اُسی بادشاہت کے جس کا اُس نے اپنے محبّوں سے وعدہ کیا وارث ہوں"۔

دیکھئے قرآن کی یہ نصیحت اندھے صحابی کے حالت سے کس طرح لفظ بلفظ مطابقت کھاتی ہے، اور اِس نصیحت کی قرآن شریف نے کس طرح تصدیق فرما دی اور اِس کتاب کو جس کے اندر یہ نصیحت لکھی ہے کیسے بزرگ ناموں سے یاد کیا ہے، ایسے ناموں سے کہ دُنیا کے اندر اِس شان و عظمت کی کوئی کتاب قرآن والوں کو نہیں مل سکتی۔ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۔ وہ لوگ جو اب بھی کہے جائیں کہ انجیل شریف کی تصدیق میں کچھ کسر ہے وہ قرآن کو سمجھیں ورنہ قرآن اُن سے سمجھے گا کیا ہمارے لئے یہ بس نہیں کہ ہماری کتابوں کی حمد و ثنا قرآن کے ورد زبان ہے؟

ہم اِن مولوی صاحبان کو زیادہ شرمانا نہیں چاہتے جو بائبل شریف کو "کایا پلٹ" کہتے ہیں۔ خُدا کی کتابوں کی اِس طرح توہین کرنے والے کبھی سُرخرو نہیں

ہو سکتے۔ قرآن شریف اُن کو عذاب سے ڈراتا ہے۔ اَفَتُؤمِنُونَ بِبَعضِ الکِتٰبِ وَتَکفُرُونَ بِبَعضٍ ؟ فَمَا جَزَآءُ مَن یَّفعَلُ ذٰلِکَ مِنکُم اِلَّا خِزیٌ فِی الحَیٰوۃِ الدُّنیَا۔ تو کیا کتاب الٰہی کی بعض باتوں کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے تو جو لوگ تم میں سے ایسا کریں اِس کے سوا اُن کا اور کیا بدلا ہو سکتا ہے کہ دُنیا کی زندگی میں اُن کی رُسوائی ہو۔ (بقرہ ع ۱۰۔ ترجمہ نذیر احمد)

اب اِس میں کیا شک ہے کہ بعض لوگوں نے اپنے بادیوں کی پیروی میں خدا کی کتاب کے کسی ایک حِصّہ کو نہیں بلکہ کُل کی کُل الکتاب کو ردّ کر دیا اور اس کے حق میں وہ وہ کُفر بکے کہ الاماں۔ تو کیا وُہ خِزیٌ فِی الحَیٰوۃِ الدُّنیَا سے بچ سکتے ہیں ؟

قرآن شریف سے جن مذکورہ بالا آیات کا اقتباس تصدیق کتب سابقہ میں ہو چکا اُن سے ظاہر ہے کہ یہ تصدیق قطعی و بلا استثنٰی تھی۔ جب توریت کو خدا کی اُتاری ہوئی کہا تو پھر کیا کسر باقی رہ گئی ؟ فِیہَا ھُدًی وَّ نُورٌ کہہ کر مان لیا کہ جو کچھ اُس کے اندر ہے وُہ ہدایت و نُور ہے۔ ہدایت میں گمراہی اور ضلالت کی گنجائش نہیں۔ نہ نُور میں تاریکی کی اور خُدا کے پاس سے اُتری ہوئی کتاب میں ضلالت و تاریکی کا وہم کرنا خباثت ہے۔ پس یہی تو وجہ تھی جو اس کتاب کو تَمَامًا عَلَی الَّذِیٓ اَحسَنَ بھی فرمایا اسی طرح جب انجیل کو خُدا کی نازل کی ہوئی اور خدا کی دی ہوئی بتلایا تو اُس کو نہ کہ اُس کے کسی جزو کو ھُدًی وَّ موعظۃ کہا۔ اور اُس کے اندر سوائے ہدایت اور نُور کے کچھ اور نہیں مانا۔

فصلِ سوم۔ قرآن اور مسئلۂ تحریف

وُہ اصحاب بڑے جرأت مند ہیں جو قرآن کی مذکورہ بالا آیتوں کو خدا کا کلام بھی مانتے ہیں اور اُس کی نازل کردہ الکتاب جس کی شان میں وُہ نازل ہوئیں آیات کی باطل تاویل کر کے تصدیق کو تکذیب بنا دیتے ہیں۔

ہم کو یقین ہے کہ اگر اہلِ اسلام قرآن و حدیث سے مسیحیوں کی کتابوں کی نسبت فتویٰ لیتے تو کبھی وُہ ان کتابوں کی اہانت میں زبان نہ کھولتے۔ اس پر نہایت قوی دلیل یہ ہے کہ متقدمین میں جو سب سے زیادہ قرآن و حدیث جاننے اور سمجھنے والا گزرا جس کو سوا مردِ سے کوئی لگاؤ نہیں تھا یعنی قرآن و حدیث کو فقط قرآن و حدیث سے خالص کرتے تھے وُہ حضرت امام بخاری ہیں جنہوں نے ابنِ عباس کے ایک غلط خیال کو رد کرتے ہوئے اپنی کتابِ حدیث میں فرمایا۔ ولیس احد یزیل لفظ کتاب من کتب اللہ ولکنھم یحرفونہ علی غیر تاویلہ یعنی کوئی شخص نہیں جو خدا کی کتابوں میں سے کسی کتاب کا کوئی لفظ زائل کر سکے بلکہ اہلِ کتاب اس میں تحریف کرتے تھے بایں طور کہ اُس کی تاویل کرتے خلاف سچی تاویل کے۔ یعنی معنی بگاڑتے تھے۔ امام بخاری کے اس قول سے سرسید نے بڑی قوی سند پکڑی ہے۔ صحیح بخاری مطبوعہ کرزن گزٹ کے حاشیہ پر بحوالہ فتح الباری لکھا ہے کہ بخاری کی مراد یہ ہے کہ یہودی تاویلیں کر کے تحریفِ معنوی کیا کرتے تھے جیسے کہ عبرانی کا کلمہ قریب و بعید دو معنوں کا احتمال رکھتا اور مراد قریب سے ہوتی تو وُہ اُسے

بعید پر محمول کرنے"۔ پس بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ اگر قرآن و حدیث کے اندر ایک ذرہ بھر اشارہ ہماری کتابوں کی بے اعتباری کی نسبت موجود ہوتا تو بخاری علیہ الرحمۃ سے زیادہ اُس کو کوئی نہ پاتا۔

ناظرین دیکھ چکے ہیں کہ تصدیقِ کُتب بائبل کو قرآن شریف نے کیسی برملا کر دی۔ اب اِن تحریف کے مدعیوں سے پُوچھئے جو اِن مُقدس کتابوں کو مُحرّف و مُبدّل اور کیا کچھ نہیں کہتے کہ تُم کو اپنے دعویٰ کے لئے کون سا سہارا قرآن شریف کے اندر ملتا ہے؟ سر سید تو تبئین الکلام میں اِن تمام آیاتِ قرآن پر مفصل بحث کر چکے جن میں کُتبِ مُقدسہ پر تو نہیں مگر اہلِ کتاب کے بعض افراد پر الزام لگایا گیا کہ وُہ اپنی کتابوں کی نصُوص میں تاویل کرکے اُن کے سچّے مفہوم کو بگاڑتے یا پوشیدہ کرتے ہیں اور اگر ہم بھی اپنی طرف سے کسی قرآنی آیت کو چھانٹ کر اس پر بحث کرتے ہیں تو ہمارے مخالف کہہ دیں گے کہ ہم نے مضبُوط آیتوں کو چھوڑ کمزوروں کا حوالہ دیا ہوگا۔ حُسنِ اتفاق سے اِس وقت ہمارے سامنے مولوی ابُوسعید محمد حسین مرحوم بٹالوی کی اس کتاب سے ایک عبارت درج ہے جو اُنہوں نے بعنوان تعمیلِ احکامِ توریت و انجیل اپنے رسالہ اشاعۃ السُنّۃ میں بجواب سر سید چھاپی تھی۔ آپ نے اس میں اپنی دانست میں کُتبِ مُقدسہ کی بے اعتباری پر قرآن کے مضبُوط سے مضبُوط پانچ شواہد پیش کئے ہیں۔ اور یہاں ہم اِن میں سے ہر ایک پر الگ الگ بحث کرکے اس دعویٰ کی قلعی کھول دیتے ہیں:-

(۱) آپ فرماتے ہیں "اِن کتابوں میں تحریف کے وقوع اور وجُود سے قرآن مجید نے خُود خبر دی ہے۔ ایک آیت میں ارشاد ہوا ہے۔ (مسلمانو) کیا تمہیں

یہ اُمید ہے کہ اہلِ کتاب (یہود و نصارےٰ) تمہاری تصدیق کریں گے؟ اِن میں تو ایسے لوگ ہیں جو خُدا کا کلام سُنتے تھے۔ پھر جان بُوجھ کر اُس کو بدل ڈالتے تھے۔ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ٥ (بقرہ ۷۵)۔

مولوی صاحب کا ترجمہ اور اُس کی تفسیر اِس آیت کے اصل اِلزام کی برجستہ مثال ہے۔ کیا عبرت کا مقام نہیں کہ مدعیٔ تحریف خُود قُرآن کی تحریف کا مُرتکب ہو گیا۔

(الف) آیت میں خطاب صرف یہود سے ہے رکوع ۶ بایں الفاظ شروع ہُوا۔ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مولوی صاحب نے آیت کا مخاطب "اہلِ کتاب" کو بنایا اور اس میں "یہود و نصارےٰ" دونوں کو رگن لیا۔

(ب)۔ آیت میں حرف قَدْ کو لاکر آیت میں ماضی کو تحقیقی و تاکیدی بنایا گیا ہے۔ پس قَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ کا ترجمہ کرنا چاہیئے تھا "گزر چکا اُن کے درمیان ایک گروہ" مگر مولوی صاحب فرماتے ہیں "اِن میں تو ایسے لوگ ہیں"۔

ایک ظلم تو یہ کیا کہ جو اِلزام یہودیوں سے خاص تھا، اُس کو مسیحیوں پر بھی عام کر دیا۔ دُوسرا جو کسی زمانہ گذشتہ پر محدُود تھا اُس کو زمانہ اسلام میں مروج بتلایا حالانکہ وُہ اِلزام جو کُچھ بھی ہو یہودیوں کے ایک گروہ پر تھا جو مُدتیں ہُوئیں مر مٹا اور یہ باتیں ایسی ہیں جنہیں مفسرین نے بہت قابلِ توجہ سمجھا ہے۔ مدارک میں ہے۔ طائفۃ فمن سلف منھم "اِن لوگوں میں سے کوئی فرقہ جو گذر چکا" اور شاہ عبدالعزیز

فرماتے ہیں: "بودہ است یک فرقہ از ایشاں در زمانِ گذشتہ کہ ہنوز پیغمبر ما مبعوث نہ شدہ بود"

(ج) سب سے بڑھ کر یہ ہے، کہ مولوی صاحب اپنا دعوےٰ بھول گئے۔ چلے تو تھے ثابت کرنے کو کہ "ان کتابوں میں تحریف کے وقوع و وجود سے قرآن مجید نے خود خبر دی، مگر ثابت یہ کرنے لگے کہ کسی زمانہ میں یہودیوں میں کوئی لوگ تھے جو خُدا کے کلام کو سُن سمجھ کر محرّف کر ڈالتے تھے۔ یعنی تحریف کتابوں میں نہیں کی گئی بلکہ بے ایمانوں کی زبان پر اور ایسے ناہنجار آدمی عیسائیوں میں تو کوئی ہُوئے ہی نہیں۔ عرب کے یہودیوں میں کبھی ہُوئے تھے۔ پس زیادہ سے زیادہ یہ تحریف معنوی کا الزام ہے جو ایک فرقہ دُوسرے پر ہمیشہ لگاتا آیا ہے اور جو ہماری دانست میں مولوی صاحب مرحوم پر زیادہ عائد ہوتا ہے۔

(۲)، ایک اور آیت میں ارشاد ہے: "اُن کے لئے خرابی ہے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب (آیات و الفاظِ کتاب) لکھتے ہیں پھر یہ کہتے ہیں، کہ یہ خُدا کی طرف سے ہے تاکہ اُس پر تھوڑا (دُنیاوی) مول لیں: فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا (بقرع ۹)

اوّل:- اس آیت میں ایک عُجبہ بیان کیا ہے۔ کسی خاص فرقہ کو تعیین نہیں کی گئی۔ کسے باشد۔ یہودی۔ مسیحی۔ مسلمان جو دُنیاوی طمع کی خاطر اپنی لکھی ہُوئی کتاب کو خُدا کی کتاب بتادے اُس پر افسوس۔ اور شاہ عبدالقادر صاحب اس آیت کے فائدہ میں فرماتے ہیں: "یہ وہ لوگ ہیں جو عوام کو اُن کی خوشی کے موافق باتیں

جوڑ کر لکھ دیتے ہیں اور نسبت کرتے ہیں طرف خدا کے یا رسول کے۔"

دوم - عین اس کے قبل یہ عبارت بھی آئی ہے وَ مِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ - اور انہیں میں اُمّی لوگ ہیں جو نہیں جانتے کتاب - صرف آرزوئیں باندھ رکھی ہیں، جو نرے اٹکل پچّو چلتے ہیں۔ اُمّی اصطلاحی لقب ہے غیر اہل کتاب کا اور اس کے لغوی معنے ہیں، مادر زاد جاہل اور یہ اُن کو اس اعتبار سے کہا گیا کہ وہ علم الٰہی یعنی خدا کی کتاب پڑھنے جاننے والے نہ تھے - پس قرینہ چاہتا ہے، کہ اس آیت میں اہل عرب کا (جو غیر اہل کتاب تھے) ذکر ہو نہ کہ اہل کتاب کا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں مسیلمہ وغیرہ کی طرف قرآن میں اشارہ آیا ہے۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر بہتان باندھے جھوٹ اور کہے میری طرف وحی آئی حالانکہ اُس کی طرف کوئی وحی نہیں آئی اور جو کہے میں بھی اُتارتا ہوں اُس کی مانند جو اللہ نے اُتارا۔ (انعام ع ۱۱)

بہرکیف اگر اہل عرب میں سے کسی نے کسی کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھ کر خدا کی طرف منسوب کر دیا تھا تو اُس کی لعنت اُسی بدکار کو اُٹھانا چاہیئے اور اسی کا فریب کُھل بھی گیا۔ اور وہ رسوا بھی ہو چکا - پس کسی بو الفضول کے بیہودہ فعل سے خدا کی اُس کتاب پر جو دنیا کی ہدایت اور روشنی کے لئے آسمان سے نازل ہوئی کوئی حرف نہیں آسکتا اور آپ کو چاہیئے کہ آپ ثابت کریں کہ جو کتابیں ہمارے پاس ہیں، "اُن کتابوں میں تحریف کے وقوع و وجود سے قرآن مجید نے خود

خبر دی ہے :

(۲) ایک اور آیت میں ارشاد ہے " یہودیوں میں ایسے لوگ ہیں جو خُدا کے بول (یعنی آیاتِ کلمات) کو اپنے ٹھکانے سے بدل دیتے ہیں اور مُنہ سے کہتے ہیں ہم نے سُنا اور دِل میں کہتے ہیں، ہم نے نہیں مانا " (نساء ع ۷)۔

جُزء اسی رکُوع میں (لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ بھی ہے اس لئے مولوی صاحب نے دعوے تحریف میں پوری آیت نہیں نقل کی! ہم اُسے مع ترجمہ حافظ نذیر احمد درج کرکے مطلب کو صاف کئے دیتے ہیں۔ مِنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا وَاسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَیًّا بِاَلْسِنَتِھِمْ وَطَعْنًا فِی الدِّیْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّھُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ وَاَقْوَمَ ۙ (اے پیغمبر) یہود میں کچھ لوگ ایسے بھی، ہیں جو الفاظ کو اُن کی جگہ (یعنی اصل معنوں) سے پھیرتے ہیں، اور اپنی زبانوں کو مروڑ (توڑ) کر اور دین (اسلام) میں طعنے کی راہ سے سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا اور اِسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ اور رَاعِنَا کہہ کر تُم سے خطاب کرتے ہیں اور اگر وہ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا اور (فقط) اِسْمَعْ اور اُنْظُرْنَا کہہ کر خطاب کرتے تو اُن کے حق میں بہتر ہوتا اور بات بھی سیدھی (سیدھی) ہوتی "۔

اس کے فائدہ میں حافظ صاحب لکھتے ہیں کہ یہود حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر پیچدار اور ذومعنی باتیں کہہ کر گستاخی کرتے۔ یہاں تین باتوں کا مذکور ہے سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا جس کے معنی ہیں ہم نے آپ کا فرمانا سُنا مگر تسلیم نہیں کیا۔ دوسری بات اِسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ ہے۔ اِسْمَعْ کے معنی ہیں کہ ہم جو عرض کرتے ہیں،

آپ اُس کو بھی تو سُنیئے۔ یہاں تک مضائقہ کی بات نہیں مگر اُس کے ساتھ وہ غَیْرَ مُسْمَعٍ بھی بڑھاتے جو کہ دُعائیہ ہے اور کوسنا بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے اصلی معنی ہیں کہ خُدا تم کو نہ سُنوائے۔ مگر کیا نہ سُنوائے؟ دوست ہو تو اس کی یہ مُراد ہوگی کہ تُم کو کسی سے سُخنِ بد سُننے کا اتفاق نہ ہو۔ اور دُشمن ہوگا تو یہ نیّت رکھے گا کہ خُدا کرے تُم بہرے ہو جاؤ۔ تیسرا لفظ رَاعِنَا اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ہم نہیں سمجھے ہماری خاطر سے پھر فرمایئے اور دُوسرے معنی ہوتے ہیں: اے احمق شیخی باز۔ اور اگر عین کو ذرا کھینچ کر کہہ دیا تو معنی ہو گئے اے ہمارے گڈریئے یا چرواہے۔ خُدا نے فرمایا اگر یہ شریر لوگ اپنی شرارت سے باز آتے اور عَصَیْنَا کی جگہ اَطَعْنَا (جس کے معنی ہیں ہم نے مانا اور تسلیم کیا) اور اِسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ کی جگہ صرف اِسْمَعْ اور رَاعِنَا کی جگہ اُنْظُرْنَا (اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ ہماری خاطر سے ذرا پھر فرمایئے) کہتے تو اُن کے حق میں بہتر ہوتا"۔

اب معلوم ہو گیا کہ اِس آیت کو تحریفِ کُتبِ مُقدسہ کے دعوے سے کُچھ بھی لگاؤ نہ تھا۔ مگر علامہ نُعمانی مرحوم نے بیدھڑک تحریف کا بازار گرم کر دیا۔ لفظ کَلِمَ جس کے معنی محض "بول" ہیں خواہ اِنسان کے خواہ شیطان کے خواہ رحمان کے۔ اس کا ترجمہ آپ نے "خُدا کا بول" کر دیا۔ اور اس کی تفسیر میں "آیات و کلمات" فرما دیا تاکہ کسی طرح توریت و زبور و انجیل پر آپ کو زبان کھولنے کا موقع مل جائے، حالانکہ وہاں یہودیوں کے بعض افراد کی شرارت کا ذکر ہے جو رسُولِ عربی کی بات کو ٹھکانے سے بے ٹھکانے کیا کرتے تھے۔ اس کا کتاب سے کیا تعلق ہے؟

(۴) ایک اور آیت میں ارشاد ہے: "یہودیوں کی عہدشکنی کے سبب ہم نے اُن کو پھٹکارا اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیا ہے وہ خُدا کے بول اپنے ٹھکانے سے بدلتے ہیں، اور نصیحت سے فائدہ لینا بھول گئے ہیں۔ تو ہمیشہ اُن کی خیانت (یعنی کتاب میں اَدل بدل) دیکھتا رہے گا۔ بجز تھوڑے لوگوں کے اُن میں سے"۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً ۚ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ ۙ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ (مائدہ ع ۳)

جس الزام کی صراحت اِس سے پہلی آیت میں آچکی اُس کی اِس جگہ تکرار ہے۔ مولوی صاحب یہاں بھی تحریفِ معنوی کرکے "الکلم" کے معنی "خُدا کے بول" لگاتے ہیں، اور جس بات کا بارِ ثبوت آپ پر ہے یعنی "کتاب میں اَدل بَدل" اس کو لفظ خیانت کی تاویل میں فرض کر بیٹھتے ہیں جس سے عیاں ہے کہ تصدیقِ کُتب پر تو نصوصِ قرآنیہ شاہد ہیں، مگر تحریفِ کُتب پر معترضین کی تاویل باطلہ۔

(۵) ایک اور آیت میں ارشاد ہے: "یہودیوں میں بعض جاسوسی کرتے ہیں۔ جھوٹ بولنے کو وہ جاسوس ہیں۔ دُوسروں کے جو تیرے پاس نہیں آئے وہ خُدا کے بول بدل ڈالتے ہیں اس کی جگہ مقرر ہونے کے بعد" وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۛ سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ (مائدہ ع ۶)

مولوی صاحب الزام تو اہلِ کتاب کو تحریف کا دیتے تھے، مگر دراصل کلام اللہ میں تحریف خود کرتے ہیں۔ الکلم کو الکلم اللہ ہر جگہ بتاتے ہیں۔ شاہ عبدالقادر

صاحب اِس فقرہ کا ترجمہ فرماتے ہیں "بے اسلوب کرتے ہیں بات کو اُس کا ٹھکانا چھوڑ کر" اَور اس کے فائدہ میں لکھتے ہیں" بعض منافق تھے۔ کہ دِل میں یہود سے ملتے تھے اَور بعضے یہود تھے کہ حضرت پاس آمدورفت کرتے تھے۔ اللہ نے فرمایا، کہ یہ لوگ جاسوسی کو آتے ہیں کہ تُمہارے دین میں کچھ عیب چُن کر لے جاویں اپنے سرداروں پاس جو یہاں نہیں آتے اَور فی الحقیقت عیب کہاں ہے لیکن بات کو غلط تقریر کرکے ہُنر عیب کرتے ہیں"

صاحب مدارک فرماتے ہیں۔ و معنی سمٰعون الکذب سمٰعون منک لیکذبوا علیک بان مسخوا ما سمعوا منک بالزیادۃ والنقصان و التبدیل والتغییر۔ یعنی جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کی خاطر۔ اس کے معنی یہ ہیں۔ وُہ تیری باتیں سُنتے ہیں تاکہ تیرے اُوپر باندھیں بایں طور کہ بدل ڈالیں جو کچھ تُجھ سے سُن گئے یعنی اُس کے اندر زیادتی کریں اَور کمی اَور تبدل اَور تغیر کریں"

اَور یہی معنی تفسیر حسینی میں بیان کئے گئے "یہودی لوگ آنحضرت کے کلام کو سُن کر باہر نکلتے اَور لوگوں سے کہتے کہ ہم نے محمد سے یہ کچھ سُنا حالانکہ اُنہوں نے وُہ نہیں سُنا ہوتا"

علّامہ بٹالوی کے شواہد خمسہ کے ضعف کو دیکھ کر اب ذرا بھی شک نہیں رہا کہ قُرآن شریف کے اندر ایک لفظ نہیں جس سے اُس کی اُن آیاتِ بیّنات میں سرِ مُو فرق پیدا ہو سکے جو تصدیقِ کُتبِ مُقدّسہ پر ہم لکھ چکے ہیں۔ دعوئے تحریف تو دراصل تکذیبِ قُرآن ہے، اَور نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ اب بعض معترضین جو زیادہ باخبر بننا چاہتے ہیں، اِس قسم کی آیات کو جن پر ہمارے مولوی صاحب زور دیتے

تھے پیش کرتے شرمانے لگے ہیں۔ بلکہ اُن کو تو یہ فکر دامنگیر ہوگئی ہے کہ اس کی کوئی وجہ سوچ نکالیں کہ اگر کُتبِ مُقدّسہ محرّف و ناقابلِ اعتبار تھیں تو پھر قرآن نے اُن کی اِس قسم کی بے اعتباری کا اعلان کیوں نہ کیا۔ اور اُلٹا تصدیق کا نقّارہ کیوں بجا دیا۔

مولوی محمد علی صاحب بیغامِ محمدی میں لکھتے ہیں "اگر یہ کہئے کہ قرآن مجید میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ اُن کتابوں میں غلط ملط ہے، اور اگر یہ امر واقعی تھا، تو جس طرح اُن کتابوں کی تعریف کی تھی اُسی طرح اُن کا مخلوط ہونا بھی بیان کرتا تاکہ خلقت اُن سے پرہیز کرتی۔ یہ شُبہ بھی محض ناواقفی کی وجہ سے ہے کیونکہ اوّل تو یہ ضروری نہیں کہ جو امر واقعی ہو اُسے بیان ہی کر دیا جائے۔ دیکھئے حضرت مسیح اور حواریوں نے سامریوں کو کہیں تحریف کا الزام نہیں دیا[۱]۔ حالانکہ اُنہوں نے عیبال کو گرزم بنا لیا۔ پھر اگر اس کا قول صحیح ہو تو سامری کہہ سکتے ہیں کہ ہماری کتاب صحیح ہے کیونکہ مسیح نے ان کی کتاب کو غلط نہیں بتایا اور لُطف یہ کہ حضرت مسیح کا سکوت ایسے محل پر ہے جہاں بیان کرنا ضرور تھا، کیونکہ سامریہ عورت نے آکر دریافت کیا کہ ہمارے باپ دادوں نے اِس پہاڑ پر سجدہ کیا اور تم کہتے ہو کہ وہ مقام جہاں چاہیئے کہ لوگ سجدہ کریں یروشلیم میں ہے۔ اس کے جواب میں مسیح نے یہ نہ کہا کہ تمہارے نُسخہ میں تحریف کی گئی ہے صحیح یہی ہے کہ وہ مقام یروشلیم میں ہے بلکہ یہ کہا کہ اے عورت میری بات کو سچ جان کہ وقت آتا ہے کہ تم نہ تو اس پہاڑ میں

---

[۱] ہم نے اِس کتاب کے حصّہ اوّل کے باب چہارم کی فصل دوم میں سامری توریت کا مفصّل ذکر کر کے بتلایا ہے کہ اِس نُسخہ میں اور مروجہ عبرانی توریت میں کوئی حقیقی فرق نہیں ہے۔ سامری توریت میں کوئی تحریف واقع نہیں ہوئی۔

(برکت اللہ)

اُور نہ یروشلیم میں سجدہ کروگے (دیکھو یُوحنا باب ۴ آیت ۲۰ و ۲۱) پھر جب ایسے بھاری سکُوت سے سامریوں کے نُسخہ کی صحت ثابت نہیں ہُوئی تو قرآن مجید کے سکُوت سے کُتب سابقہ کا غیر مخلُوط ہونا کس وجہ سے ثابت کیا جاتا ہے"۔ صہ ۵۶

اعتراض تو نہایت ہی معقُول اور پُختہ ہے اور ایسا لاجواب کہ مولوی صاحب نے جان بچانے کو چند غیر متعلق باتیں سُنا کر قارئین کو بہلا دیا۔ لیکن بہرحال یہ امر مسلّمہ رہا کہ عیسائیوں کی کتابوں کی تعریف میں قرآن نے کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا اور اُن کا مخلُوط ہونا ہرگز بیان نہیں کیا اور ہماری کُل بحث کی بُنیاد یہی حقیقت ہے جو تسلیم کر لی گئی۔

ہم معترض کے الزامی جواب کو کچھ تفصیل کے ساتھ پرکھیں گے کیونکہ یہ آخری جلد ہے ہم نہیں چاہتے کہ اب اُن کے لئے کوئی بہانہ چھوڑ دیں۔

ایک حد تک تو یہ قول بجا ہے کہ "یہ ضرور نہیں کہ جو امر واقعی ہو اُسے بیان ہی کر دیا جائے" لیکن اگر کسی شے کی تعریف میں صداقت کے ساتھ زبان کھول لی جائے اور بار بار تعریف کی جائے تو ممکن نہیں کہ اسی موقع پر اس کا عیب ظاہر کر دینے میں قصُور کیا جائے ورنہ ؎

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است
اگر خاموش بنشینم گناہ است

کا معاملہ ہو جائے گا، اور ہم بلا پس و پیش کہتے ہیں کہ اگر خداوند مسیح نے کبھی سامریوں کی توریت کا ذکر کر کے اُس کی نسبت اِس قسم کی تعریفی شہادت دی ہے:۔
فِیْهَا هُدًی وَّ نُوْرٌ یا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ یا مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وغیرہ تو

ہم کو وُہ کتاب سرتاپا برحق ماننا پڑے گی اور اُن باتوں کو جو اُس کے خلاف مشہور ہیں رد کرنا ہوگا۔ لیکن اگر ہم پر یہ کھُل جائے کہ توراتِ سامری ناقابلِ اعتبار تھی تو پھر ہم کو خواہ ہزار افسوس و حسرت ہی سے سہی یہ کہتے بھی تامل نہ ہوگا کہ خُداوند مسیح نے اُس کتاب کی بے جا تعریف کی۔ اُن سے حقیقت الامر پوشیدہ رہی۔ یعنی ہم آپ کے قول کو خلافِ تحقیق پاکر نامقبول کریں گے اور ہرگز اس کے حق ماننے پر اصرار نہ کریں گے اور یہی روِش حق پژوہی کی ہے جس کی ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے بھی سفارش کرتے ہیں۔

اب معترضین ہی ہم کو بتائیں کہ خُداوند مسیح نے سامریوں کی توریت کا ذکر ہی کب کیا؟ اور اُس کی تصدیق یا تعریف میں کب زبان کھولی؟ پھر جس کے وجود ہی سے آپ نے اصلاً اعتنا نہ کی اُس کی تعریف یا تکذیب سے سکوت بجا تھا۔ آپ نے جہان کی اور کتابوں مثلاً رِگ وید۔ ژند اوستا وغیرہ کی نسبت بھی کبھی کچھ نہیں فرمایا۔ پس آپ کے سکوت سے تو کوئی نتیجہ موافق یا مخالف امرِ واقعی کے نہیں پیدا ہوتا۔ پس مولوی صاحب کا الزامی جواب محض ردّی ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت مسیح نے اور حواریوں نے سامریوں کو کہیں تحریف کا الزام نہیں دیا۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ سامری تورات میں کوئی حقیقی فرق رُونما نہ ہوا تھا۔

ہم کو معترض کی یہ توقع بھی نہایت سادہ لوحی کی معلوم ہوتی ہے کہ جب ایک سامری عورت نے (جس نے بالیقین نہ سامری توریت دیکھی تھی اور نہ یہودی توریت اور جو کتابی اختلاف کو نہ سمجھتی تھی اور نہ سمجھنے کی قابلیت رکھتی تھی) آپ سے ایک سادہ سوال کیا کہ پرستش اِس پہاڑ پر واجب ہے یا اُس پہاڑ پر۔ تو مسیح خُداوند کو

اُس کے سامنے تو زمین پر خطبہ سنانا چاہیئے تھا، خاص کر ایسے وقت جب آپ تمام پہاڑوں اَور دریاؤں کی پرستش کو اُٹھانے آئے تھے یعنی اُن ظاہری رسُوم سے لوگوں کی گردنیں چھڑانے اَور رُوح اَور راستی کی پرستش قائم کرنے آئے تھے پس آپ نے ایسی اُلجھن دُوسروں کے لئے چھوڑ کر عورت کو اپنے دین کا اصل الاُصُول بتا دیا جس سے یہُودیوں اَور سامریوں دونوں کی غلطی اَور اُن کے بعد اُن کے رُوحانی جانشینوں کی غلطی بھی فاش ہو جاتی ہے ''اے عورت مجھ پر یقین لا کہ وُہ گھڑی آتی ہے کہ تم نہ تو اُس پہاڑ پر اَور نہ یروشلیم میں باپ کی پرستش کرو گے۔ تُم اُس کی جسے نہیں .... جانتے ہو پرستش کرتے ہو ہم اُس کی جسے جانتے ہیں پرستش کرتے ہیں، کیونکہ نجات یہُودیوں میں سے ہے۔ پر وُہ گھڑی آتی ہے بلکہ ابھی ہے کہ سچے پرستار رُوح اَور راستی سے باپ کی پرستش کریں گے، کیوں کہ باپ ایسے پرستاروں کو چاہتا ہے'':

جس عبارت کو جلی حرُوف میں لکھا ہے اَور جس کو معترض نے ترک کر دیا جان بُوجھ کر یا ناسمجھی سے اُس میں خُداوند مسیح نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ سامریوں کی پرستش نادانی یعنی جہل و تعصب اَور عناد پر مبنی تھی۔ اَور یہُودیوں کی پرستش اُن کے آباؤ اَجداد کے دستُور اَور قومی جذبات پر۔ اَور اِس کا اشارہ صریحاً اختلافِ سجدہ گاہ کی طرف ہے۔ آپ نے فرمایا کہ رُوح اَور راستی سے حقیقی پرستش نہ غرزیم پہاڑ پر اَور نہ یروشلیم پر ہو گی کیونکہ حقیقی پرستش کا تعلق زمان و مکان کے ساتھ نہیں ہے۔

اب ہم پھر معترضین سے اُسی سوال کا معقول جواب مانگتے ہیں کہ قرآن مجید نے کتبِ یہُود و نصاریٰ کی ثنا اَور صفت بدرجۂ کمال خُوب ہی کھول کر بیان کر

دی ۔ اگر اُن میں کوئی عیب تھا، اور وہ عیب بھی ایسا جس کے تم لوگ مدعی ہو جس سے وہ کتابیں بالکل ردی ہو جاتی ہیں تو اُس کو بھی کیوں کھول کر نہ بیان کر دیا؟

اِس کا جواب ایمان سے یہی دیا جا سکتا ہے کہ اِن کتبِ مقدسہ سابقہ میں کوئی عیب نہ تھا یا اگر تھا تو اِس سے خدا جو مصنفِ قرآن ہے بالکل بے خبر تھا اور اُس کا رسول بھی جو اِن کتبِ سماوی یعنی مجموعہ بائبل کو سر تا پا برحق جانتا تھا اور اِسی پر اُس نے گواہی دی۔

پادری برکت اللہ صاحب کی تصانیف

اُردو تراجم

(۱) استحکام کی تیاری (۲) ضابطۂ کلیسیائے ہند (۳) کلیسیائے ہند اور مسیحی خادم۔
(۴) ملک صحت کی عدالت (۵) ۱۹۲۸ء نماز کی کتاب کے بعض حصص۔

پنجابی

(۱) ۱۹۲۸ء نماز دی کتاب دے چند حصے (ترجمہ)

(۲) نماز دی کتاب (۱۹۲۸ء) (ترجمہ) (۳) نانِ بقا

(۴) فجر تے شام دی عبادت (بحروفِ اُردو و گورمکھی)

(۵) گیت مالا (بحروفِ اُردو و گورمکھی) (۶) پُوران گو. د (گورمکھی)

(۷) دُعا تے عام دی کتاب ۱۹۵۶ء (بحروفِ گورمکھی)

دیگر تصانیف

(۱) مسیحیت و سائنس۔ (۲) مسیحیت اور اشتراکیت

(۳) نور الہدیٰ بجواب ینابیع المسیحیت (دو جلد)

(۴) صحتِ کتبِ مقدسہ۔ بائبل شریف کی کتابوں کی صحت کا ثبوت۔ (تیسری ایڈیشن)

(۵) قدامت و اصلیتِ اناجیل اربعہ (دو جلد) (دوسری ایڈیشن)

(۶) دینِ فطرت۔ اسلام یا مسیحیت: (دوسری ایڈیشن)

(۷) کیا تمام مذاہب یکساں ہیں؟

(۸) کیا تمام مذاہب ایک خدا کے پاس جانے کے مختلف راستے ہیں؟

(۹) دشتِ کربلا یا کوہِ گوری؟

(۱۰) اسرائیل کا نبی یا جہان کا منجی؟

(۱۱) معجزۂ قانائے گلیل۔ بجواب مولوی ثنا اللہ صاحب مرحوم۔ (دوسری ایڈیشن)

(۱۲) ایلی ایلی لما شبقتنی بجواب مولوی ثنا اللہ صاحب مرحوم

(۱۳) الوہتِ الٰہی کا مفہوم۔ بجواب مولوی ثنا اللہ صاحب مرحوم

(۱۴) توضیح البیان فی اصول القرآن (دوسری ایڈیشن (۱۵) محمد عربی (دوسری ایڈیشن،

(۱۶) توراتِ موسوی اور محمد عربی (دوسری ایڈیشن) (۱۷) توضیح العقائد

(۱۸) مسیحیت کی عالمگیری (۱۹) کلمۃ اللہ کی تعلیم (دوسری ایڈیشن

(۲۰) تاریخ کلیسیائے ہند۔ جلد اوّل۔ مقدس توما رسولِ ہند۔ (دوسری ایڈیشن۔

(۲۱) " " جلد دوم۔ صلیب کے ہراوّل۔ اردو و ہندی

(۲۲) " " جلد سوم۔ قرونِ وسطیٰ کی ایشیائی اور ہندوستانی کلیسیائیں

(۲۳) " " جلد چہارم۔ سلطنتِ مغلیہ اور مسیحیت (زیر طبع)

(۲۴) صلیب کے علمبردار۔ پنجاب کے اوّلین مشنریوں کے حالات۔ (دوسری ایڈیشن،

(۲۵) کلیسیائے پنجاب کا دانا معمار۔ آرچ ڈیکن احسان اللہ مرحوم

(۲۶) اناجیلِ اربعہ کی زبان اور چند آیات کا نیا ترجمہ

ملنے کا پتہ

پنجاب رلیجس بک سوسائٹی، انارکلی لاہور (پاکستان)

مکتبہ جدید پریس لاہور میں باہتمام مینیجر ای پی۔ عطاءاللہ سیکریٹری
پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی۔ انارکلی لاہور چھپ کر شائع ہوئی۔

70. Tasker, R.V.G., The Old Testament in the New Testament 1954.
71. The Talmud.
72 Tischendorf, Codex Sinaiticus.
73. Wilkgren, A.P., New Testament Manuscript Studies. 1950.
74. Wilson, E., The Scrolls from the Dead Sea. 1960.
75. Wade, New Testament History.

Barakat Ullah

Wayside Cottage,

Mussoorie.

Aug. 16, 1964.

46. Mc Neale, Introduction to the Study of the New Testament.
47. Marston, The Bible is True.
48. New Testament in the Apostolic Fathers. 1905.
49. Peake, Commentary of the Bible.
50. Peake's Revised Commentary of the Bible.
51. Peake, The Bible, Its Origin, Significance & Abiding worth.
52. Petrie, Palestine & Israel.
53. Ramsay, W., The Bearing of Recent Discovery on the Trustworthiness of the New Testament. 1915.
54. Roberts, B J., The Old Text and Versions. 1951.
55. Roberts, C H., An Unpublished Fragment of the Fourth Gospel. 1935.
56. Rowley, H.H., The Dead Sea Scrolls & The New Testament. 1957.
57. Robinson, Introduction to the Textual Criticism of the New Testament. 1928.
58. Sweet, L M., New Testament Quotations. (International Standard Bible Encyclopaedia) 1949
59. Stendahl, K., The Scrolls and the New Testament. 1957.
60. Sommer Dupont, The Dead Sea Scrolls: A Preliminary Survey.
61. Smyth Paterson, The Old Documents and the New Bible.
62. Smyth Paterson, How we got Our Bible.
63. Smyth Paterson, Our Bible and Ancient Documents.
64. Smyth Paterson, Our Bible in the making.
65. Smith, Dictionary of the Bible.
66. Streeter, B.H., The four Gospels. 1924.
67. Stanton, H.U.W., The Urdu New Testament.
68. Thompson, J.A., The Bible & Archaeology. 1962.
69. Tasker, R.V.G., Our Lord's Use of the Old Testament. 1953.

21. Cross, F.M., The Ancient Library of Qumran & Modern Studies, (1958).
22. Driver, Introduction to the Literature of the New Testament.
23. Dodd, C.H., The Bible & the Greeks. 1934
24. Encyclopaedia Biblica.
25. Filson, The Origin of the Gospels.
26. Gregory, The Canon and Text of the New Testament.
27. Gore, Commentary on the Holy Scriptures.
28. Gaster, H., The Scriptures of the Dead Sea Sect. 1957.
29. Henry, C.F.H., Our Lord's Use of Scripture, 1959.
30. Henry, Revelation and the Bible. (Bruce's Art. "Archaeological Confirmation of the New Testament.")
31. Hastings, Encyclopaedia of Religion & Ethics.
32. Hastings., Dictionary of the Bible (One Vol.).
33. Hastings, Dictionary of Christ and the Gospels.
34. Hastings, Dictionary of the Bible (5 Vols.).
35. Johnson, F., Quotations of New Testament from the Old, Considered in the Light of General Literature.
36. Josephus, Against Apion.
37. Kenyon, The Bible and Modern Scholarship
38. Kenyon, The Story of the Bible.
39. Kenyon, The Textual Criticism of the New Testament.
40. Kenyon, The Bible & Archaeology.
41. Kenyon, Our Bible and Ancient Manuscripts, 1958.
42. Kirk Patrick, The Divine Library of the Old Testament
43. Kammerer, W., A Coptic Bibliography, 1950.
44. Lake, K., The Text of the New Testament, (6th Edition, 1c33).
45. Mount Sinai Manuscript of the Bible.

LIST OF BOOKS.

The Following Books have been Consulted in the Preparation of this Edition :-

1. Albright, F., The Archaeology of Palestine. (Penguin Books) 1956.
2. Albright, F., Recent Discoveries in Bible Lands. 1955.
3. Allegro, J.M., The Dead Sea Scrolls. 1961.
4. Burrows, M., „ „ 1955.
5. Burrows, M,, More Light on The Dead Sea Scrolls. 1955.
6. Bruce, F. F., "Qumran & Early Christianity" in New Testament Studies II. (1955-56).
7. The New Bible Dictionary.
8. Bruce, F. F., The Books and the Parchments. 1950.
9. Bruce, F. F., Second Thoughts on the Dead Sea Scrolls. 1956.
10. Bruce, F. F., The Teacher of Righteousness in the Qumran Texts. 1957.
11. Bruce, F. F., Biblical Exegesis in the Qumran Texts. 1960.
12. Bruce, F. F., The New Testament Documents. 1963.
13. Black, M., The Scrolls & Christian Origins. 1961.
14. Bell & Skeat, Fragments of an Unknown Gospel and other Early Christian Papyri.
15. Beginnigs of Christianity. Vols. 1-4.
16. Bell, Recent Discoveries of Biblical Papyri. 1937.
17. Bowman, Verse Ommissions from the Revised Urdu New Testament. 1929.
18. Burrows, What mean These Stones?
19. Criticism of the New Testament, (Lec. 1, 2, 3,).
20. Cambridge Bible Essays. (Essays 6,14,15).

تصانیف پروفیسر لطفی لیونیان

اہل ذوق حضرات کے لئے تحفہ

تاریخ کا مفہوم کیا ہے؟	-/۰۷
خدا کی پروردگاری کیا ہے؟	-/۰۷
یسوع اور بنی آدم	-/۰۷
راستی کیا ہے؟	-/۰۷
حریت	-/۰۷
کیا مذہب کی ضرورت ہے؟	-/۰۷
خدا پر ایمان رکھنا کیا ہے؟	-/۰۷
شخصی حیات جاودانی پر کیوں اعتقاد رکھیں؟	-/۰۷
مقصد حیات	-/۰۷
معجزہ کیا ہے؟	-/۰۷
مذہب کیا ہے؟	-/۰۷
انسان کیا ہے؟	-/۰۷
مذہب اور سائنس	-/۰۷
مذہب میں عقل کا درجہ	-/۰۷
مذہب اور اخلاق	-/۰۷
مذہب اور دعا	-/۰۷
مذہب اور امن و صلح	-/۰۷
گناہ کیا ہے؟	-/۰۷
مذہب میں اختیار و اقتدار	-/۰۷
خودداری	-/۰۷
مذہب کا معیار	-/۰۷
خدا کون ہے؟	-/۰۷
ابتدائے مذہب	-/۰۷
رنج و مصیبت کا مطلب	-/۰۷
مکاشفہ	-/۰۷
مسئلۂ برائی یا گناہ	-/۰۷
حقیقت و انصاف	-/۰۷
مذہب و معاشری مسائل	-/۰۷

پنجاب رلیجس بک سوسائٹی

انارکلی - لاہور